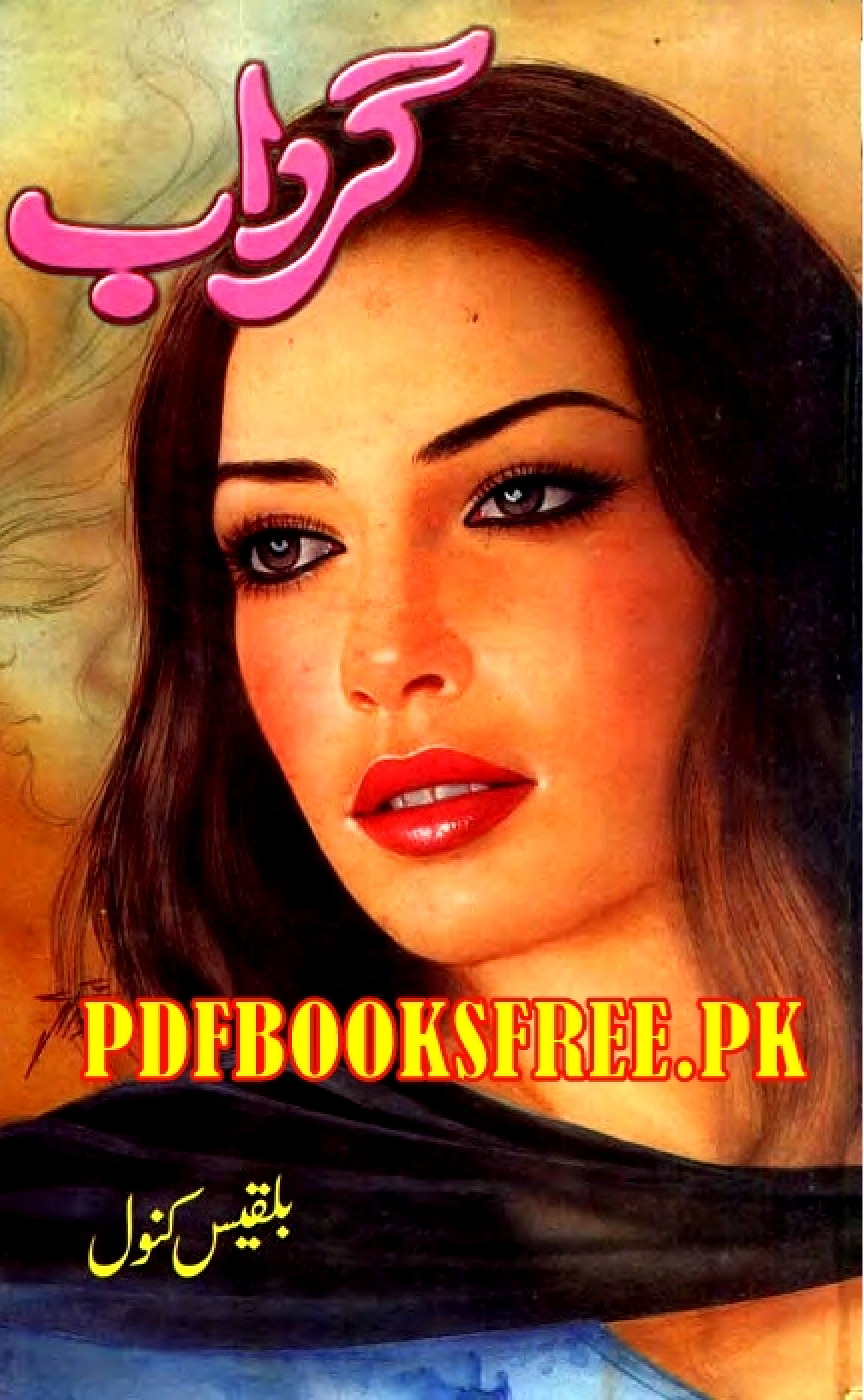
گرداب
PDFBOOKSFREE.PK
بلقیس کنول

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گل دستے!

علی میاں پبلی کیشنز کی جانب سے میرا چوتھا ناول پیش خدمت ہے۔

مختصر یہ عرض کر دوں کہ "گرداب" ایک ایسی معصوم لڑکی کی کہانی ہے جو اپنی دراز پلکوں پر مستقبل کے حسین خواب سجائے منزل کی طرف گامزن تھی جب موسم کی رُت بدلی۔ بہار نے خزاں کا لبادہ اوڑھا تو اس کی امنگیں اور آرزوئیں اس کے دل کے نہاں خانوں میں گیلی لکڑی کے مانند سلگنے لگیں۔ حالات کے تغیر نے اس کی دنیا ویران کر دی۔ وہ تڑپ اٹھی اس کے خواب چکنا چُور ہو گئے۔ پھر کاتب تقدیر کو چھلکتی آنکھوں پر رحم آ گیا۔ منزل نے خود آگے بڑھ کر قدم چُومے تو اس کا انگ انگ خوشیوں کے احساس سے جھوم اٹھا۔ دھوپ چھاؤں کے درمیان جنم لینے والی یہ کہانی آپ کے احساسات کو ضرور گدگدائے گی۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے! ناول کی پسند اور ناپسند کا فیصلہ بہرحال قارئین کو کرنا ہے۔

قارئین نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے قیمتی وقت نکال کر مجھے "نقشِ قدم" "وفا" اور "مہندی رچے ہاتھ" کے بارے میں جو قیمتی آراء ارسال کی ہیں میں اس کے لئے اپنے پڑھنے والوں کی ازحد شکر گزار ہوں۔ آپ کے خطوط میں تعریفوں کی بھرمار بھی ہے اور پسند اور ناپسند کی وجوہ بھی شامل ہیں۔ کچھ بہنوں نے تنقیدی اعتبار سے میری تحریر پر "نشتر زنی" سے بھی کام لیا ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کے خطوط کو "گل دستوں" کی طرح اپنے ذہن کے دریچوں میں سجا کر رکھا ہے کہ یہی بے لاگ تبصرے، محبت بھری تنقیدیں اور قیمتی مشورے خوبصورت تحریروں کے حُسن کے نکھار کا سبب ہوتے ہیں۔ آپ کا خلوص آپ کا پیار آپ کی رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو شاید مجھے وہ مقام بھی حاصل نہ ہوتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جہاں میں آج قدم جمائے بڑے اعتماد سے کھڑی ہوں۔

"نقش قدم" اور "مہندی رچے ہاتھ" کے بارے میں بیشتر قارئین نے اپنی بے پناہ پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ البتہ "وفا" کے سلسلے میں پڑھنے والوں نے ملے جلے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اکثر نے "وفا" کے بارے میں بھی میری تحریر کو بے حد سراہا ہے۔ کچھ بہنوں نے اسے سب سے خوبصورت اور بہتر قرار دیا ہے لیکن کچھ قارئین کا خیال ہے کہ "وفا" ایک علامتی کہانی ہے۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گی۔ یہ بات بھی میرے تجربے اور مشاہدے میں ہے کہ علامتی کہانیوں اور کرداروں کو یا تو بے حد پسند کیا جاتا ہے یا پھر اسے زیادہ توجہ سے نہیں پڑھا جاتا۔ شاید اس لئے کہ مشرق میں اس قسم کی کہانیاں لکھنے والوں کا فقدان ہے۔ جبکہ مغرب میں ناقدین صرف Symbolic کہانیوں کو ہی فن کے معراج کی کسوٹی گردانتے ہیں۔ بہرحال میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی رائے سے نوازنے کی زحمت گوارا کی۔ "گرداب" کے سلسلے میں بھی مجھے آپ کے قیمتی مشوروں اور بے لاگ تبصروں کا بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔

بلقیس کنول

عابد حسین قد آدم آئینے کے سامنے ٹائی کی گرہ درست کر رہے تھے کہ نصیرہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ شوہر کو تیار ہوتے دیکھا تو مسکرا کر بولیں۔

"یہ آج صبح ہی صبح کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟"

"دفتر کی۔" عابد حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"دفتر..........." نصیرہ بیگم شوخی سے بولیں۔ "آپ شاید بھول گئے ہیں کہ آج اتوار ہے۔"

عابد حسین ٹائی کی گرہ درست کر کے پلٹے۔ بیوی کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مجھے آج اتوار ہونے کا علم نہیں ہے۔"

"پھر دفتر کیوں جا رہے ہیں؟" نصیرہ بیگم نے شوہر کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ ضروری کام نپٹانے ہیں۔"

"ایسا بھی کیا کہ اتوار کو بھی انسان کو آرام نہ نصیب ہو۔"

"جلدی واپس آ جاؤں گا۔" عابد حسین نے کہا پھر کھونٹی سے کوٹ اتار کر پہننے لگے۔

نصیرہ بیگم کو شوہر کا اتوار کے دن بھی دفتر جانا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ قدرے اداس لہجے میں بولیں۔

"دوپہر کے کھانے تک تو آپ لوٹ آئیں گے نا!؟"

"کوشش کروں گا۔"

"لیکن ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ واپسی جلدی ہو گی۔"

"اچھا........... کھانے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔" عابد حسین نے کوٹ پہن کر خود کو آئینے میں دیکھا پھر قدم بڑھاتے بیوی کے قریب آ گئے جو ابھی تک دروازے پر کھڑی

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شوہر کو تکے جا رہی تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں۔" نصیرہ بیگم نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"کچھ تو ضرور ہے جو یہ ٹھنڈی آہیں بھری جا رہی ہیں۔" عابد حسین مسکرا کر بولے۔ "کیا آج آپ کو میرا دفتر جانا گراں گزر رہا ہے؟"

"بڑے شوق سے جایئے دفتر لیکن اپنی صحت کا خیال بھی رکھا کیجئے۔"

"اب صحت کا خیال کر کے کیا کروں گا۔" عابد حسین شوخی سے بولے۔ "آپ نے تو دو گھڑی میرے پاس بیٹھنا بھی ترک کر دیا ہے۔"

نصیرہ بیگم شوہر کے اس جملے پر شرما گئیں۔ نظریں جھکا کر بولیں۔ "آپ کو تو بس ہر وقت ایسی ہی باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔"

"کیا کروں .... آپ نے عادتیں جو خراب کر دی ہیں۔"

نصیرہ بیگم نے مسکراتی نظروں سے شوہر کو دیکھا پھر ان کے ساتھ کھانے کے کمرے میں آ گئیں جہاں ملازم ناشتہ لگا چکا تھا۔

"یہ آج ہماری بیٹی کہاں غائب ہے؟" عابد حسین نے ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔ میں ابھی جگا کر آئی ہوں۔" نصیرہ بیگم نے پلیٹیں لگاتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ کے لاڈ پیار نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ کیا مجال ہے جو نو بجے سے پہلے کوئی اسے جگانے کی ہمت بھی کر سکے۔"

"کیا مطلب' کیا وہ کالج بھی دیر سے جاتی ہے؟"

"کالج کے دنوں میں تو خیر کسی نہ کسی طرح آیا اسے جگا دیتی ہے لیکن اتوار والے دن ہمیشہ صاحبزادی صاحبہ دیر سے اٹھتی ہیں۔"

"اتوار کا دن ویسے بھی آرام کا ہوتا ہے اس لئے سمیرا اگر دیر سے اٹھتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔" عابد حسین نے توس پر مکھن لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسا بھی کیا آرام کہ انسان دن چڑھے تک پڑا سوتا رہے۔ کتنی بار تاکید کر چکی ہوں کہ کبھی ایک دو وقت ہی کی نماز پڑھ لیا کرے لیکن وہ مجھے ہمیشہ باتوں میں ٹال جاتی ہے۔"

"اب یہ آپ جانیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"میں کیا خاک جانوں گی۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "جب بھی اسے سخت سُست کہتی ہوں آپ لاڈ پیار شروع کر دیتے ہیں اس لئے سمیرا پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"قدرت نے ایک ہی تو اولاد دی ہے بیگم!" عابد حسین نے مسکرا کر کہا۔ "اگر ہم اس کا لاڈ پیار بھی نہ کریں تو یہ زیادتی ہو گی۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن اب سمیرا اتنی بچی بھی نہیں ہے کہ اسے اپنے بُرے بھلے کی تمیز نہ ہو۔ گھر کے کام کاج میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لیتی۔"

"سمیرا کو بھلا کام کاج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنے سارے ملازم جو موجود ہیں۔"

"ملازموں کے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ لڑکی کوئی کام نہ کرے۔" نصیرہ بیگم نے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ماشاء اللہ اب اس کی عمر اٹھارہ سال کی ہے۔ اگر ابھی سے امورِ خانہ داری نہ سیکھی تو شوہر کے گھر جا کر کیا کرے گی؟"

"آپ اس کی فکر مطلق نہ کریں بیگم! میں اپنی بیٹی کی شادی کسی ایسے لڑکے سے کرنے ہی کیوں لگا جہاں جا کر میری بیٹی کو چولہا جلانے کی نوبت پیش آئے۔"

"توبہ کیجئے خدا سے۔" نصیرہ بیگم تیزی سے بولیں۔ "بڑا بول ہمیشہ آگے آتا ہے۔ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ویسے بھی لڑکیوں کو خانہ داری کے کاموں سے واقف ہونا ضروری ہے ورنہ شادی کے بعد ساس نندیں طعنہ دیتی ہیں کہ ماں باپ نے کچھ سکھایا ہی نہیں۔"

"آپ کو اس وقت سمیرا کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟" عابر حسین نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔ "ابھی تو وہ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ جب تک بی اے نہ کر لے شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"بی اے کرنے میں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو اگلے سال وہ بی اے بھی کر لے گی۔ ایک ڈیڑھ سال گزرتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔"

"جب تعلیم سے فراغت حاصل کر لے گی تو گھر کے کام کاج بھی سیکھ لے گی۔ اتنی جلدی کیا ہے؟"

"آپ کی انہی باتوں نے تو اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"ابھی بچی ہے' بیگم! رفتہ رفتہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بس رہنے دیجئے۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔" نصیرہ بیگم نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چائے بناتے ہوئے جواب دیا۔ "جب ابھی سے سمیرا کی یہ حالت ہے کہ کام کا نام سن کر اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آتی ہیں تو بعد میں وہ کیا خاک سیکھے گی اور پھر اسے کالج اور گھومنے پھرنے سے اتنی فرصت ہی کہاں ملتی ہے جو گھر کے کاموں کے لئے وقت نکل سکے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پارٹی ضرور ہوتی ہے۔ کبھی پکنک کے پروگرام بنتے ہیں تو کبھی سہیلیوں کے ہاں دعوتیں اڑائی جاتی ہیں۔ بالکل ہوائی دیدہ بن کر رہ گئی ہے اور اب تو صاحبزادی نے نئے نئے فیشن بھی سیکھنے شروع کر دیئے ہیں۔"

"یہی تو عمر ہوتی ہے بیگم پہننے اور اوڑھنے کی۔" عابد حسین بولے۔ "اگر ہماری بیٹی اس عمر میں اپنے شوق نہ پورے کرے گی تو کیا بڑھاپے میں فیشن کرے گی۔"

"میں فیشن اور شوق پورا کرنے کو کب منع کرتی ہوں لیکن یہ شوق گھر کی چار دیواری میں بھی پورے کئے جا سکتے ہیں۔ باہر مردوں میں نئے نئے فیشن اپنا کر اِتراتے پھرنا مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

عابد حسین مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ انہیں بیوی کی طبیعت کا بخوبی علم تھا۔ وہ پرانے خیالات کی عورت تھیں اس لئے انہیں سمیرا کا آزادی سے باہر گھومنا پھرنا پسند نہ تھا۔ جب بھی وہ شوہر سے سمیرا کے معاملے میں الجھتیں عابد حسین ہمیشہ ان کو ٹال جایا کرتے۔ چنانچہ اس وقت بھی انہوں نے بیوی کی باتوں کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ جلدی جلدی چائے پی اور دفتر چلے گئے۔

☆======☆======☆

عابد حسین ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ شروع ہی سے ان کا ذہن چونکہ تجارت کی طرف مائل تھا اس لئے تعلیم مکمل کر لینے کے بعد انہوں نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیا۔ عابد حسین کے والد شیخ حامد حسین بڑے کروفر اور آن بان کے مالک تھے۔ جس زمانہ میں وہ جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اسی زمانے میں عابد حسین نے بی اے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ حامد حسین چاہتے تھے کہ بیٹا تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے اور آگے بڑھ کر ان کی کرسی سنبھالے لیکن عابد حسین کو ملازمت سے ہمیشہ چڑ رہی تھی۔ چنانچہ انہوں نے والدہ کی زبانی اپنے خیالات باپ تک پہنچا دیئے۔ حامد حسین کو اولاد کی یہ نافرمانی ایک آنکھ نہ بھائی۔ ان کی تمام زندگی آخری فیصلہ سناتے گزری تھی چنانچہ جب بیوی کی زبانی انہیں اولاد کے خیال کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔

"راشدہ! میں تجارت کرنے کے سخت خلاف ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"عابد کا رجحان اگر تجارت کی طرف مائل ہے تو آپ کو بھلا کس بات پر اعتراض ہے؟" بیوی نے حامد حسین سے کہا۔ "تجارت کرنا خدانخواستہ کوئی ایسی بری بات بھی نہیں ہے۔"

"نہ سہی .... لیکن میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"پھر............ میں عابد کو کیا جواب دوں؟"

"اس سے کہہ دو کہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے۔ میری خواہش ہے کہ وہ ایم اے کر لینے کے بعد قانون کا امتحان پاس کر لے اور اس کے بعد بیرسٹری کرنے کی غرض سے ولایت چلا جائے۔"

"میری بھی یہی خواہش تھی کہ عابد آپ کی طرح دنیا میں نام پیدا کرے۔" راشدہ بیگم نے دبی زبان میں کہا۔

"کیا آپ نے اپنی خواہش کا اظہار عابد کے سامنے نہیں کیا تھا؟"

"کیا کیوں نہیں تھا۔"

"پھر کیا جواب دیا اس نے؟"

"عابد کا خیال ہے کہ تجارت پیشہ لوگ ملازمت پیشہ افراد سے زیادہ پُرسکون زندگی گزارتے ہیں۔"

"گویا اسے ہماری خواہشات کا کوئی احترام نہیں ہے۔" حامد حسین کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"ہے کیوں نہیں لیکن............"

"نہیں راشدہ! آپ اس معاملے میں بیٹے کی کوئی سفارش نہ کریں۔" حامد حسین نے تیزی سے کہا۔ "اگر وہ سمجھتا ہے کہ اب اسے ہمارے مشوروں کی کوئی ضرورت نہیں رہی تو ہمیں بھی اس کے معاملات میں آئندہ سے کوئی دخل نہیں دینا چاہئے لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر عابد نے تجارت کو اپنانے کی ضد کی تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔"

"ایسی باتیں کیوں منہ سے نکالتے ہیں؟" راشدہ بیگم گھبرا کر بولیں۔ "میں عابد کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔"

"میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"پھر بھی ایک بار سمجھا کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آپ جانیں لیکن میرا فیصلہ اپنی جگہ اٹل ہے۔"

راشدہ بیگم جانتی تھیں کہ شوہر کے فیصلے کبھی بدلا نہیں کرتے اس لئے وہ پریشان ہو گئیں لیکن دوسری طرف اولاد کا خیال بھی تھا۔ عابد حسین ان کے گھر کے ایک ہی روشن چراغ باقی بچے تھے پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ انہیں بھی گھر سے بے گھر کر دیا جاتا۔

کچھ دیر وہ خاموش کھڑی اپنی سوچوں میں گم رہیں پھر دبی زبان میں بولیں۔

"میرا خیال ہے کہ آپ عابد کو پیار اور نرمی سے سمجھائیں تو وہ مان جائے گا۔"

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔" حامد حسین نے تیزی سے جواب دیا۔ "عابد کوئی بچہ نہیں ہے جو اسے پیار و نرمی سے سمجھایا جائے۔ اس کے علاوہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ جان بوجھ کر اپنی بات کو نیچا کروں۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ' عابد کیا آپ کا خون نہیں ہے؟"

"میرا ہی خون ہے جبھی تو کہہ رہا ہوں کہ اس سے گفتگو کرنی بیکار ہے۔ وہ کبھی اپنی ضد سے باز نہیں آئے گا۔ میں اس کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"ایسی صورت میں تو آپ کو اسے تجارت کرنے کی اجازت دینی چاہیئے۔" راشدہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے کہا تو حامد حسین ایکدم ہی سے پھٹ پڑے۔

"راشدہ! میں ملازمت سے سبکدوش ضرور ہو گیا ہوں لیکن ابھی میری آن اتنی سستی نہیں ہوئی ہے کہ میں خود اپنی ہی اولاد کے سامنے اپنی گردن خم کر دوں۔"

راشدہ بیگم کا دل دھڑکنے لگا۔

"عابد اگر تجارت کرنا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے کرے لیکن ایسی صورت میں اسے اپنا بندوبست کہیں اور کرنا پڑے گا۔" حامد حسین نے اپنا آخری فیصلہ بھی سنا دیا۔

"خدا نہ کرے کہ کبھی اس کی نوبت آئے۔" راشدہ بیگم دبی زبان میں بولیں۔

حامد حسین اپنا آخری فیصلہ سنا چکے تھے لیکن دوسری طرف عابد حسین بھی اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہیں جب باپ کے آخری فیصلے کا علم ہوا تو ان کے یاقوتی ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ ابھر آئی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں عزم تھا' حوصلہ تھا' بلند ہمتی تھی۔

راشدہ بیگم نے بیٹے کی مسکراہٹ کا مفہوم سمجھا تو سر تا پا لرز کر رہ گئیں۔ حالات نے انہیں ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک طرف شوہر کا حکم ان کے لئے مقدم تھا اور دوسری طرف اولاد کی محبت تھی اور وہ ان دونوں ہی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بیٹے کو دوبارہ ہموار کرنے کے لئے کہا۔

"تم اگر تجارت کرنے میں خوش ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن تمہارے والد کی خوشی ہے کہ تم ایم اے کر لو۔ اس کے بعد عملی زندگی کو اختیار کرو۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے کہ میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کر لوں تو میں ضرور آپ کی خوشی پوری کروں گا۔" عابد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت ان کے سامنے ماں کی ممتا بول رہی تھی اور ماں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر عابد حسین ایم اے کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں تو کم از کم دو سال کے لئے باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی کشمکش ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد یہ بھی ممکن تھا کہ عابد حسین کے خیالات بھی بدل جاتے۔

عابد حسین نے ماں کی بات کا مفہوم سمجھنے کے بعد ہی گول مول جواب دیا تھا لیکن راشدہ بیگم کی تشفی نہ ہوئی۔ بڑے پیار سے بولیں۔ "وعدہ کرو کہ جب تک تم ایم اے نہ کر لو گے اپنی عملی زندگی کے بارے میں کوئی قدم نہ اٹھاؤ گے۔"

"میں ضرور ایم اے کروں گا امی جان!" عابد حسین مسکرا کر بولے۔ پھر قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے تو میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے وعدہ؟"

"امی جان! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر ابھی سے میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا تو ممکن ہے بعد میں مجھے پچھتانا پڑے۔"

"اس میں پچھتانے کی کیا بات ہے؟" راشدہ بیگم جلدی سے بولیں۔ "گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ کسی چیز کی کمی محسوس کی ہے تم نے؟"

"کمی کی بات نہیں ہے امی حضور! لیکن اب جبکہ میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکوں تو ابا جان کے اوپر بوجھ بنا رہنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"دماغ چل گیا ہے تمہارا۔" راشدہ بیگم نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا۔ "کہیں اولاد بھی ماں باپ کے لئے بوجھ ثابت ہوتی ہے۔"

"یہ تو آپ نے درست فرمایا لیکن اولاد کا بھی تو فرض ہے کہ وہ والدین کا ہاتھ بٹائے۔"

"کیوں نہیں' تم ہی ہمارے بڑھاپے کا سہارا ہو مگر میری یہی خوشی ہے کہ فی الحال تم صرف پڑھائی میں دل لگاؤ۔ ایم اے کر لینے کے بعد جو چاہے کرنا میں منع نہیں کروں گی۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"امی حضور! میں زندگی کے دو قیمتی سال برباد نہیں کر سکتا۔" عابد حسین نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب، کیا تعلیم حاصل کرنا تمہارے نزدیک وقت کی بربادی ہے؟"

"تعلیم تو خیر میں جاری رکھوں گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں بزنس بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"عابد!" راشدہ بیگم نے اپنی ممتا کی آڑ لیتے ہوئے کہا۔ "کیا اب تم میری اتنی خوشی بھی پوری نہیں کر سکتے کہ دو سال تک صرف تعلیم میں دلچسپی لو۔"

عابد حسین سمجھ رہے تھے کہ ماں کی محبت کیا چاہتی ہے لیکن انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے۔ ماں کی بات پر کھل کر اختلاف کرنا بھی ان کی سرشت کے خلاف تھا۔ کچھ سوچ کر بولے۔

"امی حضور! میں آپ کا حکم ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"شرط کیسی؟" راشدہ بیگم کو اندھیرے میں امید کی ایک کرن نظر آنے لگی۔

"اگر ابا جان مجھے آج اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں تجارت کر سکتا ہوں تو میں وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایم کرنے سے پہلے عملی زندگی میں کوئی دلچسپی نہ لوں گا۔ صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دوں گا۔"

"یہ اجازت دو سال بعد بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔" راشدہ بیگم کا دل دھڑک اٹھا۔

"اس وقت اگر ابا جان نے انکار کیا تو مجھے زیادہ صدمہ ہو گا۔"

"فرض کر لو کہ اگر تمہارے باپ نے آج بھی اجازت نہ دی تو تم کیا کرو گے؟"

"میں یہی سمجھوں گا کہ وہ میرے مستقبل کو درخشاں نہیں دیکھنا چاہتے۔" عابد حسین نے ماں کے چہرے سے نظر اٹھاتے ہوئے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

راشدہ بیگم جانتی تھیں کہ عابد حسین کی رگوں میں بھی وہی خون گردش کر رہا ہے جو ان کے باپ کی رگوں میں موجود تھا۔ وقتی طور پر انہوں نے بیٹے کو تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ محض اسی غرض سے دیا تھا کہ بات سال دو سال کے لئے ٹل جائے لیکن عابد حسین نے جو شرط ماں کے سامنے پیش کی وہ پوری ہونی ناممکن تھی۔ حامد حسین بیوی کو پہلے ہی اپنے اٹل اور آخری فیصلے سے آگاہ کر چکے تھے۔

راشدہ بیگم کو اندھیرے میں امید کی جو کرن کچھ دیر پہلے نظر آئی تھی وہ بھی اب تاریکیوں میں گم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ بیٹے کو گھورتی رہیں پھر

نحیف سی آواز میں کہا۔

"عابد بیٹے! ابھی تم چونکہ صاحبِ اولاد نہیں ہو اس لئے ممتا کے جذبے کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی حضور! کیا خدا نخواستہ میری کسی حرکت سے آپ کو دکھ ہوا ہے؟"

"دکھ کی بات نہیں ہے بیٹے!"

"پھر آپ اس قدر آزردہ کیوں ہو رہی ہیں؟"

"میں چاہتی تھی کہ تم باپ بیٹوں کی رسہ کشی کچھ دنوں کے لئے ختم ہو جائے۔ اسی غرض سے میں نے تم کو پڑھائی جاری رکھنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اب جبکہ تم نے بھی ایک شرط پیش کر دی ہے تو میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی۔"

عابد حسین ہمہ تن گوش تھے۔

"تمہارے والد شاید تمام زندگی تم کو تجارت کرنے کی اجازت نہ دیں گے۔"

"مگر کیوں امی حضور! تجارت کرنا کوئی ایسی معیوب بات تو نہیں ہے جس سے خاندان کی عزت یا ابا جان کے وقار پر کوئی حرف آتا ہو۔"

"تم غلط نہیں کہہ رہے ہو لیکن تمہارے باپ کا خیال ہے کہ تم قانون پڑھ کر ان کی اس کرسی پر بیٹھو جس پر ان کی زندگی کے دس سال گزر چکے ہیں۔"

"میں ملازمت کرنے کے خلاف ہوں۔" عابد حسین بولے۔ "اپنا کاروبار پھر بھی اپنا ہوتا ہے۔ اس میں کم از کم دوسروں کی ملازمت تو نہیں ہوتی۔"

"تم ماشاء اللہ جوان ہو عابد! اپنے برے بھلے کی تمیز کر سکتے ہو۔ اس لئے میں تم کو کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ اگر تم نے تجارت کو اپنایا تو........" راشدہ بیگم آگے کچھ نہ کہہ سکیں ان کی آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے۔

"تو کیا ہو گا امی حضور!"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارے والد تم سے قطع تعلق کر لیں۔"

"مجھے اس کا علم ہو چکا ہے۔" عابد حسین نے ٹھوس آواز میں کہا پھر ماں کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر بولے۔ "مجھے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے امی جان! اگر آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو میں دنیا میں ضرور ترقی کروں گا۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"خدا تمہارے مستقبل کو ماہتاب سے زیادہ روشن رکھے میرے لعل۔" راشدہ بیگم نے رندھی آواز میں کہا پھر انہوں نے عابد حسین کو ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

اور............

یہ ماں کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ عابد حسین آج لاکھوں میں کھیل رہے تھے۔ رہنے کے لئے ان کے پاس عالیشان کوٹھی تھی۔ گھومنے پھرنے کے لئے ایک چھوڑ دو دو موٹریں تھیں۔ خدمت کے لئے چار ملازمین ہر وقت ان کے ایک اشارے کے منتظر رہتے۔ وہ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتے کامیابی اور نصرت بڑھ کر ان کے قدم چوم لیتی لیکن ان تمام آسائشوں کے باوجود وہ بڑے محنتی اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ دفتر میں ان کے ملازمین کی تعداد اچھی خاصی تھی لیکن انہوں نے کبھی اپنے کسی ملازم کو بھی ترچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہر شخص سے بہت جھک کر ملتے۔ اس بات کا خیال رکھتے کہ کہیں ان کی کسی بات سے کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔ اپنے آرام سے زیادہ وہ اپنے ملازمین کے آرام کا خیال رکھنے کے عادی تھے۔ اگر چھٹیوں کے دن کوئی ضروری کام درپیش ہوتا تو ملازمین کو تکلیف دینے کے بجائے خود ہی اس کام کو نبٹانے کی حتی الامکان کوشش کرتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے سارے ملازمین ان کے نام کا کلمہ پڑھتے تھے۔

باپ کی مخالفت مول لے کر عابد حسین کو تین سال تک ماں باپ سے دور ضرور رہنا پڑا تھا لیکن اس عرصے میں بھی وہ برابر اپنے والدین کی خیر خبر کسی نہ کسی طرح دریافت کرتے رہتے۔ کبھی کوئی ایسی بات ان کی زبان سے نہیں نکلی تھی جس سے اس بات کا احساس بھی ہو سکتا کہ وہ اپنے والدین سے ناراض ہیں۔

شروع شروع میں انہیں کاروبار کو جمانے میں کچھ دشواریاں ضرور پیش آئی تھیں لیکن انہوں نے شب و روز محنت کر کے ان دشواریوں کو اپنے عزم کے سامنے ہیچ کر دیا۔ ماں کی دعائیں شاملِ حال تھیں اس لئے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور حوصلے کا دامن تھامے ترقی کی راہوں پر گامزن رہے۔ مصروفیات کے زمانے میں بھی وہ دن میں ایک دو بار ماں کو فون کر کے ان کی خیریت ضرور دریافت کر لیتے۔

وقت جوں جوں گزرتا گیا باپ بیٹے کے اختلاف بھی مٹتے گئے اور پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ یہ خلیج بالکل ہی ختم ہو گئی۔

حامد حسین ہرچند کہ تجارت کے خلاف تھے لیکن جب عابد حسین نے اپنی انتھک کوششوں کے بعد کاروبار کے میدان میں ایک ایسا مقام حاصل کر لیا کہ شہر میں ان کے نام

www.pdfbooksfree.pk

کا چرچا ہونے لگا تو حامد حسین کو اپنے فیصلے بدلنے پڑے۔ راشدہ بیگم کی دعاؤں نے رنگ دکھایا تو ایک روز حامد حسین نے از خود بیٹے کو فون کر کے حکم دیا کہ وہ ان سے آ کر ملیں۔

عابد حسین سر کے بل چل کر آئے۔ راشدہ بیگم نے بڑھ کر بیٹے کو گلے لگا لیا۔ حامد حسین نے کسی جذباتی لگاؤ کا مظاہرہ تو نہ کیا لیکن یہ ضرور کہہ دیا کہ وہ اب ان سے ناراض نہیں ہیں۔ عابد حسین کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ ایک طویل عرصے کے بعد جب انہیں دوبارہ ماں باپ کا سایہ نصیب ہوا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ غرضیکہ عابد حسین نے دوبارہ قصرِ راشدہ میں آنا جانا شروع کر دیا۔ ان کے لئے ہر دن روزِ عید تھا اور شب شبِ برات سے کم نہ تھی۔

وقت یونہی گزرتا رہا۔ عابد حسین اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف تھے کہ کبھی انہیں بھول کر بھی اس بات کا خیال نہ آیا کہ زندگی کے طویل سفر میں ان کو ایک شریکِ حیات کی بھی ضرورت ہے لیکن راشدہ بیگم برابر اسی فکر میں تھیں کہ کسی طرح اولاد کا گھر آباد کر دیا جائے۔ حامد حسین کی بھی یہی خواہش تھی کہ اب جبکہ عابد حسین پورے طور پر عملی زندگی میں اپنے قدم جما چکے ہیں تو ان کی شادی ہو جانی چاہئے۔

راشدہ بیگم نے دوڑ دھوپ کر کے خاندان ہی کی ایک لڑکی پسند کر لی۔

صغیرہ بیگم سے ان کے تعلقات خاصے دیرینہ تھے لیکن جب سے صغیرہ بیگم کے شوہر کا انتقال ہوا تھا ان کے درمیان زیادہ ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ صغیرہ بیگم کے شوہر ایک معمولی درجہ کے ملازم پیشہ فرد تھے اس لئے غربت میں گزر بسر ہو رہی تھی۔ گھر کے اخراجات بھی بمشکل پورے ہو پاتے۔ اس لئے اپنی خواہش کے باوجود اپنی لڑکی نصیرہ بیگم کو زیادہ تعلیم نہ دلا سکے۔ آٹھ جماعتیں پڑھانے کے بعد اسے اسکول سے اٹھا لیا اور گھر کے کام کاج میں لگا دیا گیا۔ صغیرہ بیگم کو اس بات کا از حد صدمہ تھا کہ وہ لڑکی کو اپنی مرضی کے مطابق نہ پڑھا سکیں لیکن انہوں نے اپنی انتھک کوششوں سے نصیرہ کو امورِ خانہ داری اور دینی تعلیم سے مالا مال ضرور کر دیا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد صغیرہ بیگم کو ہر وقت یہی فکر لاحق رہتی کہ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر لڑکی کے ہاتھ پیلے کر دیں لیکن ابھی تک انہیں کوئی موزوں رشتہ نہیں مل سکا تھا۔ جب راشدہ بیگم نے ان سے مل کر نصیرہ کا رشتہ مانگا تو انہیں اپنی سماعت پر دھوکہ ہوا تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی یہ بات نہ سوچ سکتی تھیں کہ نصیرہ کی قسمت یوں ایکدم جگمگا اٹھے گی۔ پہلے تو وہ یہی سمجھیں کہ شاید راشدہ بیگم ان سے مذاق کر رہی ہیں لیکن بعد میں جب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راشدہ بیگم نے ہر ہر طریقے سے انہیں یقین دلایا تو صغیرہ بیگم کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا اور انہوں نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد راشدہ بیگم کو اپنے تمام حالات بتانے کے بعد نصیرہ اور عابد حسین کی شادی کے لئے ہامی بھرلی۔

عابد حسین زندگی کے ہر شعبے میں اپنی پسند کے قائل تھے لیکن ماں نے جب ان کے سامنے شادی کا مسئلہ رکھا تو وہ چاہنے کے باوجود انکار کی جرأت نہ کر سکے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ان کے انکار سے ماں کے دل کو صدمہ نہ پہنچے چنانچہ انہوں نے ماں کی خوشنودی اور ان کے مرتبے کے احترام کی خاطر شادی کر لی۔

نصیرہ بیگم دلہن بن کر گھر میں آئیں تو انہوں نے عابد حسین کو مجازی خدا جان کر ان کے سارے کام اپنے ذمہ کر لئے اور گھر کو شوہر کے لئے رشکِ ارم بنا دیا۔ عابد حسین نصیرہ بیگم کو پا کر بے حد خوش تھے اور اگر انہیں کبھی کوئی خیال آتا تو صرف اسی حد تک کہ نصیرہ بیگم زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں اور پرانے خیالات کی مالک تھیں جو انہیں ماں کی طرف سے ورثے میں ملے تھے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو عابد حسین اور نصیرہ بیگم کی خوشگوار زندگی پر اثر انداز ہو سکتی۔

راشدہ بیگم اپنے انتخاب پر نازاں تھیں۔ حامد حسین نے شروع میں دبی زبان میں اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شاید نصیرہ جیسی ان پڑھ اور پرانے خیالات کی لڑکی عابد حسین کے ساتھ زندگی میں کوئی ہم آہنگی نہ پیدا کر سکے گی لیکن بعد میں جب انہوں نے نصیرہ کی خوبیاں دیکھیں اور بہو بیٹے کو ہنسی خوشی زندگی گزارتے دیکھا تو خود بھی خوش ہو گئے۔

عابد حسین کی شادی کے چار سال بعد خدا نے ان کو ایک چاند جیسی خوبصورت بچی عطا کی۔ بچی کی پیدائش پر عابد حسین نے دل کھول کر خوشیاں منائیں جس میں راشدہ بیگم اور حامد حسین بھی پیش پیش تھے۔ راشدہ بیگم ہی کے مشورے پر بچی کا نام سمیرا رکھا گیا۔ نصیرہ بیگم چونکہ شروع ہی سے ساس کو اپنا محسن اور بزرگ سمجھتی تھیں اس لئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ عابد حسین کے اصرار پر راشدہ بیگم اور حامد حسین آٹھ روز تک انہی کے ہاں رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔

زندگی کے دس سال یوں بیت گئے جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو۔ اس عرصے میں عابد حسین کو دو اندوہناک حادثوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا حادثہ ان کے والد کے انتقال کی صورت میں پیش آیا۔ عابد حسین آنسو بہا کر اس جھٹکے کو برداشت کر گئے۔ عدت کی مدت

پوری ہوئی تو وہ ماں کو مجبور کر کے اپنے گھر لے آئے اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی میں لگے رہتے۔ نصیرہ بیگم نے بھی ساس کی خدمت میں شب و روز ایک کر دیئے لیکن راشدہ بیگم کو شوہر کی جدائی کا غم اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ بیٹے بہو اور پوتی کی خاطر وہ ہنس بول لیتی تھیں مبادا انہیں پریشانی نہ ہو لیکن جب بھی وہ تنہا ہوتیں شوہر کو یاد کر کے آنسو بہاتی رہتیں۔ اپنی متاعِ زندگی کے چھن جانے کا انہوں نے دل پر اتنا گہرا اثر لیا کہ ایک سال کے اندر اندر خود بھی بستر سے لگ کر رہ گئیں۔ عابد حسین نے ماں کی تیمارداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نصیرہ بیگم نے ساس کی خدمت اور ان کی دلجوئی کی خاطر نہ جانے کتنی راتیں ان کے سرہانے بیٹھ کر پلکوں تلے گزار دیں لیکن راشدہ بیگم جانبر نہ ہو سکیں اور ایک روز داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر شوہر سے جا ملیں۔

ماں کی موت نے عابد حسین کی حالت بالکل ابتر کر دی۔ وہ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ کئی روز تک ان کو اپنا ہوش ہی نہ رہا لیکن رفتہ رفتہ بیوی کی خدمت اور وقت کی تیزی سے گزرتی ہوئی رفتار ان کے بے چین دل کے لئے مرہم بن گئی اور وہ دوبارہ زندگی کے ہنگاموں میں مصروف ہو گئے۔

نصیرہ بیگم کے ہاں سمیرا کے علاوہ کوئی دوسری اولاد نہ ہوئی۔ عابد حسین کی تمنا تھی کہ خدا ان کو اولادِ نرینہ کی دولت سے مالا مال کر دے۔ انہوں نے بیوی کا بہتیرا علاج کرایا۔ شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو دکھایا۔ دائیوں سے مشورے کئے۔ دعا تعویذ بھی کئے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اس لئے وہ سمیرا کی ذات پر ہی صبر و شکر کر کے رہ گئے۔

والدین کی موت کے بعد سے عابد حسین کی تمام تر توجہ دو حصوں میں منقسم ہو کر رہ گئی تھی۔ جب تک وہ دفتر میں رہتے، کاروبار میں مشغول رہتے اور جب گھر کی چار دیواری میں ہوتے تو بیوی اور بچی کی ناز برداریوں میں لگے رہتے۔ سمیرا چونکہ اکلوتی بچی تھی اس لئے عابد حسین ہر ہر طرح سے اس کی دلجوئی کا خیال رکھتے۔ اگر کبھی اسے معمولی سا بخار بھی آ جاتا تو پریشان ہو جاتے اور اس کے علاج معالجے پر پانی کی طرح روپے بہاتے۔ کئی کئی دن تک سمیرا کو چھاتی سے لگائے بیٹھے رہتے۔ جب تک سمیرا کا بخار بالکل نہ اتر جاتا وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے جدا نہ ہوتے۔ عابد حسین کے علاوہ خود نصیرہ بیگم بھی اپنی اکلوتی بچی پر جان چھڑکتی تھیں۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا عابد حسین کا بچی سے لاڈ پیار بھی بڑھتا گیا۔ سمیرا جس بات

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے لئے بھی ضد کرتی عابد حسین اسے فوراً پوری کر دیتے۔ غرضیکہ سمیرا کو زندگی کے ہر شعبے میں باپ کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ شروع شروع میں تو نصیرہ بیگم نے ان باتوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن جب سمیرا نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لیا تو نصیرہ بیگم نے اسے برقعہ پہنانے کی کوشش کی۔ بڑے چاؤ سے اس کے لئے بازار سے کپڑا منگایا مگر جب برقعہ سل کر تیار ہوا اور سمیرا کو اس کا علم ہوا تو اس نے برقعہ پہننے سے قطعی انکار کر دیا۔ نصیرہ بیگم نے سخت سُست کہا تو عابد حسین نے ان کے بجائے سمیرا کی حمایت لی اور بیوی کو سمجھا بجھا کر خاموش کرا دیا۔

سمیرا کو ماں کے مقابلہ میں اپنی ضد میں کامیابی ہوئی تو اس نے اور بھی کل پُرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ کالج میں اپنی ہم عمر اور ہم جماعت سہیلیوں کی دیکھا دیکھی اس نے بھی نئے نئے فیشن کو اپنانا شروع کر دیا۔ نصیرہ بیگم نے ناک بھوں چڑھائی تو سمیرا نے باپ کو اپنی پیاری پیاری باتوں سے ہموار کر لیا۔ عابد حسین کو اپنے خون پر اعتماد تھا اس لئے اس بار بھی انہوں نے بیوی کے بجائے سمیرا ہی کی طرف داری کی۔ نصیرہ بیگم دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئیں۔ شوہر کے سامنے زبان کھولنے کی عادت نہ تھی اس لئے خاموش ہو گئیں لیکن جب بھی انہیں موقع ملتا وہ سمیرا کو نصیحتیں ضرور کرتی رہتی تھیں۔ سمیرا ماں کی باتیں بڑی سنجیدگی سے سنتی لیکن ان پر عمل کبھی نہ کرتی۔ نصیرہ بیگم چاہتی تھیں کہ سمیرا اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ امورِ خانہ داری سے بھی واقف ہو لیکن سمیرا نے کبھی بھول کر بھی گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ نہ بٹایا۔ اگر کبھی مارے پکڑے مجبوراً کوئی کام کرنا بھی پڑتا تو دیدہ دانستہ اس کام کو بگاڑ کر رکھ دیتی۔ نصیرہ بیگم اسے برا بھلا کہتیں تو وہ ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیتی۔ ایک کان سے سنتی اور دوسرے کان سے اڑا دیتی۔

زندگی یونہی اپنے محور کے گرد گھومتی رہی۔ سمیرا نے ایف اے کا امتحان پاس کیا اور اب وہ بی اے کے پہلے سال میں تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ سال کی ضرور تھی لیکن وہ ابھی تک ماں باپ کے سامنے خود کو بالکل دودھ پیتی بچی ہی سمجھتی تھی۔ نصیرہ بیگم کو اس بات کی تشویش تھی کہ اگر سمیرا نے اب بھی امورِ خانہ داری میں دلچسپی نہ لی تو شوہر کے گھر جا کر کیا کرے گی۔ چنانچہ ادھر کچھ دنوں سے وہ برابر عابد حسین کے پیچھے پڑی تھیں کہ وہ بیٹی سے لاڈ پیار کم کر دیں لیکن عابد حسین اس بات پر ہمیشہ مسکرا دیا کرتے۔

چنانچہ آج بھی جب ناشتہ پر نصیرہ بیگم نے سمیرا کے سلسلہ میں شوہر سے باتیں کرنی چاہیں تو وہ ہنس کر انہیں ٹال گئے اور مسکراتے ہوئے دفتر چلے گئے اور نصیرہ بیگم اندر ہی

www.pdfbooksfree.pk

اندر جھلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔

☆======☆======☆

ادھیڑ عمر کی آیا نے سمیرا کو متعدد آوازیں دے ڈالیں مگر وہ ابھی تک بے سدھ پڑی تھی۔ غزالی آنکھوں کے حسین اور صحتمند پپوٹوں کو ایک معمولی سی جنبش بھی نہ ہوئی۔ اس کے گیسوئے پُر خم اس کے حسین وجود کے گرد یوں بکھرے ہوئے ہالہ کئے تھے جیسے نیلگوں آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کے اطراف بادل پھیلے ہوئے ہوں۔ چہرے پر اس وقت سوتے میں بھی ایک معصوم اور شرارت بھری مسکراہٹ پھیلی نظر آ رہی تھی۔

آیا نے ایک آخری کوشش اور کی۔ پھر جانے کے ارادے سے پلٹی ہی تھی کہ سمیرا نے مسکرا کر یوں جلدی سے اپنی آنکھیں نیم وا کر دیں جیسے کوئی خوابیدہ کلی اچانک چٹک گئی ہو۔ آیا نے سمیرا کو آنکھیں کھولے پایا تو جلدی سے لپک کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی۔

”خدا نظرِ بد سے بچائے' ہمیشہ پھولو پھلو اور آباد رہو۔“

”پھر وہی بات۔“ سمیرا مسکراتی ہوئی شوخی سے بولی۔ ”کتنی بار تم کو منع کر چکی ہوں کہ مجھے پھولنے کی دعا مت دیا کرو۔ موٹی تازی عورتیں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔“

آیا حسبِ دستور ہنس دی۔

سمیرا نے جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھوئے۔ کپڑے تبدیل کئے پھر گنگناتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر اپنے بالوں کو سنوارنے لگی۔ سفید شلوار پر اس نے پیازی رنگ کی بغیر آستینوں والی قمیض پہن رکھی تھی جس پر ہلکے گلابی رنگ کے ننھے منے پھولوں کا ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ اس لباس میں وہ بڑی ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔

بال سنوارنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر اپنے لباس کو مختلف زاویوں سے دیکھا پھر زیرِ لب مسکرانے لگی۔ بغیر آستینوں والی قمیض اس نے آج پہلی بار پہنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ نصیرہ بیگم اس نئے فیشن پر تنقید ضرور کریں گی۔ پہلے بھی آئے دن ایسا ہی ہوتا رہتا تھا اس لئے سمیرا اب ان باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا۔ کالج کی فائل اور ایک دو کتابیں میز سے اٹھائیں پھر اپنی نازک سی دستی گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی ناشتے کی میز پر آ گئی جہاں نصیرہ بیگم پہلے ہی سے موجود تھیں۔

سمیرا نے ماں کو دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا پھر ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگی۔

"سمیرا! کبھی دو وقت کی نماز بھی پڑھ لیا کرو بیٹی۔" نصیرہ بیگم نے حسبِ عادت نصیحت کرنی شروع کر دی۔ "انسان سب کچھ کرے لیکن خدا کو کبھی نہ بھولے۔"

"جی اچھا۔" سمیرا نے بڑی سعادتمندی سے کہا۔ "کل سے پڑھ لیا کروں گی۔"

"کبھی کوئی نئی بات بھی کہہ دیا کرو۔ یہ جملہ تو تم روز دہراتی ہو۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "خدا جانے تمہاری کل کب ہو گی۔"

"امی جان!" سمیرا نے انڈے کا نوالہ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے جواب دیا۔ "میں روزانہ ہی آپا سے کہتی ہوں کہ صبح سویرے جگا دیا کرے لیکن............"

"بس رہنے دو سمیرا!" نصیرہ بیگم نے تیزی سے کہا۔ "جب تم خود ہی نہ اٹھنا چاہو تو بھلا آپا بیچاری کیا کر سکتی ہے۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے جلدی جلدی ناشتہ کرتی رہی۔ بار بار یہی دعا کر رہی تھی کہ خدا کرے اس وقت ماں کی نظر اس کی قمیض پر نہ پڑے۔ کالج جانے میں اب اسے بہت تھوڑا وقت رہ گیا تھا اور اس مختصر وقت میں وہ ماں سے الجھنا نہیں چاہتی تھی۔

"تمہارے امتحان میں اب کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟"

"دن کیا امی جان! ابھی تو پورے پورے دو ماہ باقی ہیں۔"

"کچھ تیاری بھی کی ہے یا عین وقت پر پڑھنے کا ارادہ ہے؟"

"اتنی جلدی کیا ہے۔" سمیرا بولی۔ "دس پندرہ روز باقی رہ جائیں گے تو خوب دل لگا کر پڑھنا شروع کر دوں گی۔ ایک کتاب بھی اگر ایک دن میں دیکھ لی تو آٹھ روز میں کورس مکمل ہو جائے گا۔"

"پھر یہ روز روز کالج جانے کی کیا ضرورت ہے؟" نصیرہ بیگم جل کر بولیں۔ "پورے سال کی فیس غارت کرنے سے فائدہ۔ امتحانوں کے زمانہ میں ماہ ڈیڑھ ماہ پہلے کالج میں نام لکھوا لیا کرو۔"

"سچ امی! اگر ایسا ہونے لگے تو بہت ہی اچھا ہے۔" سمیرا شوخی سے بولی پھر اپنے لئے چائے بنانے لگی۔

"کبھی گھر کے دو چار کام بھی کر لیا کرو۔" نصیرہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیوں .... کیا کوئی ملازم چھٹی جا رہا ہے؟" سمیرا نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

"ملازموں کی موجودگی میں اگر تم کوئی کام کر لو گی تو کون سی تمہاری عزت گھٹ جائے گی۔"

"میں تو آپ سے مذاق کر رہی تھی امی!"

"اے ہاں .... میں تمہارے برابر کی جو ہوں۔" نصیرہ بیگم تلملا گئیں۔ "تم اگر مجھ سے بھی مذاق نہ کرو گی تو کیا کالج کی لڑکیوں سے کرو گی۔"

سمیرا کا دل تو چاہا کہ ماں کے جواب پر دل کھول کر قہقہے لگائے لیکن اس نے فوری طور پر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ یہ خدشہ بھی تو تھا کہ اگر ماں بغیر آستینوں والی قمیض کو دیکھ کر بھڑک اٹھیں تو پھر انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی چائے کے گھونٹ لیتی رہی۔

نصیرہ بیگم نے چونکہ مشرقی ماحول میں پرورش پائی تھی اس لئے وہ مذاق کرنے یا سمجھنے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ تھیں۔ چنانچہ اس وقت سمیرا کا جواب انہیں بہت گراں گزرا۔ سمیرا نے ان کی بات پر گردن جھکا کر چائے پینی شروع کر دی تو ان کا دماغ اور گرم ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ یہی سمجھ سکی تھیں کہ شاید سمیرا ان کی باتوں کو ٹالنا چاہ رہی ہے۔

"سمیرا!" کچھ سوچ کر انہوں نے بیٹی کو آواز دی۔

"جی۔" سمیرا نے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

"کان کھول کر سن لو کہ اب میں تمہاری یہ لاپرواہی برداشت نہیں کروں گی۔"

"کون سی لاپرواہی امی جان!" سمیرا نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"یہی جو تم ہر وقت گھومتی پھرتی رہتی ہو۔ خیر سے اب اٹھارہ سال کی ہو گئی ہو۔ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہو جو اپنے اچھے برے کی تمیز نہ کر سکو۔"

"آپ کو میری کوئی بات ناگوار گزر گئی ہے شاید۔" سمیرا نے معصوم تبسم اپنے یاقوتی ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم ہمیشہ جواب ہی ایسے دیتی ہو کہ جی جل کر رہ جائے۔"

"اچھا امی! وعدہ' اب آپ کو آئندہ کبھی مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔"

سمیرا نے کچھ ایسی سادگی اور بھولپن سے کہا کہ نصیرہ بیگم کا سارا غصہ کافور ہو کر رہ گیا لیکن یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی آج سے پہلے بھی بارہا ایسا ہوا تھا۔ جب بھی نصیرہ بیگم زیادہ غصہ میں ہوتیں سمیرا انہیں منانے کے لئے ایسے ہی وعدے کر لیا کرتی تھی۔ دو چار روز تک وہ دل پر جبر کر کے گھر میں دلچسپی لیتی پھر وہی اپنی پرانی روش اختیار کر لیتی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سمیرا کی اس عادت سے نصیرہ بیگم بھی بخوبی واقف تھیں لیکن سمیرا ان کا اپنا خون تھی اس لئے وہ بھی ہنس کر ٹال جایا کرتی تھیں۔ اکلوتی اولاد تھی اس لئے ماں کا لاڈ پیار بھی اسے حاصل تھا۔

سمیرا چائے ختم کر کے جانے کے لئے کھڑی ہوئی تو نصیرہ بیگم نے پوچھا۔

"کالج کے بعد کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں' کیوں؟"

"سیدھی گھر آ جانا۔ مجھے تمہارے ساتھ بازار چلنا ہے۔"

"کوئی خاص کام ہے۔"

"نہیں' تفریح کرنے جاؤں گی۔" نصیرہ بیگم نے تنک کر جواب دیا۔

"میں سمجھ گئی۔" سمیرا مسکرائی۔ "آپ شاید میرے لئے نئے کپڑے خریدنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

"نئے کپڑے۔" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "اتنے سارے کپڑوں سے جو تمہاری الماریاں بھری پڑی ہیں۔ کیا وہ سب پرانے ہو چکے ہیں۔"

"پرانے تو نہیں ہوئے امی! لیکن میں ان کو دو دو بار سے زیادہ پہن چکی ہوں۔"

"تیسری بار پہن لو گی تو بھلا کون سا تمہاری شان میں فرق آ جائے گا۔" نصیرہ بیگم چڑ سی گئیں۔

"آپ تو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی ہیں۔"

"تم ایسی بات ہی کیوں کرتی ہو کہ کسی کو خفا ہونے کا موقع ملے۔"

"میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی تھی۔" سمیرا بولی۔ "ڈیڈی کے نام اور ان کی شہرت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے مجھے۔ بار بار ایک ہی جوڑا پہنے دیکھ کر لڑکیاں طرح طرح کی باتیں بناتی ہیں۔"

"بنانے دو انہیں باتیں۔ تم ایسی باتوں کا اثر ہی کیوں لیتی ہو۔" نصیرہ بیگم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ساری ہی لڑکیاں تو روز نئے نئے جوڑے پہن کر نہیں آتی ہوں گی۔ خواہ مخواہ کا اِترانا مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔"

"اگر آپ کہتی ہیں تو اب میں کوئی نیا جوڑا نہیں بنواؤں گی۔" سمیرا نے بڑی سعادتمندی سے کہا پھر ماں کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اب تو ہنس دیجئے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"مجھے نہیں پسند یہ باتیں۔" نصیرہ بیگم نرم پڑ گئیں۔

سمیرا کو ماں کے ساتھ دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل ہمیشہ سے بہت پسند تھا۔ اگر کبھی نصیرہ بیگم اسے دو چار روز کچھ نہ کہتیں تو اسے مزا نہ آتا۔ کوئی نہ کوئی حرکت وہ جان بوجھ کر ایسی ضرور کر بیٹھتی جو ماں کو ناراض کر دے پھر جب بات بڑھتے دیکھتی تو لاڈ سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتی اور نصیرہ بیگم کا سارا غصہ ختم ہو جاتا۔ اس وقت بھی جب اس نے ماں کو خفا ہوتے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بس رہنے دو اپنی محبت۔" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "جب تم کو میری باتیں ناگوار گزرتی ہیں تو پھر یہ جھوٹی محبت جتانے سے کیا فائدہ۔"

"تو کیا میں آپ سے جھوٹی محبت کرتی ہوں۔" سمیرا نے ٹھنکتے ہوئے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا۔"

"امی! اگر آپ ایسی باتیں کریں گی تو پھر میں زہر کھا کر خودکشی کر لوں گی۔"

"چل بس رہنے دے اپنی مکاری کی باتیں۔" نصیرہ بیگم نے پیار سے اس کے گلابی گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اب جلدی سے جاؤ کالج کی دیر ہو رہی ہے۔"

"یوں نہیں' پہلے آپ وعدہ کریں کہ اب مجھ سے خفا نہیں ہوں گی۔"

"اچھا بابا وعدہ کرتی ہوں۔ پیچھا چھوڑ میرا۔"

سمیرا نے ماں کی گردن کے گرد ہاتھ ڈال کر انہیں زور سے بھینچ کر پیار کر لیا پھر مسکراتی ہوئی اٹھی ہی تھی کہ نصیرہ بیگم کو اس کی ننگی بانہیں نظر آ گئیں۔ ایکدم ہی جیسے وہ سمیرا سے کیا ہوا وعدہ بھول گئیں۔ اس قسم کے لباسوں سے جو مکمل طور پر ستر پوشی نہ کریں انہیں سخت نفرت تھی۔ سمیرا کو بغیر آستینوں والی قمیض میں دیکھا تو تلملا اٹھیں۔

"سمیرا............" انہوں نے زور سے آواز دی۔

"جی امی!" سمیرا دروازے پر پہنچ کر پلٹی۔

"ادھر آؤ۔"

"کوئی خاص بات۔" وہ ماں کے قریب آ کر بولی۔

"یہ تم نے پہن کیا رکھا ہے۔"

"قمیض ہے امی!" سمیرا نے بات بنانی چاہی۔ "کیوں' کیا یہ پرنٹ آپ کو پسند نہیں آیا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"پرنٹ کو جہنم میں جھونکو۔ میں قمیض کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"میں نے جان بوجھ کر اسے ڈھیلا سلوایا ہے۔" سمیرا نے دوبارہ ماں کو ٹالنا چاہا۔

"آپ ہی تو بارہا کہہ چکی ہیں کہ تنگ لباس آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

"سمیرا!" نصیرہ بیگم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"امی مجھے دیر ہو رہی ہے کالج کی۔" سمیرا نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جلدی سے کہا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ماں قمیض کے بارے میں کس لئے دریافت کر رہی ہیں۔

"مجھے تمہارے یہ رنگ ڈھنگ بالکل پسند نہیں ہیں۔"

"بات کیا ہوئی امی جان!"

"ایسے پوچھ رہی ہو جیسے خود تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔" نصیرہ بیگم غصہ سے بولیں۔ "قمیض کی آستینیں کہاں غائب ہو گئیں؟"

"اوہ..........." سمیرا نے ٹھنڈی سانس لی۔ بہانہ پہلے ہی سے تیار تھا اس لئے جلدی سے بولی۔ "امی! بات دراصل یہ ہے کہ یہ رنگ اور پرنٹ مجھے بہت ہی بھا گیا تھا لیکن دکاندار کے پاس صرف پونے دوگز کا ایک ٹکڑا باقی بچا تھا۔ میں نے سوچا درزی کی خوشامد کروں گی کہ اسی کپڑے میں قمیض تیار کر دے لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا چنانچہ مجبوراً میں نے بغیر آستین والا ڈیزائن سلوا لیا ورنہ اچھا خاصا کپڑا مفت میں پڑے پڑے گل سڑ جاتا۔"

"سمیرا! شرم تو نہیں آتی تمہیں ماں کو بے وقوف بناتے ہوئے۔" نصیرہ بیگم نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس میں شرم کی ایسی کون سی بات ہے امی جان!" سمیرا ڈھیٹ بن گئی۔ "آخر کالج کی اور بے شمار لڑکیاں بھی تو ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔ ایک میں نے پہن لیا تو کیا حرج ہو گیا۔"

"کالج کی لڑکیاں اگر کل ننگی ہو کر سڑک پر ناچنے لگیں تو کیا تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ گی۔"

"امی جان!" سمیرا نے احتجاج کرنا چاہا۔

"خبردار جو تم نے اس معاملے میں کوئی بحث کرنے کی کوشش کی۔" نصیرہ بیگم کو سچ مچ جلال آ گیا۔ کرخت آواز میں کہا۔ "جاؤ جا کر ابھی اس قمیض کو اتارو اور دوسری پہنو۔"

سمیرا نے ماں کی بات کا کوئی جواب نہ دیا لیکن شدتِ جذبات سے اس کی آنکھوں

www.pdfbooksfree.pk

کے گوشے ضرور بھیگ گئے تھے۔ خاموش کھڑی کچھ دیر ماں کو تکتی رہی پھر پیر پٹختی اپنے کمرے کی سمت چلی گئی۔ بجھے ہوئے دل سے اس نے قمیض اتار کر بستر پر پھینکی اور دوسری قمیض پہن لی۔ جھلائی ہوئی دوبارہ باہر نکلی تو نصیرہ بیگم سے دروازے پر ہی مڈبھیڑ ہو گئی۔

"بیٹی! تمہیں میری باتیں کڑوی ضرور لگتی ہیں لیکن اگر میں تم کو نصیحت نہ کروں گی اور اونچ نیچ سے آگاہ نہ کروں گی تو اور کون کرے گا۔"

سمیرا نے احتراماً کوئی جواب نہ دیا لیکن چہرے پر خون کی چھلکتی ہوئی سرخی بتا رہی تھی کہ اسے ماں کی مخالفت بری لگی ہے۔

"تم اگر چاہو تو بغیر آستینوں والی قمیض گھر پر پہن کر بھی اپنا شوق پورا کر سکتی ہو لیکن میں ایسے عریاں لباس پہن کر تمہیں کہیں باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی جسے دیکھ کر چار آدمی باتیں بنائیں۔"

"میں کون سا پیدل کالج جاتی ہوں۔" سمیرا بولی۔ "گھر کی کار ہی میں تو جاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ راستے میں کوئی نہ دیکھے گا لیکن کالج میں تو لڑکے ہوتے ہیں وہ کیا خیال کریں گے اپنے دل میں۔"

"دوسری لڑکیاں بھی تو پہنتی ہیں ایسی قمیضیں۔ انہیں تو آج تک کسی لڑکے نے برا نہیں کہا۔"

"نہ کہا ہو لیکن میں جس چیز کو معیوب سمجھتی ہوں اس کی اجازت تم کو نہیں دی جا سکتی۔" نصیرہ بیگم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا پھر اپنا غرارہ سنبھالتی باورچی خانہ کی طرف چلی گئیں۔

"ہونہہ۔" سمیرا نے ایک اندازِ بے رخی سے کہا پھر قدم بڑھاتی باہر آ گئی جہاں اس کا بوڑھا ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولے اس کی آمد کا منتظر تھا۔

☆======☆======☆

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟"

سمیرا نے کلاس روم کے دروازے پر پہنچ کر پروفیسر سے اجازت طلب کی تو پروفیسر زیدی کے علاوہ پوری کلاس کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ لڑکیوں کے گروپ میں سے بیشتر کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ لڑکیوں نے محض سرسری طور پر سمیرا کو دیکھا۔ دو ایک ایسی بھی تھیں جنھوں نے اس کی آواز پر مطلق کوئی توجہ نہ دی۔ لڑ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے گروپ سے سوائے ندیم کے باقی سب ہی کلاس روم کے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں سمیرا گردن تانے کھڑی پروفیسر زیدی کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آیئے مس سمیرا!" پروفیسر زیدی نے اپنے موٹے فریم کی عینک کو درست کرتے ہوئے اجازت دے دی۔

"تھینکس۔" سمیرا نے ایک دلنواز تبسم سے اپنی گردن کو ذرا سا خم کیا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنی مخصوص سیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

لڑکوں کا پورا گروپ سمیرا کی طرف متوجہ تھا۔ سمیرا اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی تو پروفیسر زیدی نے بڑی شفیق مسکراہٹ ہونٹوں پر پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"آج آپ پورے پندرہ منٹ لیٹ ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے سر!" سمیرا بولی۔

"کوئی خاص وجہ۔"

"جی ہاں' ایک متوقع حادثہ۔" سمیرا زیرلب مسکرا دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ اس حادثے کے باوجود صحیح سلامت نظر آ رہی ہیں۔"

پروفیسر زیدی نے لطیف طنز کیا پھر پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

جب تک پروفیسر زیدی کلاس لیتے رہے پوری کلاس خاموش رہی۔ سمیرا بھی بڑی سنجیدگی سے ان کا لیکچر سن رہی تھی۔ کالج کے تمام پروفیسروں میں ایک پروفیسر زیدی ہی ایسے تھے جن کی وہ دل سے عزت کرتی تھی۔ شاید اس لئے کہ پروفیسر زیدی کی شخصیت بے حد پُروقار تھی۔ نفسیات کے ماہر ہونے کی حیثیت سے بھی وہ اپنی کلاس کے تمام طالب علموں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ سمیرا کے علاوہ باقی تمام لڑکے اور لڑکیاں بھی ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

پروفیسر زیدی کی کلاس ختم ہوئی تو لڑکیوں کا گروپ سمیرا کے ساتھ باہر لان میں آ گیا۔

دوسرا پیریڈ خالی تھا۔

"خیریت تو ہے سمیرا! تمہیں کیا حادثہ پیش آ گیا تھا۔" روزی نے جو سمیرا کی سب سے عزیز سہیلی تھی' نرم نرم گھاس پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" سمیرا نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بقول پروفیسر زیدی کے تم بظاہر صحیح سلامت نظر آ رہی ہو۔ اس لئے میرا اندازہ

یہی ہے کہ آج ضرور کسی کی خوش قسمتی رنگ لائی ہو گی۔"

"اور کچھ؟"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری گاڑی پنکچر ہو گئی ہو۔"

سمیرا روزی کی اس سادگی پر دل کھول کر ہنس پڑی۔ "میرا تو خیال ہے کہ آج سمیرا کے ہاتھوں ضرور کسی کی شامت آئی ہو گی۔" ماہ منیر نے کہا۔

"یہ اندازہ بھی بالکل غلط ہے۔" سمیرا بولی۔

"سمیرا نے متوقع حادثہ کہا تھا۔" شاہدہ نے روزی اور ماہ منیر کو احساس دلایا۔

"پھر تو ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔" روزی نے سمیرا کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی حرماں نصیب اپنی زندگی سے تنگ آ کر ان کی کار سے ٹکرا گیا ہو۔"

"یہ بھی غلط۔" سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بڑی معصومیت سے بولی۔

"آج صبح ہی صبح امی جان سے ٹکراؤ ہو گیا۔"

"وہ کس سلسلے میں؟" روزی نے پوچھا۔

"میں نے اپنے لئے بغیر آستینوں والی قمیض سلوائی تھی۔ آج صبح جب اسے پہن کر کالج کے لئے روانہ ہونے لگی تو امی جان کی نظر پڑ گئی۔ انہیں فیشن سے چونکہ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں رہا اس لئے برس پڑیں مجھ پر اور مجھے مجبوراً ان کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" ماہ منیر بولی۔ "سچ سمیرا! تم بغیر آستینوں والی قمیض میں بے حد اچھی لگتیں۔"

"کیا اب اچھی نہیں لگتی۔" سمیرا نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

"اچھی کیوں نہیں لگتیں لیکن سلیولس شرٹ کی بات ہی کچھ اور ہوتی۔"

"میں تو کہتی ہوں سمیرا کی امی نے ایک طرح سے اچھا ہی کیا۔" شاہدہ کے ہونٹوں پر شرارت کھیل رہی تھی۔

"کوئی نئی منطق۔" روزی نے وضاحت چاہی۔

"ہاں' اگر سمیرا کہیں وہ قمیض پہن کر کالج آ جاتیں تو لڑکوں کے پھیپھڑوں پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"وہ کیوں؟" رفعت نے پوچھا۔

"وہ یوں کہ لڑکے ہماری سمیرا کی سیمیں باہنیں دیکھیں کر ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرنی شروع کر دیتے اور پھر ظاہر تھا کہ ان کے پھیپھڑوں پر اس کا اثر ضرور ہوتا۔"

شاہدہ کی بات پر سمیرا کے علاوہ باقی لڑکیاں بھی ہنس پڑیں۔

"ایک صورت فائدے کی بھی نکل سکتی تھی۔" روزی جلدی سے بولی۔ "ہو سکتا تھا کہ سمیرا کو اس لباس میں دیکھ کر ندیم سچ مچ پھسل پڑتا۔"

"لعنت۔" سمیرا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں عام حالات میں محض تفریحاً اس کو منہ لگا لیتی ہوں ورنہ ایسے فلاسفر ٹائپ لڑکے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔"

"صورت شکل کا کوئی ایسا بُرا بھی نہیں ہے۔" ماہ منیر نے سمیرا کو چھیڑا۔

"کم سخن اور سنجیدہ بھی نظر آتا ہے۔" شاہدہ بولی۔

"شادی کے بعد تو بالکل پالتو لگے گا۔" روزی نے کہا۔

"اگر تمہیں اتنا ہی بھا گیا ہے تو پھر میرے کندھے پر بندوق رکھ کر کیوں چلا رہی ہو۔" سمیرا تنک کر بولی۔ "تم خود ہی اس کے گلے میں پٹہ ڈال کر اپنے لئے ریزرو کیوں نہیں کر لیتیں۔"

"کاش ندیم مجھے کسی قابل سمجھتا۔" روزی نے آنکھ بند کر کے ایک سرد آہ بھری تو سمیرا بے اختیار ہنس دی۔

"ندیم کے لئے تو بس عاصمہ ہی مناسب رہے گی۔" سلطانہ جو اب تک خاموش بیٹھی بولی۔

"خوب گزرے گی جو مل جائیں گے دیوانے دو۔" ماہ منیر نے ٹکڑا لگایا۔

دیر تک ان کے درمیان اسی قسم کی پُرلطف چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر تیسرے پیریڈ کے لئے گھنٹی بجی تو سب اٹھ کر کلاس روم میں آ گئیں۔ سمیرا نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ندیم کی طرف دیکھا جو اپنی کرسی پر بیٹھا بڑی سنجیدگی سے ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اُلجھے الجھے بال اس کی کشادہ پیشانی پر بکھرے بڑے پیارے لگ رہے تھے۔ چہرے پر بڑی پُروقار سنجیدگی طاری تھی۔ لباس سادہ سا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو اتنے غور سے۔" روزی نے سرگوشی کی۔

"سوچ رہی ہوں کہ اس شخص میں بے وقوف بننے کی صلاحیت کس حد تک موجود ہے۔" سمیرا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

"اب کیا اس بیچارے کو سچ مچ زندہ درگور کرنے کا ارادہ ہے۔ پہلے ہی تم نے اس غریب کو اُلو بنانے میں کون سی کسر چھوڑی ہے۔"

"تم نہیں جانتیں روزی! یہ شخص مجھے ہمیشہ سے بہت گہرا نظر آتا ہے۔" سمیرا نے غرور حسن کے احساس کو مدِنظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جب دیکھو دوسروں سے الگ تھلگ۔ ہر وقت یوں کتابوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے جیسے کوئی عالم فاضل ہو۔"

"بھئی ایک بات تو تم کو بہرحال ماننی پڑے گی کہ ندیم ہے ذہین۔ دو سال سے کلاس کے تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ اچھے نمبروں سے پاس ہو رہا ہے۔"

"اسی چیز نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ چاہتا ہے کہ دوسرے خواہ مخواہ اس کی بڑائی کریں۔"

"پھر.......... تمہارے کیا ارادے ہیں۔" روزی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میں اسے بتاؤں گی عورت کیا ہوتی ہے۔" سمیرا نے کہا۔ "اگر میں اس فلاسفر کو اپنے پیچھے دُم ہلانے پر مجبور نہ کر دوں تو میرا.........."

"کیوں تم اس غریب کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔"

"غریب ہے تو اسے اپنی غربت کا احساس بھی ہونا چاہئے۔" سمیرا نے اپنی امارت کے احساس سے گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

معاشیات کا پروفیسر کلاس روم میں داخل ہوا تو لڑکیوں کے درمیان ہونے والی چہ میگوئیاں ختم ہو گئیں۔ سب ہی پڑھائی میں مشغول ہو گئے لیکن سمیرا اب بھی بار بار نظریں اٹھا کر ندیم کو دیکھ رہی تھی۔

ندیم سے سمیرا کی مخالفت کی وجہ کوئی ایسی خاص نہیں تھی۔ دونوں دو سال سے ایک ساتھ تھے۔ دونوں کے اختیاری مضامین بھی ایک تھے۔ شروع شروع میں جب سمیرا نے کالج میں داخلہ لیا تو ندیم کی شخصیت نے اسے متاثر بھی کیا تھا لیکن بعد میں جب اسے احساس ہوا کہ ندیم کم سخن ہے تو اس کا مطلب سمیرا نے یہ لیا کہ وہ جان بوجھ کر دوسروں پر اپنی ذہانت اور شخصیت کا رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ اس احساس نے سمیرا کو تلملا کر رکھ دیا۔ وہ خود بھی ذاتی رکھ رکھاؤ کی عادی تھی۔ باپ کی محبت' لاڈ پیار اور دولت کی فراوانی نے اس کے دماغ میں تھوڑا بہت غرور بھی پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر دیکھنے کی عادی بن چکی تھی۔ ندیم کی سنجیدہ طبیعت کو اس نے خود ہی غرور اور احساس برتری سے تعبیر کیا اور پھر خود ہی اس سے نفرت بھی کرنے لگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ندیم کو ہر قیمت پر اپنے آگے جھکا کر ہی دم لے گی۔

ایک سال اسی کشمکش میں گزر گیا۔

سمیرا برابر ندیم سے ملتی رہی اور متعدد موقعوں پر اس کی شخصیت کا مذاق اڑا کر اپنی انا کی تسکین کرتی رہی لیکن ندیم نے آج تک اس کی کسی بات کا نہ تو بُرا مانا تھا اور نہ ہی کبھی کوئی شکایت کی تھی۔ جب کبھی سمیرا دوسروں کی موجودگی میں اس کی توہین کرنے کی کوشش کرتی ندیم کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ تبسم ابھر آتا اور یہی تبسم سمیرا کے لئے ناقابلِ برداشت بن جاتا۔

ندیم کے سلسلے میں سمیرا کو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ ایک معمولی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا اندازہ سمیرا کو کچھ اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ ندیم اپنی فیس ہمیشہ سب سے آخر میں جمع کراتا۔ چنانچہ سمیرا نے یہی اندازہ لگایا کہ ندیم کی مالی حالت بھی کچھ زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔ روزی کی اطلاع کے مطابق وہ ایک پرائیویٹ ہوسٹل کے ایک ایسے مختصر کمرے میں رہتا تھا جس کا کرایہ محض بیس روپے ماہوار تھا۔ جب کہ سمیرا کے ملازمین بھی اس سے بہتر حالت میں رہتے تھے۔

سمیرا نے بہتیری کوشش کی کہ اسے ندیم کے بارے میں اور بھی معلومات حاصل ہوں لیکن دو سال کی تگ و دو کے باوجود اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ندیم کون ہے اور کیا ہے۔ بہرحال اس نے جو کچھ اندازہ لگایا وہ یہی تھا کہ ندیم کسی گمنام اور غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہے۔

پھر بھی ندیم کی شخصیت پُروقار تھی۔

تمام لڑکوں میں وہ ایک منفرد کردار کا مالک تھا۔

سب سے زیادہ ذہین تھا۔

ہمیشہ ممتاز نمبروں سے پاس ہوتا تھا۔

پروفیسر اسے عزت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

"مگر کیوں؟"

"کس لئے؟"

"آخر مجھ میں کیا کمی ہے؟" سمیرا سوچتی اور آپ ہی آپ تلملا اٹھتی حالانکہ اپنی امارت کی وجہ سے وہ بھی کلاس میں بڑی ہر دلعزیز تھی۔ بیشتر لڑکیاں ہمہ وقت اس کے اردگرد جمع رہتیں۔ پروفیسر، ندیم کی طرح سمیرا کو بھی پسند کرتے تھے۔ وہ بھی بے حد ذہین

www.pdfbooksfree.pk

تھی اور ہمیشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتی تھی۔ لڑکیوں کے علاوہ کلاس کے لڑکے بھی اس کی شخصیت سے بہت مرعوب تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ حسین بھی تھی اور خوبصورت بھی۔ ان تمام باتوں نے سمیرا کو غرورِ حسن کا احساس بھی دلا دیا تھا۔ وہ خود کو سب سے برتر سمجھتی تھی لیکن ندیم کے معاملے میں وہ ہمیشہ الجھ جایا کرتی۔ اس نے بہت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ندیم کو اپنے غرورِ حسن سے زیر کر کے ہی دم لے گی اور جس روز بھی ندیم کی نظروں میں اسے اپنے لئے التفات نظر آ گیا اسی دن وہ ندیم کو دھتکار دے گی۔ حقارت سے ٹھوکر مار کر نفرت سے نگاہیں بدل لے گی۔

ندیم سے سمیرا کی نفرت کی وجہ کچھ عاصمہ کی ذات تھی۔

عاصمہ ایک غریب گھرانے کی سیدھی سادی لڑکی تھی اس کے باپ کا انتقال اس وقت ہوا تھا جب وہ فرسٹ ایئر میں تھی۔ باپ کے علاوہ کوئی دوسرا سہارا نہ تھا اس لئے عاصمہ نے پڑھائی کا سلسلہ ختم کر کے اپنی بیوہ ماں کا سہارا بن جانا چاہا لیکن ماں نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ نہ توڑے اور پوری توجہ سے اپنی پڑھائی میں دلچسپی لے۔ باپ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک عاصمہ پریشان رہی لیکن پھر بڑی دلجمعی کے ساتھ پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ اسے فیس کے معاملے میں زیادہ نہیں سوچنا پڑا۔ چونکہ ذہین طالبہ تھی اس لئے پرنسپل نے از راہِ ہمدردی اس کے باپ کی موت سے متاثر ہو کر اس کی فیس معاف کر دی۔ کتابوں کا مسئلہ کالج کی لائبریری سے حل ہو گیا۔ جب بھی اس کا کوئی پیریڈ خالی ہوتا وہ سیدھی لائبریری میں چلی جاتی اور لائبریرین سے کتابیں حاصل کر کے پڑھتی رہتی۔ غربت اور کم مائیگی کے احساس نے اسے بھی ندیم کی طرح بہت کم سخن اور الگ تھلگ رہنے کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ ہر وقت بجھی بجھی سی نظر آتی لیکن سمیرا کو ان حالات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو عاصمہ سے محض اس لئے خار کھاتی تھی کہ ندیم اکثر اس کے ساتھ نظر آتا تھا۔

سمیرا اور اور عاصمہ کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ سمیرا نے جب سے دنیا میں آنکھ کھولی تھی دولت کے انبار میں کھیلتی چلی آئی تھی۔ اس کے برعکس عاصمہ ہمیشہ سے قدرت کی ستم ظریفیوں کا شکار رہی۔ باپ کی موت کے بعد سے تو امارت کا تصور بھی اس کے ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ زیادہ خوبصورت بھی نہ تھی۔ اسے حسین بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ معمولی خدوخال کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی۔ سانولی رنگت کی مالک۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر............

ندیم اس سے کیوں ملتا تھا؟

"کیا صرف اس لئے کہ وہ مجھے جلانے کا خواہشمند ہے۔" سمیرا کی قوت پرواز اسی حد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی چنانچہ اسے عاصمہ کی ذات سے خواہ مخواہ بغض ہو گیا تھا۔ وہ ندیم اور عاصمہ دونوں کو نیچا دکھانے اور انہیں ان کی حیثیتوں کا احساس دلانے کا عہد کر چکی تھی۔

تیسرے پیریڈ کے بعد وقفہ ہوا تھا۔ تمام لڑکے اور لڑکیاں وسیع لان پر آ کر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صرف ندیم اور عاصمہ سب سے الگ تھلگ بیٹھے اس وقت بھی مطالعہ میں مصروف تھے۔

"مجھے تو اس پرانے برگد کے دُرخت کی خیر نظر نہیں آتی۔" ماہ منیر نے ندیم اور عاصمہ کو درخت کے نیچے بیٹھا دیکھ کر کہا۔

"وہ کیوں؟" رفعت نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھ لینا' کسی روز اس درخت کے نیچے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنی نظر آئے گی۔"

سب لڑکیاں ہنس دی تھیں۔

"احمقوں کی جوڑی۔" شاہدہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔" سلطانہ نے اپنی ظرافت کا ثبوت پیش کیا۔

لیکن سمیرا کے سینے پر اس وقت بھی سانپ لوٹ رہے تھے ہرچند کہ عاصمہ اور ندیم ایک دوسرے سے دور دور بیٹھے تھے لیکن پھر بھی اسے دونوں کا یوں بیٹھنا پسند نہ تھا۔

"تفریح تو جب آئے کہ ان دونوں کے بارے میں کوئی زوردار اسکینڈل مشہور ہو۔ مثلاً یہ کہ ندیم اور عاصمہ نے چوری چھپے شادی کر لی ہے۔" ماہ منیر نے تجویز پیش کی۔

"یہ بُری بات ہے۔" روزی نے جلدی سے کہا۔ "جہاں تک ندیم کا تعلق ہے تم لوگ جو چاہے کرو لیکن عاصمہ بیچاری کو مفت میں ملوث کرنا غلط ہے۔"

"میں بھی روزی کی بات کی تائید کرتی ہوں۔" رفعت نے جلدی سے کہا۔ "وہ بیچاری پہلے ہی کیا کم پریشان ہے کہ ہم اسے اور پریشان کریں۔"

ماہ منیر شرمندہ ہو گئی۔ جلدی سے موضوع بدل کر بولی۔

"سمیرا! تم چپ چپ سی کیوں ہو۔ کیا ندیم کو آج بے وقوف بنانے کا ارادہ نہیں ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk

"ہے .... مگر آج تم لوگ دور دور رہو گی۔" سمیرا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بھئی یہ زیادتی ہو گی۔" روزی بولی۔ "ہم لوگ کیوں محروم رہیں۔"

"کل سہی لیکن آج میں ذرا اکیلے میں اسے مرغا بنانا چاہتی ہوں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ مگر اس کا خیال رکھنا کہ کہیں وہ سچ مچ ککڑوں کوں کی بانگ نہ دینے لگے۔"

سمیرا نے روزی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک ہلکے سے جھٹکے سے حسین پیشانی پر آئی ہوئی سیاہ زلفوں کی ایک لٹ کو پیچھے کیا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ندیم کے قریب جا کر لان پر بیٹھ گئی۔

"اوہ .... آپ۔" ندیم نے کتاب بند کر کے مسکراتے ہوئے کہا لیکن اس مسکراہٹ میں بھی ایک وقار تھا۔

"اگر ناگوار گزرا ہو تو چلی جاؤں۔"

"بڑے شوق سے بیٹھئے۔ مجھے بھلا کیوں ناگوار گزرے گا۔"

"کیا پڑھ رہے تھے آپ؟" سمیرا نے پوچھا۔

"کورس کی کتابوں کے علاوہ مجھے اور کسی چیز میں مطلق دلچسپی نہیں ہے۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔

"کتابِ زندگی کے بارے میں کیا نظریہ ہے آپ کا؟"

"ابھی میں نے اس کے اوراق الٹنے پلٹنے کی کوشش نہیں کی۔"

"ایسی بھی کیا بے حسی۔" سمیرا مسکرائی۔

"آج پہلے پیریڈ میں آپ نے پروفیسر زیدی سے کسی متوقع حادثے کا تذکرہ کیا تھا۔"

ندیم نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ایک نیا سوال کر دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔ یونہی امی جان سے ذرا اختلاف رائے ہو گئی تھی۔"

"تعجب ہے۔" ندیم نے یکلخت گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں' اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"ممکن ہے آپ کے لئے نہ ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ماں کتنی عظیم ہستی کا نام ہے۔"

"ایک بات پوچھوں بشرطیکہ آپ بُرا نہ مانیں۔"

"میں کسی بات کا کبھی بُرا نہیں مانا کرتا۔" ندیم نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کیا آپ کا کبھی ماں سے کوئی اختلاف نہیں ہوا۔"

"مجھے اختلاف پیدا کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔" ندیم نے اداس لہجے میں کہا۔

"شاید اس لئے کہ میری والدہ میرے ہوش سنبھالتے ہی خدا کو پیاری ہو گئی تھیں۔"

"آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟" سمیرا نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"روکھی سوکھی مل ہی جاتی ہے کسی نہ کسی طرح۔" ندیم نے بجھی آواز میں کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ کسی پرائیویٹ ہوسٹل میں رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ہوسٹل کی لائف کچھ اچھی نہیں ہوتی۔" سمیرا نے نخوتِ حسن سے کہا۔ "جتنا کرایہ آپ ہوسٹل والوں کو دیتے ہیں اتنے ہی میں کوئی دوسرا بندوبست کیوں نہیں کر لیتے۔"

"دو ایک بار کوشش کی تھی لیکن پھر یہ خیال ترک کر دیا۔" ندیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوئی خاص وجہ ہو گی۔" سمیرا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"جی ہاں' ہوسٹل کا جو کمرہ میرے پاس ہے اس کے مجھے صرف بیس روپے دینے پڑتے ہیں اور اتنے پیسوں میں کوئی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔"

"کھانا کہاں کھاتے ہیں آپ؟"

"کبھی ہوٹل میں اور کبھی اگر کسی دوست نے مدعو کر لیا تو اس کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔"

"زندگی کی اس یکسانیت سے کبھی الجھن نہیں ہوتی آپ کو۔"

"الجھنیں پریشان ذہنوں کی پیداوار کا نام ہیں اور خدا کا کرم ہے کہ مجھے کوئی ذہنی پریشانی مطلق نہیں ہے۔"

ندیم نے کچھ ایسے بھرپور لہجے میں جواب دیا کہ سمیرا سٹپٹا کر رہ گئی لیکن وہ اتنی آسانی سے ندیم سے مرعوب بھی نہیں ہونا چاہتی تھی چنانچہ پہلو بدل کر بولی۔

"پریشانیاں آپ ہی آپ تو نہیں پیدا ہوتیں۔ اکثر حالات کے الجھاوے بھی پریشانیوں کو جنم دیتے ہیں۔"

"میں اس بات کی تردید نہیں کروں گا لیکن انسان اگر کوشش کرے تو خود کو زندگی

www.pdfbooksfree.pk

کے الجھاوں سے دور بھی رکھ سکتا ہے۔ ہمت شرط ہے۔"

"فلسفہ سے بھی بہت زیادہ دلچسپی معلوم ہوتی ہے آپ کو۔" سمیرا مسکرا دی۔

"جی ہاں لیکن صرف اپنی زندگی کی حد تک۔" ندیم نے دوسرا وار کیا۔ "دوسروں کی زندگی سے میں نے کبھی کسی فلسفے کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"باتیں بڑی پیاری کرتے ہیں آپ۔" سمیرا ندیم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک اندازِ دلربائی سے بولی۔ "کبھی غریب خانے پر تشریف لائیے تو اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"امتحانوں کے بعد ضرور حاضر ہوں گا۔" ندیم نے مسکرا کر کہا۔

"ایک بات کہوں اگر اجازت ہو۔"

"ضرور کہئے .... میں برا نہیں مانوں گا۔" ندیم کے ہونٹوں پر بدستور ایک آسود سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"آپ ہوسٹل چھوڑ کر ہمارے ہاں چلے آیئے۔" سمیرا نے اسے اپنی امارت سے مرعوب کرنے کی خاطر کہا۔ "گیسٹ روم کے ایک دو کمرے بڑی آسانی سے آپ کو دیے جا سکتے ہیں۔"

"اس عنایت کے لئے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔"

"پھر کب تک آ رہے ہیں آپ؟"

"سوچ کر جواب دوں گا۔" ندیم سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کی مرضی .... ویسے اگر آپ نے میری پیشکش قبول کر لی تو مجھے مسرت ہو گی۔" سمیرا مسکراتی ہوئی اٹھی پھر ندیم کو پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑ گئی۔

عاصمہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے بڑے حقارت بھرے انداز میں اسے گھورا پھر نفرت سے منہ پھیر کر سہیلیوں کے جھرمٹ سے جا ملی۔

☆======☆======☆

ندیم اپنے ہوسٹل کے مختصر کمرے میں لیٹا سوچ رہا تھا۔ کیا سمیرا کو دوسروں کا مذا اڑانے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہے۔ کالج میں اور بھی تو بے شمار لڑکے موجود ہیں جو سمی کی ایک نگاہِ غلط انداز پر اپنی زندگی کی بازی لگا دینے کو آمادہ ہو سکتے ہیں۔

پھر وہ صرف مجھ ہی کو کیوں بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ کیا وہ سچ مچ مجھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انا احمق سمجھتی ہے کہ میں اس کی نگاہوں کے فسوں میں کھو کر اپنی منزل کے نشان بھلا دوں گا۔

آخر وہ ایسا کیوں سوچتی ہے؟

اس کا مقصد کیا ہے؟

محبت .... یا محض دوسروں پر اپنی امارت کا رعب جما کر اپنی انا کو تسکین پہنچانا۔

ندیم نے جب سے کالج میں داخلہ لیا تھا وہ برابر سمیرا کی حرکات اور سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ سمیرا ذہین تھی' خوبصورت تھی' خوش لباس اور خوش گفتار تھی لیکن اسے اپنی امارت کا بہت شدت سے گھمنڈ تھا۔ دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنا اور ان کی غربت کا مذاق اڑانا جیسے اس کا دل پسند مشغلہ بن گیا تھا۔ دو چار کو چھوڑ کر کالج کی بیشتر لڑکیاں اس کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سمیرا آئے دن ان کو پارٹیاں دیتی رہتی تھی اور تفریح کے پروگرام مرتب ہوتے رہتے تھے۔ سمیرا اپنی بڑائی کے اظہار کے طور پر دونوں ہاتھ کھول کر خرچ کرتی اور جب اس کی سہیلیاں مرعوب نظر آنے لگتیں تو اسے یک گونا مسرت کا احساس ہوتا تھا۔

کالج کے اکثر لڑکے سمیرا سے یک طرفہ عشق کے مرض میں مبتلا تھے۔ شروع شروع میں تو لڑکوں کی پوری فوج سمیرا کے حسن کے مربوط قلعہ کو تسخیر کرنے کے لئے اس پر یلغار کرتی رہی۔ جسے دیکھو سمیرا کا دم بھرتا نظر آتا لیکن پھر ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ لڑکے اپنی اپنی جگہ محتاط ہو گئے۔ سمیرا کی شکایت پر جب ایک طالب علم کو کالج سے نکال دیا گیا تو دوسروں کو اپنی خیر اسی میں نظر آئی کہ وہ دور ہی دور سے قسمت آزمائیں۔

سمیرا کو جہاں اپنی امارت کا احساس تھا وہاں لڑکوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر اسے اپنے رعب حسن پر بھی ناز کرنے کا موقع مل گیا۔ لڑکوں کو دیکھ کر وہ ہمیشہ ایک انداز دلربائی سے مسکرا دیا کرتی۔ کلاس کا ہر لڑکا اسی غلط فہمی کا شکار تھا کہ سمیرا اسی کا دم بھرتی ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ سمیرا ان کو محض بے وقوف بنا رہی تھی۔

ایک سال اسی طرح گزر گیا۔

ندیم نے سمیرا کی نفسیات کو جانچا تو اسے ہمدردی ہو گئی لیکن اس ہمدردی کا اظہار اس نے کبھی دوبدو کرنے کی کوشش نہیں کی' نہ ہی اس نے کبھی نظر اٹھا کر سمیرا کے حسن کو پرکھنے کی کوشش کی تھی لیکن سیکنڈ ایئر کا سال شروع ہوتے ہی اس نے محسوس کیا کہ سمیرا باقی تمام لڑکوں کو نظرانداز کر کے صرف اسی کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے جب

www.pdfbooksfree.pk

بھی ان دونوں کا کوئی پیریڈ خالی ہوتا سمیرا ہنستی مسکراتی ندیم کے پاس آ جاتی۔ دوسروں کی موجودگی کو نظرانداز کر کے ندیم سے ہنس ہنس کر گفتگو کرتی۔ اسے اپنی شخصیت اور اپنے حسن کی رنگینیوں کے خوبصورت جال میں الجھانے کی کوشش کرتی لیکن ندیم ایسے موقعوں پر ہمیشہ سنجیدہ بنا رہتا۔ سمیرا کی باتوں کا جواب وہ بڑے اخلاق سے دیتا مگر کبھی نظر اٹھا کر سمیرا کی مسکراتی آنکھوں کے سحر میں پھنسنے کی کوشش اس نے نہیں کی تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ سمیرا کو ندیم کے مقابلہ میں اپنی شکست کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے ندیم کے غرور کو خاک میں ملا دینے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اگر کبھی وہ ندیم سے گفتگو کر رہی ہوتی اور ندیم سنجیدہ بنا بیٹھا رہتا تو وہ جھلا کر کہتی۔

"کیا آپ کو مسکرانا نہیں آتا یا جان بوجھ کر ہنسنے کی کوشش نہیں کرتے۔"

جواب میں ندیم کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھرتی تو سمیرا اور بھی تلملا جاتی۔

اپنے حُسن کی تمام رعنائیوں کو یکجا کر کے وہ ندیم پر بارہا بھرپور حملے کر چکی تھی لیکن ندیم بھی اپنی جگہ کسی آہنی چٹان کی طرح اٹل رہا۔ ایک بار بھی اس نے اپنے آہنی عزم کو متزلزل نہیں ہونے دیا۔ کبھی بھولے سے بھی اس نے سمیرا کی بات کا کوئی ایسا جواب نہیں دیا تھا جس سے سمیرا کے غرورِ حسن اور امارت کے احساس کو تقویت پہنچتی۔

سمیرا نے ندیم کو نیچا دکھانے کا عہد کر رکھا تھا۔ وہ اپنی شکست تسلیم کرنے پر کسی طور آمادہ نہ ہوئی۔ بلکہ جب اس نے ندیم کو ہمیشہ سرد پتھر کی طرح اٹل اور منجمد پایا تو اور زیادہ جھلا گئی اور اسی جھلاہٹ کا نتیجہ تھا کہ اس نے ندیم کی غربت کا مذاق اڑا کر بڑے ہمدردانہ انداز میں اسے ہوسٹل سے اپنے مہمان خانہ میں منتقل ہو جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ندیم یقیناً اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا لیکن ندیم نے اس پیشکش پر بھی کسی خاص دلچسپی یا خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایک طرح سے دبی زبان میں اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے ہوسٹل کے کمرے میں لیٹا سوچ رہا تھا کہ آخر سمیرا اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ہے۔ کیوں وہ اس کی خاموش زندگی میں تلاطم پیدا کرنے کی متمنی ہے۔ کیوں وہ ہمیشہ اس کے تعاقب میں کوشاں رہتی ہے؟

کیوں؟

کس لئے؟

کیا صرف اس لئے کہ اس نے سمیرا کے حسنِ جہاں سوز سے مرعوب ہونے کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کوشش نہیں کی تھی۔

کبھی نظر اٹھا کر اس کے حسن کو تعریفی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے یاقوتی ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑیوں سے تعبیر نہیں کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی دلکشی اور سحر انگیزیوں کو نہیں سراہا تھا۔ اس کے دراز گیسوؤں کو سیاہ رات کی تاریکیوں سے تشبیہ نہیں دی تھی۔ اس کے چہرے کی ملاحت اور دلکشی کو جھیل میں تیرتے ہوئے شگفتہ اور شاداب کنول سے کبھی معمور نہیں کیا تھا۔

اس کے سراپا کو مانی اور بہزاد کے مجسموں سے برتر نہیں بتایا تھا لیکن وہ ایسا کیوں کرتا؟

اسے زندگی کی رعنائیوں سے پیار ضرور تھا لیکن وہ ہر شے کو اس کی اپنی اصلی حالت میں سادہ اور معصوم دیکھنے کا عادی تھا۔ تصنع اور بناوٹ سے اسے ہمیشہ چڑ ہوتی تھی۔ وہ ظاہری شان و شوکت کا قائل نہیں تھا۔ انتہا سے زیادہ سادگی پسند واقع ہوا تھا۔

ندیم نے کروٹ بدلی۔ رات کے ہنگامے باہر سڑکوں پر سرد پڑ چکے تھے۔ ہوسٹل کے لڑکوں کی گہما گہمی بھی ختم ہو چکی تھی سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ رات کی چادر اپنے دامن کو وسیع کرتی جا رہی تھی لیکن ندیم کو آج نیند نہیں آ رہی تھی۔ سمیرا کی پیشکش نے اسے الجھا دیا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سمیرا کی اس پیشکش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وقتی طور پر اس نے سمیرا کو ٹال ضرور دیا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ سمیرا کچھ دنوں بعد دوبارہ اس سے یہی سوال کرے گی کہ اس نے کیا سوچا۔

دو ڈھائی سال کے عرصے میں وہ سمیرا کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سمیرا اس میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ وہ پوری کلاس اور کالج کے پورے ماحول پر چھا جانے کی متمنی تھی۔ اسے اپنے مقصد میں کامیابی بھی ہوئی تھی۔ کالج کی بیشتر لڑکیاں اس کی دوستی کا دم بھرتی تھیں اور اس کے قرب کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار محسوس کرتی تھیں۔ لڑکوں کی ایک بڑی تعداد بھی سمیرا کی ایک نظرِ عنایت کی منتظر رہا کرتی تھی۔ اگر سمیرا کبھی کسی سے ہنس کر دو باتیں بھی کر لیتی تو وہ خود کو بہت خوش نصیب سمجھنے لگتا لیکن دوسرے ہی دن جب وہ کسی اور سے مسکرا مسکرا کر بات کرتی نظر آتی تو اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ غرضیکہ سمیرا ان سب کو اپنے اشاروں پر نچا رہی تھی۔ کچھ لڑکے جو بالکل مایوس ہو چکے تھے الگ تھلگ رہتے لیکن اب بھی بے شمار طالب علم ایسے تھے جو سمیرا کی محبت کے طلبگار تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

لڑکے اور لڑکیوں کے علاوہ کالج کے تمام پروفیسر بھی سمیرا کو پسند کرتے تھے اس خیال سے نہیں کہ سمیرا دولتمند اور ذہین تھی بلکہ اس وجہ سے کہ سمیرا بے حد ذہین تھی۔ ہمیشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتی' کلاس میں پروفیسروں کا بہت لحاظ کرتی لیکن ندیم سے تو جیسے اسے کوئی خاص پُرخاش تھی اور ندیم جانتا تھا کہ سمیرا اس میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ کیوں وہ اس کی یکسوئی میں اپنی دلکش مسکراہٹیں بکھیرے اس کے قریب چلی آتی ہے۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی۔ وہ ندیم کو ہر قیمت پر تسخیر کرنا چاہتی تھی۔

ندیم ان لڑکوں میں سے نہیں تھا جو خوبصورتی کے سامنے اپنے مردانہ وقار کو سرنگوں کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جاتے ہیں اسے اپنی وقعت کا احساس دوسروں سے کہیں زیادہ رہتا تھا۔ وہ اپنی شخصیت کو اتنا ارزاں کرنے کو تیار نہیں تھا کہ خود اپنی ہی نگاہوں میں گر کر رہ جائے۔ وہ ہمیشہ سے سربلند تھا اور اپنی اس خودداری کو ہمیشہ برقرار رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دوسروں کی دل شکنی گناہ سمجھتا تھا۔ ہر ملنے جلنے والے سے وہ بڑے خلوص سے ملتا کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے دوسرے کو اپنی کمتری یا اس کی برتری کا شبہ بھی ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اس میں قوتِ برداشت کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر کبھی کوئی اس کا مذاق اڑاتا یا کوئی سخت تنقید کر بیٹھتا تو وہ پلٹ کر کوئی جواب نہ دیتا۔ نہ ہی ان باتوں کا کوئی اثر لیتا بلکہ صرف مسکرا کر طرح دے جاتا اور اس کی یہی طرح دینے والی مسکراہٹ سمیرا کو تلملا کر رکھ دیتی۔

ایک روز ندیم کے ایک ہم جماعت نے سمیرا کو سنانے کے لئے کہا تھا۔

"اپنا ندیم ایک ایسی ٹھوس چٹان ہے جسے حسن کی گرمی بھی نہیں پگھلا سکتی۔"

اور ندیم نے دیکھا کہ سمیرا کو یہ بات کس قدر گراں گزری تھی۔ اس نے پلٹ کر شعلہ بار نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا پھر غصے میں ہونٹ کاٹتی دوسری طرف چلی گئی تھی لیکن اس روز سے ندیم نے محسوس کیا تھا کہ اب وہ زیادہ سے زیادہ اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتی۔ اس کی سادہ لوحی کو سراہا کرتی۔ اس کی غربت سے متاثر ہو کر ہمدردی کا اظہار کرتی۔ ہنس ہنس کر بڑی پیاری پیاری اور معصوم باتیں کیا کرتی لیکن ندیم جیسے اس کے سامنے سچ مچ ایک ٹھوس چٹان بن جانے کی قسم کھا چکا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ سمیرا کا یہ التفات اور اس کی بڑھی ہوئی مہربانیوں کا مقصد کیا ہے۔ وہ اقبال کے انجام سے بھی ناواقف نہیں تھا۔

اقبال فرسٹ ایئر میں اس کا کلاس میٹ تھا۔ بڑا ہی سنجیدہ اور خوددار واقع ہوا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خوبصورت بھی تھا اور دولتمند بھی لیکن لڑکیوں سے دور رہنے کا عادی تھا۔ کبھی موڈ میں آتا تو دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر کہا کرتا۔

"یہ حسین اور رنگ برنگی تتلیاں جو کالج کے سبزہ زار پر اڑتی پھرتی ہیں مجھے کبھی مرعوب نہیں کر سکتیں۔ محبت اور عشق بازی تو ان لوگوں کا کام ہے جنہیں فرصت ہی فرصت ہو اور مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ ان کی زلفوں کے پیچ و خم کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاتا رہوں۔"

لیکن اقبال کی زندہ دلی اور خوش فہمی زیادہ دن برقرار نہ رہ سکی۔ لڑکیوں کے گروپ میں اقبال کی کہی ہوئی بات پہنچی تو ان کی پیشانیوں پر بل آ گئے۔ اپنی جنس کا مذاق تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا پھر کالج کی لڑکیاں۔

روزی اور ماہ منیر نے سمیرا کو چڑھا دیا۔

"یہ اقبال جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ جب دیکھو لڑکیوں کا مذاق اڑاتا رہتا ہے۔" ماہ منیر نے ہونٹ سکیڑ کر بُرا سا منہ بنایا۔

"صورت شکل کیا اچھی پائی ہے کہ زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھتا۔" روزی نے ہوا دی۔

"اپنی دولت کے گھمنڈ پر اتراتا ہے۔" ماہ منیر نے سمیرا کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"ایک کار صبح چھوڑنے آتی ہے تو دوسری شام کو لینے۔" روزی بولی۔ "بیچارے کا دماغ ہی خراب ہو کر رہ گیا ہے۔"

"مزہ تو جب آئے کہ اپنی سمیرا اسے بھی نکو بنا کر چھوڑ دے۔"

"ذرا مشکل ہے۔" روزی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اقبال کے سامنے سمیرا کی دال نہیں گل پائے گی۔ بڑا کٹر مسلمان واقع ہوا ہے لڑکیوں کے معاملہ میں وہ۔"

روزی اور ماہ منیر نے جس انداز میں سمیرا کو ہموار کیا تھا وہ طریقہ بڑا کارگر ثابت ہوا۔ دوسرے ہی دن سے سمیرا نے محض اقبال کے غرور کو خاک میں ملانے کی غرض سے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔

شروع شروع میں تو اقبال واقعی سمیرا سے فلرٹ کرتا رہا لیکن پھر رفتہ رفتہ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ کالج میں ان دونوں کی ملاقاتوں کے چرچے ہونے لگے۔ ہر شخص حیرت زدہ تھا کہ دو پتھروں میں ایک ساتھ جونک کیسے لگ گئی لیکن پھر ایک دن سب ہی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس روز کالج میں عید ملن پارٹی تھی لڑکے لڑکیوں کے علاوہ

www.pdfbooksfree.pk

کچھ پروفیسر بھی موجود تھے۔ اقبال کو چونکہ سمیرا کی محبت کا یقین آ چکا تھا اس لئے وہ پارٹی میں بھی اس کے اردگرد منڈلا رہا تھا اور ہنس ہنس کر بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔

اس پارٹی کا اہتمام کئی دنوں سے ہو رہا تھا۔ اس لئے پارٹی میں ہر شخص نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ سب ہی بے انتہا خوش نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ بڑے ہال میں رنگین آنچل اِدھر اُدھر لہراتے پھر رہے تھے۔ فضا عطر بیز ہو کر رہ گئی تھی لیکن پھر اچانک محفل میں جیسے ایک انقلاب سا آ گیا۔

سمیرا نے بھری محفل میں اقبال کو کسی بات پر بُری طرح آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ دل کھول کر اسے ذلیل کیا اور ایسی کھری کھری سنائی تھیں کہ اقبال شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ دوسرے روز سے وہ کالج میں نہیں دیکھا گیا پھر ندیم کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اقبال اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے دوسرے شہر چلا گیا ہے تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔

لڑکیوں کے گروپ نے سمیرا کی اس عظیم کامیابی پر دل کھول کر اس کی تعریفیں کی تھیں۔ صرف عاصمہ ہی ایک ایسی لڑکی تھی جس نے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ دوسری لڑکیوں کے برعکس ایک بار عاصمہ نے دبی زبان میں ندیم سے کہا بھی تھا کہ سمیرا نے اقبال کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اچھا نہیں کیا۔ بیچارے کو کالج کے ساتھ ساتھ شہر بھی چھوڑنا پڑا۔

اب اقبال کے بعد سمیرا ندیم کو اس کے مقام سے گرانا چاہتی تھی لیکن ندیم پہلے ہی سے محتاط تھا۔ سمیرا جب بھی ملتی وہ بڑے خلوص سے گفتگو کرتا اور کبھی اس گفتگو کو سنجیدگی کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیتا۔ ہوسٹل چھوڑنے کا مشورہ دے کر سمیرا نے اسے کچھ زیادہ محتاط کر دیا۔ اس کی تھوڑی بہت عزت جو ندیم کی نگاہوں میں تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اپنے دل میں ندیم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اگر سمیرا نے دوبارہ کبھی اس مسئلہ کو سنجیدگی سے چھیڑا تو وہ صاف لفظوں میں انکار کر دے گا۔ وہ اقبال کی طرح موم کا پتلا بن کر حُسن کی تپش سے پگھل جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ زندگی میں اس نے اپنے لئے جو مقام پیدا کرنے کو سوچا تھا اس پر سختی سے کاربند رہنا چاہتا تھا اسے نہ سمیرا کی عشوہ طرازیوں کی فکر تھی نہ اس کی سہیلیوں کی مخالف کا کوئی ڈر تھا۔

روزِ اول ہی سے وہ اپنے اصولوں پر بڑی مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ اپنی کلاس کے دوسرے لڑکوں سے بھی اس نے محض واقفیت کی حد تک تعلقات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مرتبہ کسی کو نہ دیا تھا لیکن ایسا کرتے ہوئے اس نے کبھی کسی سے بے مروتی نہیں برتی تھی۔ نہ ہی کسی کو سخت سُست کہا تھا۔ بس خود کو ایک آہنی چٹان بنا لیا تھا۔

آہنی چٹان۔

ٹھوس اٹل اور مضبوط۔

جس سے بادِ مخالف کے جھونکے بڑی شدت سے ٹکراتے اور پھر اس کے سنگلاخ ہونے کا اندازہ کر کے خود ہی کترا جاتے۔ اپنے لئے کوئی اور راستہ اختیار کر لیتے۔

پھر بھلا سمیرا کا حُسن یا اس کی امارت اس کے قدموں کی سالمیت کو کیسے متزلزل کر سکتی تھی۔

ندیم خاصی دیر تک بستر پر لیٹا سمیرا کے بارے میں سوچتا رہا اور تب ہی اچانک اس کے ذہن کے دھندلکوں سے ایک ہیولہ سا ابھر کر اس کے سامنے آ گیا۔

ایک تصوراتی ہیولہ۔

جو عاصمہ کا تھا۔

عاصمہ۔

جو کم سخن اور سنجیدہ تھی۔

عاصمہ۔

جو غریب اور بے کس تھی لیکن پھر بھی بے حد خوددار تھی۔

عاصمہ۔

جس نے کمزور ہونے کے باوجود گردشِ زمانہ کا بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ وہ حالات کے سامنے سینہ سپر ہو گئی تھی۔

عاصمہ سمیرا کی طرح نہ زیادہ خوبصورت تھی اور نہ ہی اسے حسین کہا جا سکتا تھا لیکن پھر بھی خودداری کی تمکنت نے اس کے معصوم چہرے پر بڑا شاہانہ وقار پیدا کر دیا تھا۔ اس کے نقش و نگار اور خدوخال بھی بہت زیادہ اچھے نہ تھے پھر بھی وہ جاذبِ نظر لگتی تھی۔

سوچ میں ڈوبی ہوئی خوبصورت آنکھیں۔

ساکت ساکت سے ہونٹ۔

اس کا سہما سہما سا وجود بھی کس قدر اثر انگیز دکھائی دیتا تھا۔

کتنی جاذبیت تھی اس کے نقوش میں۔

فرشتوں جیسا تقدس اور مریم جیسی پاکیزگی۔

www.pdfbooksfree.pk

اور............

جب وہ سر جھکائے نظریں نیچی کئے اپنی سوچوں میں گم ندیم کے قریب سے ہو کر کبھی گزرتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے دل کی گہرائیوں سے کوئی عزیز شے نکل کر دور ہوتی جا رہی ہے۔ ندیم کچھ دیر اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا پاس سے دور ہوتی ہوئی عاصمہ کو یونہی خالی خالی نظروں سے تکتا رہتا پھر یکدم ہی چونک کر جلدی سے اپنی توجہ ہٹا لیتا۔ شاید اس لئے کہ وہ اپنی بدنامی سے زیادہ عاصمہ کی طرف کسی اٹھنے والی مشکوک نظروں سے گھبرا جاتا تھا۔

"عاصمہ!"

ندیم کے ہونٹوں کو آہستہ سے جنبش ہوئی۔ اس کے سنجیدہ سنجیدہ سے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہونٹ آپ ہی آپ نہ جانے کیوں مسکرا رہے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کی۔ پھر بستر پر لیٹ کر عاصمہ کے تصور سے دل ہی دل میں باتیں کرنے لگا۔

☆======☆======☆

سالانہ امتحانوں میں اب صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا تھا۔

کالج کے مصروف ہنگاموں میں بڑی کمی آ گئی تھی۔ وہ پہلے جیسی گہما گہمی باقی نہ رہی تھی۔ ہر لڑکے اور لڑکی کے ذہن پر امتحان کا بھوت سوار تھا۔ جتنی دیر وہ کلاس روم میں ہوتے بڑی توجہ سے لیکچر سنتے رہتے۔ کوئی پیریڈ خالی ہوتا تو ٹولیوں کی صورت میں لان پر ایک دوسرے سے فاصلے پر سر جوڑے بیٹھے پڑھائی میں مصروف نظر آتے۔

آج بھی تھرڈ ایئر والوں کا تیسرا پیریڈ خالی تھا۔ اس لئے لڑکے اور لڑکیوں کا گروپ لان پر اِدھر اُدھر بکھرا نظر آ رہا تھا۔ ندیم حسب دستور برگد کے بوڑھے درخت کے نیچے بیٹھا مطالعہ میں مصروف تھا۔ عاصمہ کب دبے قدموں اس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی تھی، ندیم کو اس کا مطلق احساس نہ ہوا۔

عاصمہ دراصل ندیم کے پاس ایک سوال پوچھنے کی غرض سے آئی تھی۔ اس کے حالات چونکہ ابتر تھے اس لئے وہ کسی سے ٹیوشن بھی نہیں لے سکتی تھی۔ صرف لیکچرز اور اپنی ذہانت کے بل بوتے پر تیاری کر رہی تھی۔ کبھی کبھار کوئی بہت ہی مشکل بات جب سمجھ میں نہ آتی تو وہ ندیم سے پوچھ لیا کرتی۔ پورے کالج میں ایک ندیم ہی تو تھا جو اس سے بڑے خلوص سے ملتا تھا۔ عاصمہ جب بھی اس کے پاس آتی وہ اپنی کتابیں بند کر کے اسے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پڑھانے لگتا اور ایسا کرتے ہوئے آج تک اس کی پیشانی پر کبھی کوئی بل نہیں پڑا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عاصمہ ہمت کر کے اس سے کبھی کبھار کچھ پوچھ لیا کرتی تھی۔

جب وہ ندیم کے قریب ہوتی وہ نظریں جھکائے بیٹھا اسے پڑھتا رہتا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح اس نے کبھی عاصمہ کی غربت' اس کے افلاس اور اس کی کم مائیگی کا مذاق نہیں اڑایا تھا کبھی اس کی صورت کو دیکھ کر حقارت سے منہ نہیں پھیرا تھا بلکہ اس نے تو کبھی عاصمہ کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ اکثر جب عاصمہ اس کے پاس سے اٹھ کر واپس جا رہی ہوتی تو نہ جانے اسے اس بات کا احساس کیوں ہوتا کہ دو بے چین نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی ہیں اور جب بھی عاصمہ کو یہ احساس ہوتا اس کا معصوم دل دھڑک اٹھتا۔ لطیف لطیف دھڑکنیں اس کے سہمے سہمے جذبات کو گدگداتیں تو وہ آپ ہی آپ شرما جاتی پھر خیالات کا فسوں ٹوٹتا تو وہ اداس ہو جاتی اور سوچنے لگتی کہ جو کچھ وہ محسوس کرتی ہے وہ محض اس کا وہم ہے۔

وہم۔

جو حد سے گزر جائے تو دیوانگی کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان خود کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔

سب کچھ بھول کر وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔

لیکن عاصمہ اس وہم کو بھی اپنانے سے ڈرتی تھی کہ ندیم کی بے چین نگاہیں اکثر اس کا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ قدرت کی ستم ظریفیوں نے اس کو اس قدر تنگ دامانی کا شکار بنا دیا تھا کہ وہ کسی پرچھائیں کا سہارا لیتے بھی ڈرتی تھی۔ جب بھی کبھی بیٹھے بیٹھے ندیم کا تصور ابھرتا وہ ایکدم ہی خائف ہو جاتی۔ ذہن سے اس تصور کو جھٹک دینا چاہتی لیکن کامیاب نہ ہو پاتی۔

ندیم اس کے ہوش و حواس پر جیسے چھا کر رہ گیا تھا۔

آج بھی جب ایک مشکل سوال اسے پریشان کر رہا تھا اسے معاً ندیم کا خیال آ گیا جو اپنی عادت کے مطابق بوڑھے برگد کے نیچے بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے عاصمہ نے سوچا کہ وہ ندیم کے انہماک میں مخل نہ ہو۔ جانے وہ کیا پڑھ رہا ہو۔ ہو سکتا ہے اسے میری دخل اندازی ناگوار گزرے لیکن نہ جانے کیوں وہ ندیم کو دل ہی دل میں اپنا سمجھ بیٹھی تھی۔ اس نے بارہا دل کی اس جسارت کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچا تھا۔ دل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ندیم کو اپنی دھڑکنوں سے دور کر دینا چاہا تھا لیکن ہر بار اسے

اپنے ارادے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

چند ثانیے تک وہ یونہی اپنی جگہ بیٹھی ندیم کو تکتی رہی پھر بڑی آہستگی سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ کر رک گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ندیم اس کے قدموں کی آہٹ پر ضرور چونکے گا لیکن جب ندیم کا انہماک نہ ٹوٹا اور وہ نظریں جھکائے پڑھتا رہا تو عاصمہ کو نہ جانے کیوں دکھ سا ہوا۔

بجھے ہوئے دل سے وہ جانے کے لئے پلٹی تو اچانک ندیم کی آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم روک لئے۔

"آپ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں مجھ سے؟"

"جی ہاں۔" وہ دھیرے سے گھوم کر ندیم کو تکنے لگی۔

"پھر واپس کیوں جا رہی تھیں؟"

"میں نے سوچا آپ کے انہماک کو توڑنا بری بات ہو گی۔"

"غلط سوچا تھا آپ نے۔" ندیم کے ہونٹوں پر اپنائیت بھرا تبسم ابھر آیا۔

"جانے دیجئے' پھر کسی وقت پوچھ لوں گی۔" وہ سہم کر رہ گئی۔

"آج کا کام کبھی کل پر نہیں ٹالنا چاہئے۔"

"لیکن.........." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"غیریت کا اظہار وہاں کیا جاتا ہے جہاں اپنائیت نہ ہو۔" ندیم روانی میں کہہ گیا۔

"جی؟" عاصمہ سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گئی۔

"کوئی سوال پوچھنا تھا آپ کو؟" ندیم سنبھل گیا۔

"جی ہاں۔" وہ آہستہ سے بولی پھر دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی نیچی نظریں کئے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

ندیم نے عاصمہ کی کیفیت کو محسوس کیا تو خجل سا ہو گیا۔

"آپ کو میرا کوئی جملہ ناگوار گزرا ہے شاید؟" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی .... نہیں تو۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا۔

"میں نے کچھ ایسا ہی اندازہ لگایا تھا۔"

"اندازے غلط بھی تو ہو سکتے ہیں۔" وہ دبی زبان میں بولی۔

"بہت زیادہ حساس معلوم ہوتی ہیں آپ۔"

"پتہ نہیں۔" وہ جانے کس خیال میں کہہ گئی۔ غلطی کا احساس ہوا تو اپنے وجود میں

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سمٹنے لگی پھر جلدی سے کتاب کھول کر اصل مقصد کی طرف آ گئی۔

ندیم اسے وہ سوال سمجھانے لگا جو وہ پوچھنے آئی تھی۔ جس سوال کو وہ بہت مشکل سمجھ رہی تھی۔ اسے ندیم نے کچھ ایسے انداز میں بتایا کہ ایک ایک لفظ اس کے ذہن میں آ گیا۔ سوال سمجھنے کے بعد وہ کتابیں سمیٹنے لگی تو ندیم نے کہا۔

"عاصمہ صاحبہ! ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھیے۔"

"آپ نے امتحان کی تیاری مکمل کر لی ہے یا نہیں؟"

"بس واجی سی ہے۔"

"کیوں واجبی سی کیوں ہے؟"

"گھر کے کام کاج سے فرصت جو نہیں ملتی پھر اس کے علاوہ کوئی..........." وہ کہتے کہتے اچانک رک گئی۔ دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی۔ ندیم کے سامنے وہ اپنی کم مائیگی کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جملہ نامکمل کیوں چھوڑ دیا آپ نے؟" ندیم نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"لیکن میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتی تھیں۔" وہ مسکرا دیا۔

"جی۔" عاصمہ کا دل دھڑک اٹھا۔ نہ جانے آج اسے کیا ہو رہا تھا۔

"آپ یہ کہنا چاہتی تھیں کہ کوئی پڑھانے والا بھی نہیں ہے۔"

"شاید۔" وہ اداس ہو گئی۔

"رہتی کہاں ہیں آپ؟"

"میں نے آپ کا خاصا وقت لے لیا۔ معافی چاہتی ہوں۔" وہ جانے کے ارادے سے اٹھنے لگی تو ندیم نے جلدی سے کہا۔

"میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا آپ نے۔"

"کیا جواب دوں۔" وہ پھر بہک گئی۔ غربت کے احساس نے اس کے دل کو اندر ہی اندر مسوس کر رکھ دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شاید آپ مجھے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتانا چاہتیں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر یہ گریز کیوں؟" ندیم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

ندیم کے لہجے سے اسے خلوص کی بو آئی تو جلدی سے اس نے اپنے گھر کا پتہ بتا دیا لیکن یہ احساس اسے بار بار ستا رہا تھا کہ اگر ندیم کبھی اس کے گھر آ گیا تو شاید وہ اسے چائے کی ایک پیالی بھی نہ پیش کر سکے گی۔

"آپ کا گھر تو میرے ہوسٹل سے بہت بہت قریب ہے۔" ندیم نے کہا پھر کچھ سوچ کر پوچھا۔ "آپ گھر کے کام کاج سے کب فراغت پاتی ہیں؟"

عاصمہ پریشان ہو گئی۔ ندیم آج اس کی نجی زندگی کو کیوں کرید رہا تھا۔ یہ بات وہ ابھی تک نہ سمجھ سکی تھی۔

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ شام میں کس وقت پڑھتی ہیں؟"

"جب بھی وقت مل جائے۔" عاصمہ نے اس کا مقصد سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔

"اگر میں ساتھ پڑھنے کے لئے آ جایا کروں تو آپ کی والدہ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

ندیم نے جیسے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ خوشی کے احساس سے سرشار ہو گئی لیکن دوسرے ہی لمحے ہونٹ کاٹ کر بولی۔

"آپ مفت میں اپنا وقت برباد کریں گے۔"

"اگر آپ کو صرف میرے وقت کا خیال ہے تو اس بات کو دل سے نکال دیجئے لیکن اگر کوئی اور وجہ ہے تو پھر..........."

"ندیم صاحب!" عاصمہ کی آواز بھرا گئی۔ پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے تو اس نے جلدی سے دراز دراز پلکوں کو آنکھوں پر چلمن کر لیا۔ ندیم کی بات نے اسے ہمدردی کا احساس ہوا تو دل جانے کیوں بھر آیا۔

ندیم نے عاصمہ کی پلکوں کو نم ہوتے دیکھا تو تڑپ اٹھا۔ "خدا گواہ ہے عاصمہ صاحبہ کہ میری اس پیشکش میں کسی احسان کا عنصر مطلق شامل نہیں تھا۔" وہ بڑی صاف گوئی سے بولا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کا ایک قیمتی سال خدانخواستہ ضائع نہ ہونے پائے۔ یہ میری ایک ادنیٰ سی خواہش تھی جس کا اظہار میں نے بغیر کسی جھجک کے کر دیا تھا لیکن اگر آپ کو کسی وجہ سے میری بات ناگوار محسوس ہوئی ہے تو میں صدقِ دل سے معذرت خواہ ہوں۔"

عاصمہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایک نظر ندیم کو دیکھا تو دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" ندیم نے بے چینی سے پوچھا۔

"سوچ رہی ہوں کہ آپ کی اس ہمدردی کا کیا جواب دوں۔"

"جو دل چاہے۔" ندیم مسکرا دیا۔

"آپ کو کوئی زحمت تو نہ ہو گی؟" عاصمہ نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ہو گی تو سہی لیکن خواہش کو زحمت پر ترجیح بھی نہیں دی جا سکتی۔"

عاصمہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کتنی اپنائیت تھی ندیم کے اس مختصر سے جملے میں، کس قدر خلوص تھا۔ کتنی سادگی کے ساتھ اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا اور کس قدر پیار بھرے لہجے میں یہ بات بھی باور کرا دی تھی کہ اگر عاصمہ نے اس خواہش کا احترام نہ کیا تو اسے دکھ ہو گا۔ اس نے ندیم کو تشکرانہ نظروں سے دیکھا۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ وا تو کئے لیکن کہہ نہ سکی۔

"آپ کی والدہ تو بُرا نہیں مانیں گی؟"

"جی نہیں، آپ کے سلسلے میں وہ کسی بات کا بُرا نہیں مان سکتیں۔"

"آپ یہ بات اس قدر وثوق کے ساتھ کیسے کہہ رہی ہیں؟" ندیم نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ میں نے آپ کے بارے میں امی جان کو بتا رکھا ہے۔"

"اچھا..........." ندیم نے اطمینان کا سانس لیا پھر مسکرا کر بولا۔ "کیا کیا باتیں بتائی ہیں آپ نے اپنی امی جان کو میرے بارے میں؟"

"صرف یہ کہ آپ اچھے آدمی ہیں۔"

"صرف؟"

"یہ بھی بتایا ہے کہ آپ اکثر مجھے پڑھا بھی دیتے ہیں۔" عاصمہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"اور کچھ؟"

"جو باتیں باقی رہ گئی ہیں وہ اب آپ مل کر بتا دیجئے گا۔" عاصمہ مسکرا دی پھر کتابیں سنبھال کر اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔ آج اسے بڑی شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ ندیم کی نظریں اس کا تعاقب ضرور کر رہی ہوں گی اور اس احساس نے اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ سی پیدا کر دی تھی۔ دل تھا کہ دھڑکے جا رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

اور............

دوسری طرف ندیم کی حالت بھی عاصمہ سے مختلف نہ تھی۔ آج عاصمہ سے اتنی طویل باتیں کر لینے کے بعد اسے بڑا سکون ملا تھا۔ بہت دنوں سے وہ سوچ رہا تھا کہ عاصمہ سے مل کر امتحان کی تیاریوں کے بارے میں پوچھے۔ اسے پڑھانے کی پیشکش کرے۔ اس لئے نہیں کہ وہ محض ہمدردی کے جذبہ کے تحت اس کی کامیابی کا خواہشمند تھا بلکہ اس پیشکش میں خود اس کے ارمانوں کی ایک دنیا بھی چھپی ہوئی تھی۔ وہ کسی نہ کسی بہانے عاصمہ کا قرب حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ بدصورت نہیں ہے بلکہ دنیا کی تمام رنگینیوں سے زیادہ حسین اور مقدس ہے اور یہ بھی کہ وہ اسے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتا ہے۔

عاصمہ جب جانے کے لئے اٹھی تھی تو اس کا دل چاہا تھا کہ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر روک لے۔ کچھ دیر اور بیٹھنے کو کہے اور اس سے پیاری پیاری باتیں کرتا رہے لیکن وہ اپنی خواہشات کی تکمیل نہ کر سکا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں عاصمہ ناراض نہ ہو جائے اس نے اپنی خواہشات کو مار لیا تھا۔ اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ اگر کسی نے اسے عاصمہ کا ہاتھ تھامے دیکھ لیا تو یہ مختصر سی بات ایک افسانہ بن کر پورے کالج میں مشہور ہو جائے گی۔ وہ اپنی محبت کے پاک جذبے کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عاصمہ اٹھ کر روش پر آگے بڑھی تو وہ اسے بڑی محویت سے دیکھنے لگا۔

"کتنی سبک سی ہے یہ بھولی بھالی اور معصوم سی لڑکی جو اپنی خوشیوں میں بھی ڈر کر سہم جاتی ہے۔" اس نے سوچا پھر یکلخت چونک سا گیا۔

"کہاں گم ہو میرے ہیرو!" اختر نے قریب آ کر پوچھا۔

لڑکوں میں صرف ایک اختر ہی ایسا تھا جو ندیم سے قدرے بے تکلف تھا۔ ندیم بھی اسے پسند کرتا تھا اس لئے کہ اختر عام لڑکوں سے مختلف طبیعت کا مالک تھا۔ ہر وقت ہنستے ہنساتے رہنا اس کی عادت تھی۔ بڑی ملنسار طبیعت پائی تھی۔

ندیم نے اختر کو دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا۔

"خیریت، آج بڑی لمبی لمبی سانسیں لی جا رہی ہیں؟"

"پڑھتے پڑھتے دل اکتا گیا۔" ندیم نے بات بنائی۔

"میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔" اختر نے دور جاتی ہوئی عاصمہ کو دیکھ کر کہا۔

"تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے؟" ندیم نے موضوع بدلنا چاہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اللہ کار ساز ہے۔ تم لوگوں کے صدقے میں ممکن ہے میں بھی پاس ہو جاؤں گا۔"

"دو روز سے کہاں غائب تھے' نظر نہیں آئے کلاس میں۔"

"تھا ایک چکر۔"

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟"

"پریشانی اور میں دو متضاد چیزیں ہیں۔ کبھی ایک ساتھ نہیں ہو سکتے۔" اختر نے بڑی زندہ دلی سے کہا۔ "تم سناؤ آج کل سمیرا کچھ کھنچی کھنچی سی نظر آ رہی ہیں۔"

"لگاؤ ہی کب تھا جو کھنچاؤ کا سوال پیدا ہوتا۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سنا ہے سمیرا نے تمہیں ہوسٹل چھوڑ کر اپنے ہاں آنے کو کہا تھا۔"

"ہاں .... لیکن میں نے انکار کر دیا۔"

"بڑا سنہری موقع ضائع کر دیا۔ دوسرے تو اس کی ایک مسکراہٹ کے لئے ترستے ہیں اور تم نے ایک خوبصورت آفر کو ٹھکرا دیا۔"

"مجھے سمیرا کی ذات سے نہ پہلے کوئی دلچسپی تھی اور نہ اب ہے۔"

"پھر وہ تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑی ہوئی ہے؟" اختر نے تعجب سے پوچھا۔

"ممکن ہے وہ مجھے بھی اقبال سمجھ رہی ہو۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"اقبال کے ساتھ سچ مچ برا ہوا۔ مجھے سمیرا کی ذات سے اس کی امید نہیں تھی۔"

"پڑھائی کی طرف دماغ لگاؤ اختر! یہ سب فرصت کے مشاغل ہیں۔"

اختر نے موضوع بدل کر دوسری باتیں شروع کر دیں۔ دونوں دیر تک بیٹھے اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہے پھر چوتھے پیریڈ کے لئے گھنٹہ بجا تو اٹھ کر کلاس کی طرف چل دیئے۔

☆======☆======☆

www.pdfbooksfree.pk

عابد حسین کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آئے تو نصیرہ بیگم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھیں۔ کھانے کی میز پر آج انہوں نے شوہر کی جس انداز میں آؤ بھگت کی تھی اسی سے انہوں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے لیکن عابد حسین نے بیوی سے اس کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ سمیرا کی کوئی بات ہو گی۔

اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر جب وہ بستر پر نیم دراز ہوئے تو نصیرہ بیگم بھی ان کے برابر بیٹھ گئیں۔ عابد حسین نے بیوی کو وضاحت طلب نگاہوں سے دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔

"خدا کا شکر ہے کہ آج آپ از خود میرے بستر پر موجود ہیں۔"

"کیوں .... کیا آپ کو میرا یہاں آنا برا لگا ہے۔"

"معاذ اللہ۔" عابد حسین شوخ انداز میں بولے۔ "میں اور آپ کے قرب کا برا مانوں گا۔"

"بس رہنے دیجئے۔ مجھے نہیں اچھی لگتیں آپ کی یہ باتیں۔" نصیرہ بیگم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خود میرے بارے میں کیا رائے ہے آپ کی۔"

"اس کا اندازہ آپ کے دل کو ہو گا۔"

"بھئی میرا دل تو کہتا ہے کہ آپ اب مجھے اچھا نہیں سمجھتیں۔" عابد حسین مسکرا دیئے۔

"یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟" نصیرہ بیگم نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ کے دور دور رہنے سے۔" عابد حسین نے بیوی کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے کی بات ہی کچھ اور تھی۔"

"آہستہ بولئے ذرا۔ اگر سمیرا یا کسی ملازم نے سن لیا تو کیا سوچے گا دل میں کہ بوڑھی ہانڈیوں میں ابال آ رہا ہے۔" نصیرہ بیگم اپنے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھیرتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے بولیں۔

"کوئی ایسا زیادہ بوڑھا بھی نہیں ہوا ہوں۔" عابد حسین نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "اور پھر عمر اگر زیادہ ہو گئی ہے تو کیا ہوا۔ دل تو ابھی تک جوان ہے۔"

"جبھی اکثر رات کو دیر سے آتے ہیں اور مجھ سے یہ کہا جاتا ہے کہ دفتر کے کاموں میں الجھے تھے۔" نصیرہ بیگم نے شوہر پر چوٹ کی تو عابد حسین جلدی سے بولے۔

"بہت خوب .... گویا اس عمر میں اب آپ مجھ پر بہتان بھی دھریں گی۔"

"آپ بات جو ایسی کرتے ہیں۔" نصیرہ بیگم مسکرا دیں۔

"کیا کروں، کبھی کبھی جوانی کے دن یاد آ جاتے ہیں۔"

"کیسی بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں کبھی کبھی آپ۔" نصیرہ بیگم پہلو بدل کر بولیں۔ "اللہ اللہ کرنے کا زمانہ ہے اور آپ کو شرارت کی سوجھی ہے۔"

عابد حسین بہت دیر تک نصیرہ بیگم کو چھیڑتے رہے اور نصیرہ بیگم بار بار انہیں مسکراتی نظروں سے دیکھ دیکھ کر شرماتی رہیں۔ پھر جب خاصی دیر ہو گئی تو عابد حسین نے بیوی کو ٹٹولنے کی خاطر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا قیاس اگر غلط نہیں ہے تو آپ اس وقت کسی خاص کام کی غرض سے میرے پاس آئی ہیں۔"

"کیا ویسے کبھی نہیں آئی آپ کے کمرے میں؟"

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ کبھی نہیں آئیں لیکن اس وقت کوئی خاص ہی مسئلہ درپیش ہے۔"

نصیرہ بیگم نے مسکراتی نظروں سے اقرار کر لیا۔

عابد حسین کا قیاس غلط نہیں تھا۔ نصیرہ بیگم کو ادھر کئی مہینوں سے بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ سمیرا کی بات کہیں پکی کر دی جائے اور نتیجہ آتے ہی نکاح کی رسم ادا کر دی جائے۔ ان کی شادی چونکہ سترہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی اس لئے وہ سمیرا کے ہاتھ بھی اب جلد از جلد پیلے کر دینے کی خواہشمند تھیں۔

سمیرا کے سلسلے میں انہوں نے پاس پڑوس میں اپنی ملنے جلنے والیوں سے بھی کہہ رکھا تھا۔ دو ایک رشتے آئے بھی تھے لیکن سمیرا کے لئے ناموزوں تھے۔ اس لئے نصیرہ بیگم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ شوہر سے بھی وہ بارہا دبی زبان میں اپنے خیال کا اظہار کر کے

www.pdfbooksfree.pk

داماد ڈھونڈنے کو کہہ چکی تھیں لیکن عابد حسین ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال جاتے کہ ابھی سمیرا کی عمر کھیلنے کودنے کی ہے۔ جب وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔

نصیرہ بیگم کو سمیرا کی شادی کی جلدی اس لئے بھی زیادہ تھی کہ وہ سمیرا کی بڑھتی ہوئی آزاد خیالی سے ڈرتی تھیں۔ دو چار واقعات انہوں نے ایسے سن رکھے تھے کہ ان کا دل دہل اٹھا تھا۔ ہرچند کہ وہ واقعات محلّہ کی دوسری لڑکیوں کے متعلق تھے لیکن پھر بھی نصیرہ بیگم کو ہر وقت یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں سمیرا بھی کوئی ایسا قدم اپنی نادانستگی میں نہ اٹھا بیٹھے جس سے بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے۔ ان کا اگر بس چلتا تو وہ میٹرک کے بعد ہی سمیرا کو اسکول سے اٹھا لیتیں اور گھر کے کام کاج میں لگا دیتیں لیکن سمیرا کو چونکہ باپ کی حمایت حاصل تھی اس لئے نصیرہ بیگم کو بھی چپ ہو جانا پڑا لیکن اب وہ محسوس کر رہی تھیں کہ سمیرا کی شادی جتنی جلدی کہیں ہو جائے اتنا ہی مناسب ہے۔ اپنے تئیں انہوں نے دو چار لڑکے بھی اپنے خاندان میں دیکھ رکھے تھے لیکن ابھی تک کسی کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ ویسے عزیزداروں میں انہیں اپنی چھوٹی پھوپھی زاد بہن نعیمہ بیگم کا لڑکا خالد بہت اچھا لگا تھا چنانچہ اس وقت وہ خالد ہی کے سلسلے میں شوہر کو ہموار کرنے آئی تھیں۔

شوہر نے جب ان کے آنے کا سبب پوچھا اور کسی خاصے مسئلے کا ذکر نکالا تو نصیرہ بیگم کو موقع مل گیا۔ سنجیدگی اختیار کر کے بولیں۔ "مسئلہ تو خاص ہی ہے بشرطیکہ آپ سنجیدگی سے اس پر غور کریں۔"

"سنجیدگی سے تو میں صرف اس بات پر غور کرتا ہوں کہ جب آپ کی مرضی کی کوئی بات ہوتی ہے تو آپ بڑے پیار محبت سے اپنا مسئلہ حل کرا لیتی ہیں لیکن جب میری مرضی کی بات ہوتی ہے تو آپ بڑی خوبصورتی سے ہنس کر ٹال جاتی ہیں۔"

"پھر وہی باتیں شروع کر دیں آپ نے۔" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "کچھ دیر کے لئے تو سنجیدہ ہو جایا کریں۔"

"سنجیدہ تو میں تمام دن رہتا ہوں بیگم لیکن جب آپ کا قرب پاتا ہوں تو..........."

"میں جا رہی ہوں اب۔" نصیرہ بیگم نے شرمیلی خفگی سے کہا پھر غرارہ سنبھال کر اٹھنے لگیں تو عابد حسین نے دوپٹہ تھام لیا۔

"چھوڑیئے بھی .... مجھے یہ چونچلے اچھے نہیں لگتے۔"

"اچھا بابا لو سنجیدہ ہوا جاتا ہوں۔" عابد حسین نے مسکرا کر کہا۔

نصیرہ بیگم دوبارہ جم کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں پھر جب شوہر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو سنجیدہ پایا تو اصل موضوع چھیڑ دیا۔

"میں آج نعیمہ کی طرف گئی.........."

"اچھا.......... خیریت سے تو ہیں۔"

"ہاں کرم ہے مالک کا۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "خدا جس کو چاہے نواز دے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ پھوپھا جان کے پاس دو وقت کی روٹی کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا مگر اب تو خدا کے فضل سے جیسے ہن برس رہا ہے۔ بڑے ٹھاٹھ سے گزر بسر ہو رہی ہے۔ دروازے پر گاڑی بھی کھڑی رہتی ہے۔"

"سب ان کی محنتوں کا نتیجہ ہے بیگم!" عابد حسین نے کہا۔ "میں اشتیاق بھائی کو ایک زمانے سے جانتا ہوں۔ بڑے نیک، خدا ترس اور محنتی آدمی ہیں۔"

"مجھے تو سب سے زیادہ خوشی یہ دیکھ کر ہوئی کہ نعیمہ بڑے دن نہیں بھولی۔ آج بھی اسی طرح جھک کر ملی جیسے پہلے ملا کرتی تھی۔"

"انسان کا ظرف انہی باتوں سے تو پرکھا جاتا ہے۔"

"نماز روزے کا بھی وہی عالم ہے جو پہلے تھا۔"

"ہونا بھی چاہئے۔" عابد حسین بولے۔ "بندے کو کسی حال میں بھی اپنے خدا کو نہیں بھولنا چاہئے اور پھر نماز تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

"کبھی سمیرا کو بھی ٹوکتے رہا کیجئے۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں کہ سارے دن میں ایک دو وقت ہی نماز ادا کر لیا کرے لیکن وہ ہمیشہ باتوں میں اڑا جاتی ہے۔"

"آج کل تو وہ پڑھائی میں مصروف ہے۔ ذرا امتحان سے فراغت پالے تو میں سمجھا دوں گا۔"

"ایسی تعلیم سے بھلا کیا حاصل کہ انسان دو وقت کی نماز بھی نہ پڑھ سکے۔"

"آپ ابھی نعیمہ کا تذکرہ کر رہی تھیں۔" عابد حسین نے بیوی کو سمیرا کے ضمن میں سنجیدہ پایا تو ٹالنے کی خاطر موضوع بدل دیا۔

"کیا فائدہ اس ذکر سے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ ٹال جائیں گے۔"

"بہت خوب، گویا میں آج تک آپ کو ٹالتا ہی تو رہا ہوں۔" عابد حسین مسکرا دیئے۔

"اچھا پہلے وعدہ کیجئے کہ جو کچھ میں کہوں گی آپ اس پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔"

"پہلے یہ تو معلوم ہو کہ آپ کس سلسلے میں وعدہ چاہتی ہیں۔"

"شروع کر دی نہ آپ نے وہی ٹال مٹول۔" نصیرہ بیگم نے شوہر کو گھورا تو عابد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا وعدہ رہا کہ جو کچھ آپ کہیں گی اس پر سنجیدگی سے غور کروں گا۔"

"نعیمہ نے آج مجھ سے کچھ مانگا تھا لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"کوئی خاص چیز مانگ لی تھی کیا؟" عابد حسین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولے۔

"ہاں، خاص ہی چیز تھی جبھی تو میں ہنس کر چلی آئی۔"

"کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو کہ وہ ایسی کیا خاص چیز تھی جسے دینے میں آپ کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی جبکہ مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ نعیمہ آپ کی کس قدر چہیتی ہیں۔"

"نعیمہ دراصل مجھ سے سمیرا کو مانگ رہی تھی۔"

"سمیرا کو.........." عابد حسین اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں۔" نصیرہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "وہ اپنے خالد کے لئے سمیرا کا رشتہ مانگ رہی ہیں۔"

"خالد ان کے بڑے لڑکے کا نام ہے شاید۔"

"یہ شاید کی بھی ایک کہی آپ نے۔ سینکڑوں بار تو یہاں بھی آ چکا ہے۔"

عابد حسین نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ سوچنے لگے تو نصیرہ بیگم نے پوچھا۔

"کیا سوچنے لگے آپ؟"

"کچھ بھی نہیں .... لیکن میں ابھی سمیرا کے سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔"

کیوں.......... کیا ساری زندگی بٹھائے رہنے کا خیال ہے؟"

"یہ بھی نہیں بیگم۔" عابد حسین نے کہا۔ "اول تو سمیرا جب تک بی اے نہ کر لے اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر یہ کہ میں بیٹی کی شادی کے معاملے میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ پسند نہیں کرنا چاہتا۔"

"اے تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کر ڈالیں۔ میں نے تو صرف ایک بات کہی تھی۔ ویسے جہاں تک خالد کا معاملہ ہے تو وہ گھر کا لڑکا ہے۔ دیکھا بھالا بھی ہے۔ کوئی ایسی بُرائی بھی نہیں اس میں جو وجہ انکار بن سکے۔ رہا سمیرا کے بی اے

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرنے کا معاملہ تو وہ شادی کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"غلط خیال ہے آپ کا۔" عابد حسین نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "شادی کے بعد لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہمیشہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔ شوہر کی فرمانبرداری اور گھریلو الجھنوں میں پھنس کر تعلیم کی طرف پوری توجہ دینا ناممکن سی بات ہے۔"

"اگر آپ کی یہی مرضی ہے کہ سمیرا کی شادی بی اے کر لینے کے بعد کی جائے تو پھر میں بھی زور نہیں دے سکتی لیکن خالد کو پرکھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ نعیمہ نے اگر ضد کی تو اسے صرف منگنی کی رسم ادا کر کے بھی ایک ڈیڑھ سال کے لئے ٹالا جا سکتا ہے۔"

"اتنی جلدی کیا پڑی ہے آپ کو۔ جب وقت آئے گا تو خالد کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"اور اگر نعیمہ نے جواب مانگا تو میں کیا کہوں گی۔"

"کہہ دیجئے گا کہ بی اے سے پہلے ہم تیار نہیں ہیں۔"

"وہ تو خیر میں کہہ دوں گی لیکن اپنی مرضی کا کچھ نہ کچھ اظہار تو ضروری ہے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "یونہی محض باتوں باتوں سے تو نعیمہ کو اتنے دنوں تک نہیں ٹالا جا سکتا۔ کیا خیال کرے گی وہ اپنے دل میں اور پھر بعد میں اگر خدا نخواستہ یہ رشتہ نہ ہو پایا تو مفت میں اس کی ناراضگی مول لینی پڑے گی۔"

"میرا تو خیال ہے کہ آپ نعیمہ سے صاف طور پر کہہ دیں کہ جب تک ہماری بیٹی بی اے نہیں کر لیتی ہم اس کی شادی کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتے اگر وہ انتظار کر سکتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ خالد کے لئے کوئی اور لڑکی پسند کر لیں۔"

نصیرہ بیگم کو شوہر سے اتنے کھرے جواب کی امید نہیں تھی اس لئے ایک لمحہ تک دم بخود حیرت سے انہیں تکتی رہیں پھر سوچ کر بولیں۔ "ابھی تو آپ پھوپھا جان اور نعیمہ دونوں کی تعریف کر رہے تھے۔"

"درست ہے لیکن سمیرا کی شادی کا مسئلہ ایک علیحدہ بات ہے۔"

"نعیمہ کا خیال بھی تو کرنا ضروری ہے۔"

عابد حسین عجیب الجھن میں پڑ کر رہ گئے تھے۔ جہاں تک نعیمہ بیگم اور ان کے گھرانے کا تعلق تھا وہ اسے پسند ضرور کرتے تھے لیکن خاندان میں شادی بیاہ کرنے کے وہ شروع ہی سے خلاف تھے۔ اپنے گھرانے میں ہی انہیں دو چار ایسے تلخ تجربے ہو چکے تھے

www.pdfbooksfree.pk

کہ انہوں نے سمیرا کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ اس کی شادی کی بات کہیں بھی طے ہو لیکن وہ اپنے یا بیوی کے عزیزداروں میں اس کی شادی نہیں کریں گے لیکن اب جبکہ نصیرہ بیگم نے اس مسئلے کو سنجیدگی سے چھیڑ دیا تھا تو وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

بیوی سے کھل کر انکار کر دینے میں وہ اس لئے ہچکچا رہے تھے کہ انہیں صدمہ ہو اور دوسری طرف وہ اپنے اصول کا خون اور کئے ہوئے فیصلہ سے ہٹنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

نصیرہ بیگم کو شوہر کی خاموشی گراں گزر رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب انہوں نے شوہر سے کوئی بات کہی تھی اور جواب میں اتنی تاخیر دیکھ رہی تھیں۔ ورنہ عابد حسین نے تو روزِ اول ہی سے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا۔ بیوی کی کسی بات سے آج تک انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ ہر بات میں ان کی مرضی اور خواہشات کو مقدم سمجھا تھا۔

"کیا خدا نخواستہ خالد میں آپ نے کوئی ایسی ویسی بات دیکھی ہے جو کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔" نصیرہ بیگم نے دبی زبان میں پوچھا۔

"بخدا بیگم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں آپ؟"

"اگر آپ برا نہ مانیں تو بتا دوں۔" عابد حسین نے نرمی سے کہا۔

"ضرور بتا دیجئے۔ میں نے جب آج تک آپ کی بات کا برا نہیں مانا تو بھلا اب کیسے مان سکتی ہوں۔" نصیرہ بیگم نے قدرے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے بیگم کہ میں سمیرا کی شادی اپنے یا آپ کے خاندان میں کہیں نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟"

"آپس داری میں چونکہ لحاظ مروت کا زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے اس لئے اکثر اس کے نتائج بہت خراب ہوتے ہیں۔ میں خود اپنے خاندان میں ایسی کئی شادیاں دیکھ چکا ہوں جو بڑے چاؤ سے رچائی گئی تھیں لیکن ان کا انجام بڑا برا ثابت ہوا۔"

"اگر یہ بات تھی تو آپ مجھ سے پہلے ہی کہہ دیتے۔"

"مجھے آپ کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔"

نصیرہ بیگم اداس ہو گئیں۔ ایک تو انہیں نعیمہ کی خفگی کا خیال تھا اور دوسرا افسوس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس بات کا تھا کہ ایک اچھا اور دیکھا بھالا رشتہ ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا لیکن آج تک چونکہ انہوں نے ہمیشہ شوہر کے ہر حکم اور ہر بات کو اپنے لئے ایمان کا رتبہ دیا تھا اس لئے آج بھی انہوں نے شوہر کی بات پر کوئی جواب نہ دیا۔ چپ ہو کر رہ گئیں۔

عابد حسین نے بیوی کو افسردہ دیکھا تو بولے۔

"بیگم! آپ کو غالباً میری بات سے دکھ پہنچا ہے۔"

"دکھ نہیں۔ ہاں افسوس ضرور ہو رہا ہے کہ ایک مناسب رشتہ ختم ہو رہا ہے۔" نصیرہ بیگم نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے خدا نے چاہا تو سمیرا کو اس سے بھی زیادہ مناسب اور اچھا رشتہ ملے گا۔"

"میں تو صرف وقت اور حالات سے ڈرتی ہوں۔ زمانے کے ڈھنگ روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں اس لئے چاہتی ہوں کہ لڑکی کے فرض سے جتنی جلدی ممکن ہو سکے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"کیا آپ کو اپنے خون اور سمیرا پر اعتماد نہیں ہے؟" عابد حسین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اعتماد کی بات رہنے دیجئے۔ انسان کے قدم بہکتے دیر بھی نہیں لگتی۔ میری تو راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ رات دن یہی دعا کرتی ہوں کہ خدا سمیرا کا نصیب اچھا کرے اور برے وقت سے بچائے۔"

عابد حسین کو بیوی کی بات پر ہنسی آ گئی۔ مسکرا کر بولے۔

"مجھے تو اپنی بیٹی پر پورا پورا اعتماد ہے بیگم!"

"بس رہنے دیجئے۔" نصیرہ بیگم نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ "آپ ہی نے تو اس کی عادتوں کو اور خراب کر دیا ہے۔ ذرا میں نے کوئی نصیحت کی اور سخت سست کہا تو سب سے پہلے آپ ہی لاڈ پیار شروع کر دیتے ہیں۔ میری باتوں کو تو وہ ایک کان سے سنتی ہے اور دوسرے کان سے اڑا دیتی ہے۔"

"ایک ہی تو اولاد دی ہے خدا نے۔ اگر ہم اس کا بھی لاڈ نہ کریں تو یہ سراسر زیادتی ہو گی۔"

"میں لاڈ پیار سے کب روکتی ہوں آپ کو لیکن جوان لڑکی کو اتنی آزادی دینا اچھا نہیں ہوتا کہ وہ ماں باپ کو بھی نہ پہچانے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"کیا سمیرا نے کوئی عدول حکمی کی ہے۔"

"وہ میری سنتی ہی کب ہے جو عدول حکمی کا موقع مل سکے۔" نصیرہ بیگم نے روٹھے لہجے میں کہا۔ "ہوا کی طرح گھر میں آتی ہے اور پھر اسی طرح کبھی سہیلیوں کے ہاں اور کبھی کہیں اور چلی جاتی ہے۔"

"امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو گی۔" عابد حسین نے بیٹی کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "اکیلے پڑھنے میں دل نہ لگتا ہو گا اس لئے کسی ہم جماعت کے ہاں چلی جاتی ہو گی۔"

"ہم جماعتوں کو اپنے گھر بھی بلایا جا سکتا ہے۔ اسے دوسروں کے ہاں جانے کی کیا مار پڑی ہے۔" نصیرہ بیگم غصہ سے بولیں۔ "دوسری بات یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی کہ امتحان کی تیاریوں میں ہر وقت چہرے پر لپ اسٹک اور پوڈر کیوں تھوپا جاتا ہے کیا فیشن نہ کریں گی صاحبزادی تو ممتحن کوئی نمبر کاٹ لے گا۔"

عابد حسین بیوی کی اس انوکھی منطق پر بے اختیار ہنس پڑے۔

"ہنستے رہیئے بیٹھ کر۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ زبردستی باپ بیٹی کے معاملے میں اپنا پتا مارتی رہوں۔" نصیرہ بیگم نے جھلا کر کہا پھر خفگی کے انداز میں غرارہ سمیٹتی اٹھیں اور شوہر کے روکتے رہنے کے باوجود لمبے لمبے قدم اٹھاتی چلی گئیں۔

عابد حسین بیوی کے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک ان کی بات پر مسکراتے رہے۔

☆======☆======☆

ندیم اس وقت بہت زیادہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔ سفید اجلے پتلون اور کریم کلر کی اسپورٹ شرٹ میں وہ بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

ہاتھ میں کورس کی کتابیں دبائے جب وہ عاصمہ کے دروازے پر پہنچا تو اس کے ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ ایکدم ہی سے معدوم ہو گئی۔ اسے مکان کی خستہ حالت اور اس پر برسنے والی اداسی دیکھ کر بڑا دکھ ہوا تھا۔ ایک ثانیے کے لئے وہ مکان کے دروازے کو تکتا رہا جس کا رنگ جگہ جگہ سے میلا ہو کر اتر گیا تھا دیواروں پر بھی شاید ایک عرصے سے سفیدی نہیں ہوئی تھی۔ جابجا بچوں نے کوئلے اور پنسل سے آڑی ترچھی اور الٹی سیدھی لکیریں کھینچ رکھی تھیں اور ندیم کو ان لکیروں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا تھا جیسے زندگی کے تانے بانے عاصمہ کے معصوم وجود کے گرد ہر لحظہ اپنا حلقہ تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

"عاصمہ!" ندیم کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک آواز ابھری۔ "میں تمہیں زندگی

کے ان اندھیروں میں زیادہ دنوں تک نہیں بھٹکنے دوں گا۔ ایک ایسی روشنی سے روشناس کراؤں گا جو ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔"

دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے بند دروازے پر آہستہ سے دستک دی پھر عاصمہ کا انتظار کرنے لگا۔

"کون ہے؟" کسی نے دروازے کی اوٹ سے پوچھا۔

"میرا نام ندیم ہے۔ کیا عاصمہ صاحبہ گھر پر ہیں۔" ندیم نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔ اس نے آواز ہی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے مخاطب کرنے والی شخصیت عاصمہ کی والدہ کی ہو سکتی ہے۔

"اندر آ جاؤ بیٹے!" دروازہ کھول کر ایک ادھیڑ عمر کی خاتون نے ندیم کو مخاطب کیا تو اس کے ہاتھ آپ ہی آپ پیشانی کی طرف اٹھ گئے۔

"تسلیم۔"

"جیتے رہو بیٹے!" دروازہ کھولنے والی خاتون نے بڑی شفقت سے کہا۔ "تم اندر آ کر بیٹھ جاؤ، عاصی پڑوس میں گئی ہے بس آتی ہی ہو گی۔"

ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل سے خاتون کی پیروی کی اور ایک مختصر سے کمرے میں آ گیا جو زیادہ کشادہ تو نہ تھا لیکن بڑے سلیقہ سے چھوٹی موٹی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ درمیان میں چھوٹی سی ایک گول میز موجود تھی جس پر قریشیا کا کام کیا ہوا سفید میز پوش بچھا تھا۔ چار کرسیاں تھیں جن کے بیت پرانے ہو کر اپنا اصلی رنگ و روپ کھو بیٹھے تھے۔ ایک طرف کھڑکی کے قریب پرانی وضع کی ایک مسہری بچھی تھی جس پر پڑی چادر کے کونوں پر خوش رنگ پھول کڑھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف لکڑی کی ایک قدِ آدم الماری موجود تھی۔

ندیم نے ایک ہی نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ "بیٹھ جاؤ ندیم میاں!" خاتون کی آواز سن کر وہ چونکا۔ شکریہ کہہ کر اس نے خاتون کو ایک نظر دیکھا پھر کتابیں گول میز پر رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ سوچ کر اس نے خاتون سے پوچھا۔

"آپ غالباً عاصمہ صاحبہ کی والدہ ہیں۔"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" ادھیڑ عمر خاتون نے ٹھوس آواز میں کہا پھر ندیم کے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

عاصمہ کی والدہ سے ندیم کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس نے زیادہ غور سے اس عظیم عورت کو نہیں دیکھا تھا جو بیوگی کا غم اپنے کاندھوں پر سنبھالے اپنی بیٹی کو تعلیم کے زیور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

www.pdfbooksfree.pk

سے آراستہ کرنے کی خواہشمند تھی لیکن ایک بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ حالات کی کروٹ اور تقدیر کی ستم ظریفی نے اس عظیم خاتون کو وقت سے بہت پہلے ہی جوانی کی منزلوں سے بہت دور لا پھینکا ہے۔

"عاصی اکثر گھر میں تمہارا تذکرہ کرتی رہتی ہے۔" عاصمہ کی ماں نے کہا۔ "تم اس کے ساتھ جو بھلائی کر رہے ہو خدا تم کو اس کا اجر ضرور دے گا۔"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔" ندیم تیزی سے بولا۔ "میں عاصمہ صاحبہ کے ساتھ اگر خلوص اور محبت سے پیش آتا ہوں تو یہ کوئی احسان نہیں ہے بلکہ انسانیت کا تقاضا ہے۔"

"انسانیت کا تقاضا اس دنیا میں بھلا کتنے لوگ پورا کر رہے ہیں۔"

"نہ سہی لیکن دنیا کو انسانوں سے خالی بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"عاصی نے مجھے بتایا تھا کہ تم کالج کے سب سے زیادہ ہونہار طالبعلم ہو۔"

"سب آپ جیسی بزرگ شخصیتوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"کہاں رہتے ہو تم؟" عاصمہ کی والدہ نے ندیم کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا جو سر جھکائے بیٹھا بڑا معصوم معصوم سا لگ رہا تھا۔

"یہاں سے قریب ہی ایک ہوسٹل میں رہتا ہوں۔"

"کیا تمہارے والدین اس شہر میں نہیں ہیں؟"

"جی نہیں۔" ندیم نے کہا پھر اداس لہجے میں بولا۔ "والدہ کا انتقال عرصہ ہوا ہو گیا۔ صرف والد کا سایہ سر پر باقی رہ گیا ہے۔"

"کیا کرتے ہیں تمہارے والد؟"

"جی۔" ندیم اس سوال پر کچھ گھبرا سا گیا لیکن جلد ہی خود پر قابو پا کر کہا۔ "میرے والد گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں۔"

"کتنی تنخواہ ملتی ہے۔"

"بس اتنی مل جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح گزر بسر ہو جائے۔"

عاصمہ کی والدہ نے ندیم کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"تمہاری والدہ کا انتقال کب ہوا تھا۔"

"مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے لیکن والد صاحب بتاتے ہیں کہ اس وقت میں پوری طرح ہوش بھی نہیں سنبھال سکا تھا۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم اگر چاہو تو مجھے اپنی ماں سمجھ سکتے ہو۔" عاصمہ کی والدہ نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"جی۔" ندیم نے نظریں اٹھا کر عاصمہ کی والدہ کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اسے ممتا کی جھلک نظر آئی تو اس کی پلکیں نمناک ہو گئیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے جو آپ مجھے اس قابل سمجھ رہی ہیں۔"

"عاصی کہتی ہے کہ تم کالج میں بھی سب سے الگ تھلگ اور دور دور رہتے ہو۔"

"جی ہاں۔ میں غیر ضروری ہنگاموں کو پسند نہیں کرتا۔"

"کیا کوئی تمہارا دوست نہیں ہے۔"

"ابھی تک ایسا کوئی وقت نہیں پڑا مجھ پر جو کسی کی دوستی کو آزما سکتا۔"

"ذہین معلوم ہوتے ہو۔" عاصمہ کی والدہ نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "تم آرام سے بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں تمہارے لئے۔"

"رہنے دیجئے۔ زحمت ہو گی آپ کو۔" ندیم جلدی سے بولا۔

"زحمت کیسی ندیم میاں اور پھر اپنے بچوں کے لئے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" ندیم نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میرا مقصد صرف یہ تھا کہ مجھے چائے پینے کی زیادہ عادت نہیں ہے۔"

"اچھا۔ عاصی آ جائے تو میں تم دونوں کے لئے ایک ساتھ بنا لاؤں گی۔" عاصمہ کی والدہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

ندیم بہت جلد ہی ان سے مانوس ہو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ عاصمہ کی والدہ کو ایک عرصے سے جانتا ہو۔ کتنا پُرخلوص برتاؤ تھا اس عظیم خاتون کا جس نے پہلی ہی ملاقات میں ندیم کے لئے اپنی ممتا کی آغوش کشادہ کر دی تھی۔

"عاصی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ندیم میاں! وہ کامیاب تو ہو جائے گی نا۔"

"خدا نے چاہا تو ضرور کامیاب ہو گی۔" ندیم بولا۔ "انسان اگر صدق دل سے محنت کرے تو خدا اس محنت کا صلہ ضرور دیتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ندیم میاں!"

"اگر اجازت ہو تو ایک درخواست کروں۔" ندیم نے بڑی سادگی سے کہا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا۔"

www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ اگر آپ واقعی مجھے بیٹا سمجھتی ہیں تو پھر ندیم میاں کے بجائے صرف بیٹا کہہ کر پکارا کیجئے۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم یہی کہو گے۔" عاصمہ کی والدہ مسکرا دیں۔

"میں نے یہ بات اپنا جائز حق سمجھ کر کہی تھی۔"

"سعادت مندی ہے تمہاری۔" عاصمہ کی والدہ نے محبت بھری نظروں سے ندیم کو دیکھتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ "بی اے کر لینے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔ تعلیم جاری رکھو گے یا ملازمت کا خیال ہے۔"

"اگر حالات نے اجازت دی اور آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو ایم اے کرنے کا ارادہ ہے۔"

"خدا تم کو تمہارے ارادوں میں کامیاب کرے۔"

"عاصمہ کا کیا ارادہ ہے امی جان!" ندیم نے پہلی بار عاصمہ کی والدہ کو ماں کہہ کر مخاطب کیا تھا اور ایسا کہتے ہوئے اسے بڑی روحانی مسرت حاصل ہوئی تھی۔

"وہ تو دیوانی ہے بیٹا! کبھی کہتی ہے کہ ملازمت کرے گی اور کبھی لیڈی ڈاکٹر بننے کے خواب دیکھنے لگتی ہے۔"

"ڈاکٹری کا پیشہ عاصمہ کے لئے زیادہ پُروقار رہے گا۔"

"رہے گا تو لیکن............"

باہر سے عاصمہ کی آواز سنائی دی تو وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکیں۔

"امی جان! عائشہ خالہ کے یہاں کل میلادِ شریف ہے آپ کو بھی بلاوا دیا ہے۔" عاصمہ نے اپنا جملہ پورا کرتے ہوئے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا ندیم کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آپ کب آئے ندیم صاحب!" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" ندیم نے کہا۔

"امی جان! آپ نے چائے دی ندیم صاحب کو۔" عاصمہ نے ماں کی طرف دیکھا۔

"کہا تو تھا میں نے لیکن یہ ٹال گئے۔"

"اوہ۔" عاصمہ کے چہرے کا رنگ یکلخت اتر گیا۔ اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ شاید ندیم کو اس کے گھر کا رکھ رکھاؤ پسند نہیں آیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھلا وہ انکار کیوں کرتا۔

ندیم نے عاصمہ کے چہرے کی رنگت بدلتی دیکھی تو جلدی سے بولا۔ "کیا پڑھنے کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ارادہ نہیں ہے آپ کا۔"

"جی .... جی ہاں۔" اس نے جلدی سے کہا پھر الماری کھول کر اپنی کتابیں نکالنے لگی۔

دونوں پڑھنے کے لئے بیٹھے تو عاصمہ کی ماں اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ ندیم محسوس کر رہا تھا کہ عاصمہ چائے کے انکار کا سننے کے بعد کچھ افسردہ ہو گئی ہے چنانچہ تنہائی ملتے ہی اس نے دبی زبان میں پوچھا۔

"جب آپ باہر سے تشریف لائی تھیں اس وقت تو بہت خوش تھیں پھر یہ اچانک سنجیدگی کیوں اختیار کر لی۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" عاصمہ نے ٹالنا چاہا۔ دل تو چاہا تھا کہ وہ اپنی خاموشی کی وجہ کا اظہار کر دے لیکن دل پر جبر کر کے خاموش رہی۔

"میں نے چائے کے لئے امی جان کو یہ سوچ کر منع کر دیا تھا کہ جب آپ آ جائیں گی تو ایک ساتھ ہی پی لیں گے۔"

اور ندیم کی بات سن کر عاصمہ ایکدم ہی کِھل اٹھی تھی پلکیں اٹھا کر اس نے ندیم کی طرف دیکھا پھر نگاہوں کے اچانک تصادم سے بوکھلا کر جلدی سے نظریں نیچی کر لیں۔

"اس بات کا احساس مجھے آج پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ آپ بہت زیادہ حساس بھی واقع ہوئی ہیں۔" ندیم دبی زبان میں بولا۔

"یہ اندازہ کیسے ہو گیا آپ کو۔" عاصمہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"آپ کی اس خفگی سے جو چائے کا انکار سن کر آپ کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔"

عاصمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ شرما کر رہ گئی۔

"آپ واقعی بہت خوش قسمت ہیں جو آپ کی امی آپ سے اس قدر محبت کرتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کو آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"جی ہاں .... اور اتنی دیر میں آپ کی امی جان نے مجھے اپنا بیٹا بھی بنا لیا ہے۔" ندیم نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا پھر عاصمہ کو گفتگو کی تفصیل بتانے لگا۔

عاصمہ بڑی دلچسپی سے ندیم کی باتیں سنتی رہی۔ اسے خوشی تھی کہ ندیم اتنی جلدی اس کے گھر کے ماحول سے مانوس ہو گیا ہے۔

www.pdfbooksfree.pk

"کیا آج پڑھائی کا ارادہ نہیں ہے۔" ندیم خاموش ہوا تو عاصمہ نے زیر لب ہنستے ہوئے پوچھا۔

"دل نہیں چاہ رہا آج۔" ندیم نے کہا۔ "اتنے عرصے کے بعد آج مجھے ایک ماں کی محبت نصیب ہوئی ہے۔ اس خوشی میں اگر آج پڑھائی گول کر دی جائے تو آپ کو ناگوار تو نہ ہو گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" عاصمہ نے کتاب بند کر دی۔

دونوں بڑی دیر تک بیٹھے پیاری پیاری باتیں کرتے رہے عاصمہ اتنی جلدی اس سے بے تکلف ہو جائے گی' ندیم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

"عاصمہ! ایک بات کہوں اگر آپ اس کا کوئی غلط مطلب نہ نکالیں۔" ندیم نے اچانک کچھ سوچ کر قدرے بے تکلفی سے کہا۔

"کہئے۔" عاصمہ نے اسے غور سے دیکھا۔ سوچا نہ جانے کیا بات ہو گی۔

"کالج میں کسی کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ میں آپ کے ہاں آنے لگا ہوں۔"

"کیوں۔ کیا اس میں کوئی خاص مصلحت ہے؟" عاصمہ نے ندیم کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی۔

"ہاں۔" ندیم بولا۔ "میں خواہ مخواہ دوسروں کے لئے کوئی مذاق کا موقع نہیں فراہم کرنا چاہتا۔"

"ڈرتے ہیں کیا؟" عاصمہ روانی میں کہہ گئی۔

"مجھے اپنی بدنامی سے زیادہ آپ کی عزت کا خیال ہے۔" ندیم نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

"کالج میں تو آپ بہت کم سخن مشہور ہیں۔" عاصمہ شوخی سے بولی۔

"اس لئے کہ کالج صرف تعلیم حاصل کرنے کی جگہ ہے۔"

"میرا بھی یہی نظریہ ہے۔" عاصمہ نے کہا۔ "خواہ مخواہ کی شرارتیں اور اسکینڈل سے مجھے بھی بڑی سخت کوفت ہوتی ہے۔"

"گویا آپ بھی میری ہم خیال ہیں۔"

"شاید۔" عاصمہ مسکرا دی۔

"امی جان کہہ رہی تھیں کہ تعلیم مکمل کر لینے کے بعد آپ کا ارادہ لیڈی ڈاکٹر بننے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا ہے۔"

"جی ہاں .... لیکن صرف عورتوں کے مرض دور کرنے کی حد تک۔" عاصمہ نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

"گھر کے افراد اگر کبھی بیمار ہوئے تو کیا وہ بھی آپ کی مسیحائی سے محروم رہیں گے؟"

ندیم نے عاصمہ کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ چھوئی موئی کے نازک پودے کی طرح اپنے وجود میں سمٹ جانے کی کوشش کرنے لگی۔ ندیم کے ایک ہی جملے نے جیسے اس کے دل کے سارے تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

ندیم کو شرمائی شرمائی سی عاصمہ بڑی ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر دبی زبان میں پوچھا۔

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا میری بات کا۔"

"یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا جواب دوں۔"

"کوئی مشکل درپیش ہے کیا۔"

"جی نہیں۔"

"پھر اس خاموشی کو کیا معنی دوں؟"

"جو آپ کا دل چاہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"میرا تو یہی اندازہ ہے کہ آپ کسی کی مسیحائی سے انکار نہیں کریں گی۔"

عاصمہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کچھ کہنا چاہا لیکن ماں کے آ جانے سے کہہ نہ سکی۔ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی۔

ندیم چائے پینے کے بعد بھی بہت دیر تک بیٹھا عاصمہ کی ماں سے باتیں کرتا رہا پھر جب وہ جانے کے لئے اٹھا تو نہ جانے کیوں بے چین سا نظر آنے لگا۔ عاصمہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

"کل کس وقت آئیں گے آپ؟" اس نے پوچھا۔

"جس وقت آپ بلائیں چلا آؤں گا۔" ندیم نے سرگوشی کی۔

"اس تکلف کی بھی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا اپنا گھر ہے جب چاہیں آ جائیں۔"

عاصمہ نے ہونٹوں پر شوخ تبسم بکھیرتے ہوئے کہا۔ "اور اب تو آپ نے امی جان پر بھی اپنا حق جما لیا ہے۔"

"عاصمہ!"

www.pdfbooksfree.pk

"جی۔"

"آج میں واقعی بہت زیادہ خوش ہوں۔"

"مٹھائی تو کھلائی نہیں آپ نے جو مجھے اندازہ ہوتا۔" عاصمہ شوخی سے بولی۔

"کیا آپ کو بھی مٹھائی بہت مرغوب ہے۔"

"اگر آپ نہیں کھلانا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گی۔" عاصمہ بیباک ہونے لگی۔

"غلط سمجھیں آپ۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔"

"اگر جلدی نہ ہو تو اپنا مقصد بھی سمجھا دیجئے۔" عاصمہ نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"برا تو نہیں مانیں گی آپ۔"

"کیا پتہ مطلب سمجھ میں آئے تو کچھ کہا جائے۔"

"میرا مقصد تھا کہ جس کی باتوں میں اتنی مٹھاس ہو بھلا اسے مٹھائی کی کیا خواہش ہو سکتی ہے۔"

عاصمہ نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل خوشی کے احساس سے زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ندیم نے کتنی خوبصورتی کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ لمحات یونہی ساکت ہو جائیں اور وہ ندیم کے جملے کی حلاوت میں ڈوب کر رہ جائے۔

"آپ نے برا تو نہیں مانا میری بات کا۔" ندیم نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"جی نہیں۔" اس نے نظر اٹھا کر ندیم کو دیکھا پھر شرما کر اندر بھاگ گئی۔

☆======☆======☆

امتحان کی فیس جمع کرانے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے اور سمیرا کی معلومات کے مطابق ندیم نے ابھی تک اپنی فیس داخل نہیں کی تھی۔ یہ اطلاع پا کر اسے افسوس بھی ہوا تھا اور خوشی بھی۔ افسوس اس بات کا تھا کہ اگر ندیم فیس نہ داخل کرائے گا تو امتحان میں اس کی شرکت ناممکن ہو جائے گی اور خوشی اس لئے ہوئی تھی کہ وہ چاہتی تھی کہ ندیم کی مجبوریوں کو خرید سکے۔ اس کے غرور کا سر نیچا کر سکے اور جب ندیم ندامت سے سر جھکا کر اس کی برتری کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے تو وہ اسے نفرت اور حقارت سے دھتکار کر اپنی نظروں سے گرا دے۔

سمیرا نے اسے ہوسٹل چھوڑ کر اپنے گھر آنے کی دعوت بھی محض اسی لئے دی تھی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk
www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ ندیم کو اپنا دست نگر بنانا چاہتی تھی لیکن دو چار بار کے اصرار کے باوجود ندیم نے اسے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا۔ سمیرا کو اپنی چال میں ناکامی ہوئی تو بری طرح تلملا کر رہ گئی لیکن وہ آسانی سے ہار تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی۔ اسے اپنی امارت کے ساتھ ساتھ اپنے حُسن پر بھی بے انتہا گھمنڈ تھا چنانچہ جب اسے اطلاع ملی کہ ندیم نے امتحان کی فیس ابھی تک داخل نہیں کی ہے تو اسے خوشی ہوئی۔ کسی بہانے وہ اس کی فیس اپنی جیب خاص سے داخل کرا کے اس کی خودداریوں کو خرید لینا چاہتی تھی لیکن اس سے پیشتر وہ ندیم کو اس بات کا احساس بھی دلانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے مستقبل پر ایک عظیم احسان کر رہی ہے۔ اسے کسی ایسے خوبصورت موقع کی تلاش تھی جب وہ کچھ لوگوں کی موجودگی میں ندیم کی غربت اور اس کی مجبوریوں کا مذاق اڑا سکے اس کی بے بسی پر طنز بھری مسکراہٹ کے زہریلے تیر برسا سکے اور پھر اس کی بے کسی کو کوڑیوں کے مول خرید سکے۔

آج فیس داخل کرنے کی آخری تاریخ تھی لڑکے اور لڑکیوں کا ایک جم غفیر خزانچی کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ آج ان کے درمیان ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ نہیں ہو رہی تھی۔ سب ہی امتحان کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

سمیرا اپنے گروپ کی لڑکیوں کے ساتھ کھڑی ہجوم میں ندیم کو تلاش کر رہی تھی جو ابھی تک اسے نظر نہیں آیا تھا۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ کہیں ندیم نے اپنی فیس داخل نہ کرا دی ہو اس خیال ہی نے اسے بے چین کر دیا کہ اگر کہیں ایسا ہوا تو ایک سنہری موقع اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

"کیا بات ہے سمیرا!" روزی نے پوچھا۔ "آج خلافِ توقع تم کچھ سنجیدہ سنجیدہ سی نظر آ رہی ہو۔"

"یونہی ذرا کچھ سوچ رہی تھی۔"

"کس کے متعلق؟" ماہ منیر نے برجستہ کہا۔

"کوئی خوش نصیب ہی ہو گا جس کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔" شاہدہ نے گرہ لگائی۔

"ندیم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" رفعت نے اظہار خیال کیا۔

"سنا ہے ندیم نے ابھی تک اپنی فیس داخل نہیں کرائی۔" سلطانہ سنجیدگی سے بولی۔

"یہ تو بری خبر سنائی تم نے۔" روزی نے جلدی سے کہا۔ "اگر ندیم امتحان میں

شریک نہ ہو سکا تو مجھے بہت افسوس ہو گا۔"

"اس میں ایسی افسوس کی کیا بات ہے۔" ماہ منیر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کیوں، کیا تم اس بات کی قائل نہیں ہو کہ وہ کالج کا سب سے ہونہار طالب علم ہے؟"

"بددماغ بھی کہو ساتھ میں۔" ماہ منیر بولی۔ "سیکنڈ ایئر میں بھی پرنسپل نے اس کی فیس معاف کرنی چاہی تھی لیکن اس نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کی غیرت نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔"

"ایسی بھی کیا غیرت کہ انسان خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لے۔"

"جو چاہو کہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے ندیم سے کم از کم اس کی ذہانت کے سلسلے میں پوری پوری ہمدردی ہے۔" روزی نے جواب دیا۔

"شروع شروع میں ہمدردی ہی ہوتی ہے۔" ماہ منیر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"اور اس کے بعد؟" شاہدہ نے پوچھا۔

"محبت۔" ماہ منیر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"گویا اب روزی بھی سمیرا کی رقیب بن رہی ہیں۔" شاہدہ بولی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا کہ ندیم نے ابھی تک فیس داخل نہیں کرائی۔" سمیرا نے سلطانہ سے پوچھا۔

"شاید اختر اپنے کسی دوست سے تذکرہ کر رہا تھا۔"

"اور تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔" رفعت نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے سوال کیا۔

"میں ان کے قریب سے گزر رہی تھی۔ بس اتفاقاً یہ جملہ میری سماعت میں آ گیا۔" سلطانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ "اُن کے" سے تمہارا اشارہ کیا اختر کی طرف ہے؟" ماہ منیر چپ نہ رہ سکی۔

"جوڑی بری نہیں رہے گی۔" روزی نے کہا۔ "اختر بھی تمہاری طرح بڑا زندہ دل ہے۔ خوب گزرے گی دونوں میں۔"

"خدا سمجھے گا تم لوگوں سے۔" سلطانہ خفیف سی ہو کر بولی۔ "بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا۔"

"جبھی تمہارا پنڈہ سرخ ہو رہا ہے۔ کیوں؟" رفعت نے برجستہ کہا تو سلطانہ بری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرح جھینپ گئی۔ پھر اس نے بدلہ لینے کی غرض سے اتنی زور کی چٹکی بھری کہ رفعت تلملا کر رہ گئی۔

سہیلیوں کے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی لیکن سمیرا کی نگاہیں ابھی تک لڑکوں کے ہجوم میں ندیم کو تلاش کر رہی تھیں پھر اسے اچانک خیال ہوا کہ عاصمہ بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے روزی کو مخاطب کیا۔

"اے روزی! تم نے عاصمہ کو تو نہیں دیکھا۔"

"صبح نظر تو آئی تھی۔ یہیں کہیں ہو گی کسی کونے کھدرے میں۔"

"یہ تمہیں عاصمہ کا خیال کیسے آ گیا۔" سلطانہ نے مسکرا کر سمیرا سے پوچھا۔

"تھا ایک ضروری کام۔" سمیرا نے جلدی سے بات بنا دی پھر سامنے سے اختر آتا نظر آیا تو وہ قدم بڑھاتی اس کے قریب چلی گئی۔

اختر نے سمیرا کو اپنی طرف آتے دیکھا تو رک گیا۔ کالج میں وہ چونکہ بہت زندہ دل مشہور تھا اس لئے سب ہی سے اس کا میل جول تھا۔

"اختر صاحب! مجھے آپ سے ایک ضروری بات دریافت کرنی تھی۔" سمیرا نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"زہے نصیب۔" اختر مسکرا دیا۔ "فرمایئے' کیا ضرورت پیش آ گئی آپ کو۔"

"سنا ہے ندیم صاحب نے ابھی تک امتحان کی فیس نہیں داخل کرائی۔"

"میں نے بھی یہی سنا ہے لیکن آپ کو کس بات کی تشویش ہے؟" اختر نے سمیرا کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اختر کو اس بات کا چونکہ علم تھا کہ سمیرا ندیم کے حق میں کس حد تک سنجیدہ ہے اس لئے ندیم کے بارے میں سمیرا کا استفسار سن کر اسے حیرت ہی ہوئی تھی۔

"تشویش نہیں بلکہ ہمدردی کے لئے۔" سمیرا نے بڑی تمکنت سے جواب دیا۔

"تو کیا آپ ندیم کی فیس جمع کرانا چاہتی ہیں۔"

"ہاں .... بشرطیکہ وہ اسے برا نہ سمجھیں۔"

"بڑا نیک ارادہ ہے آپ کا۔" اختر مسکرا دیا۔

"ندیم سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی آج؟"

"جی ہاں .... ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اسے لائبریری کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" اختر نے ذرا سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ اداس اداس سا نظر آ رہا تھا۔"

www.pdfbooksfree.pk

"آپ کا کیا خیال ہے۔ ندیم میری پیشکش کو قبول کر لیں گے؟" سمیرا نے یونہی پوچھ لیا۔

"ندیم کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ویسے اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ آپ اپنے اندر خدمت کا اتنا جذبہ رکھتی ہیں تو کم از کم میں تو اپنی فیس بچا ہی لیتا۔"

سمیرا اخلاقاً مسکرا دی۔ قدم بڑھاتی لائبریری میں آئی تو دیکھا ندیم ایک کونے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ چہرے پر بڑی پُروقار سنجیدگی طاری تھی۔ میز کی دوسری طرف اسے عاصمہ بھی بیٹھی نظر آئی۔ وہ بھی بڑے انہماک سے کسی کتاب کو دیکھ رہی تھی۔ سمیرا نے عاصمہ کو دیکھ کر حقارت سے منہ پھیر لیا۔ پھر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ندیم کے برابر جا کر رک گئی۔

کچھ دیر ندیم کے قریب کھڑی وہ اس بات کا انتظار کرتی رہی کہ شاید ندیم از خود اس کی طرف متوجہ ہو لیکن جب ندیم کا انہماک بہت دیر تک نہ ٹوٹا تو اس نے خود ہی اسے مخاطب کر لیا۔ "بڑے زور سے تیاری ہو رہی ہے امتحان کی۔"

"اوہ .... آپ۔" ندیم نے پلٹ کر سمیرا پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی پھر کھلی کتاب کو بند کر دیا۔

"میں بہت دیر سے آپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔" سمیرا مسکرائی پھر پھولوں سے لدی شاخ کی طرح لچک کر برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میری تلاش کس لئے تھی آپ کو۔" ندیم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" سمیرا ایک انداز دلربائی سے مسکرائی۔

"پھر تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ آج صبح میں نے کس کی صورت دیکھی تھی۔"

"میرا تو خیال تھا کہ آپ سنجیدہ ہوں گے۔" سمیرا نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"آپ کو مجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"جی ہاں .... لیکن شرط یہ ہے کہ آپ میری بات مان لیں۔"

"فرمایئے۔"

"مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے ابھی تک امتحان کی فیس نہیں جمع کرائی۔"

"ٹھیک سنا ہے آپ نے۔" ندیم لاپرواہی سے بولا۔

"کوئی خاص وجہ؟"

"جی ہاں .... ابھی تک پیسوں کا بندوبست نہیں ہو سکا۔" ندیم نے کتاب کھول

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر اس کے اوراق الٹنے پلٹنے شروع کر دیئے چہرے پر اس وقت بھی ایک انوکھے وقار کی چمک موجود تھی۔

"پھر............ کیا امتحان میں شریک ہونے کا خیال نہیں ہے۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اگر کہیں سے بندوبست ہو گیا تو ضرور شریک ہوں گا۔"

"ایک قیمتی سال برباد ہونے کا آپ کو کوئی افسوس نہیں ہو گا۔" سمیرا بولی۔

"مجھے آج تک کسی بات کا افسوس نہیں ہوا۔"

"ایک بات کہوں۔" سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

"بڑے شوق سے کہئے۔"

"وعدہ کیجئے کہ جو کچھ میں کہوں گی آپ اسے مان لیں گے۔"

"اگر ماننے والی ہوئی تو انکار نہیں کروں گا۔" ندیم سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پُروقار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ہے تو مان لینے والی بات۔"

"پھر آپ کو اسے کہہ ڈالنے میں اجازت کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔"

سمیرا نے ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچا۔ عاصمہ پر ایک نظر ڈالی جو بظاہر کتاب پڑھنے میں محو نظر آ رہی تھی۔ پھر عاصمہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر ندیم سے بولی۔

"اگر میں آپ کی فیس جمع کرا دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔"

"میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں سمیرا! لیکن میرا ضمیر اسے گوارا نہیں کرے گا۔" ندیم ایک دم ہی جیسے آہنی چٹان بن گیا۔

"کیوں' کیا حرج ہے اس میں؟"

"بظاہر کوئی حرج نہیں ہے پھر بھی میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے دوسروں سے روشنی مستعار لیتا پھروں۔"

"جب آپ کے پاس بندوبست ہو جائے تو آپ فیس کی رقم مجھے واپس کر دیجئے گا۔" سمیرا نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ وہ کسی طرح ندیم کو ہموار کر لینا چاہتی تھی۔

"اور اگر بندوبست نہ ہو سکا تو۔"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" سمیرا مسکرائی۔ "میں اس وقت تک انتظار کر لوں گی جب تک آپ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو جاتے۔"

"سوچ کر جواب دوں گا۔" ندیم نے ٹالنا چاہا۔

www.pdfbooksfree.pk

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آج فیس داخل کرانے کی آخری تاریخ ہے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ندیم نے کہا۔ "لیکن ایک ہفتہ تک لیٹ فیس کے ساتھ بھی امتحان کی فیس جمع کرائی جا سکتی ہے۔"

"اس طرح تو آپ کو مزید رقم کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"مجھے اس کا بھی احساس ہے لیکن جب تک والد صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہ آ جائے میں کسی اور کا احسان نہیں لے سکتا۔" ندیم نے بڑے لطیف انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا کرتے ہیں آپ کے والد؟"

"کلرکی۔" ندیم نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "ڈیڑھ دو سو روپے مل ہی جاتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ فیس کی رقم مع جرمانے کے روانہ کر دیں گے۔"

"شاید۔" ندیم دوبارہ لاپرواہی سے ہنس دیا۔

اور سمیرا اس کی مسکراہٹ دیکھ کر جل ہی تو گئی۔ اس نے دل میں سوچا۔

کیا وہ ندیم کو کبھی تسخیر نہ کر سکے گی۔

کیا اس کی مجبوریوں کو خریدنا ناممکن ہے۔

کیا وہ ندیم کے تنے ہوئے سر کو اپنے سامنے کبھی جھکنے پر مجبور نہ کر سکے گی۔

کیا وہ ایک عورت ہو کر بھی مرد کے مقابلے میں اپنی ہار تسلیم کر لے گی۔

کبھی نہیں۔

وہ ندیم کو سرنگوں کر کے ہی دم لے گی۔

سمیرا نے ندیم کی طرف غور سے دیکھا جو اپنا سر بلند کئے بڑی لاپرواہی سے سامنے دیوار پر لگے فریم کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے سمیرا کی موجودگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس بے رخی پر سمیرا کا غرور حسن اور امارت کا نشہ اور تلخ ہو گیا۔ ناکامی کے تصور ہی نے اس کے تن بدن میں جیسے چنگاریاں سی بھر دیں۔ ایک لمحے کے لئے اس نے ندیم کو بڑی حقارت سے دیکھا پھر بڑی نرمی سے بولی۔

"ضد کرنا بری بات ہے ندیم صاحب! مجھے خوشی ہو گی اگر آپ میری درخواست قبول کر لیں۔"

"آپ کی خوشی کی خاطر میں سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن زندگی کے اصولوں کو نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بدل سکتا۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔

"وقت پر اگر دوستوں کو آزما لیا جائے تو اس میں کوئی بُرائی بھی نہیں ہے۔"

"درست فرمایا آپ نے .... لیکن دوستوں کا احسان لینا بھی میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"بہرحال ایک وعدہ تو آپ کو میرے ساتھ ہر قیمت پر کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا؟" ندیم نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"اگر ایک ہفتہ تک آپ کہیں سے فیس کا بندوبست نہ کر سکیں تو پھر آپ کو میری پیشکش قبول کر لینی ہو گی۔ اس وقت کوئی انکار نہیں سنوں گی۔"

"یہ شرط مجھے منظور ہے۔" وہ بڑے پُراعتماد انداز میں مسکرا دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے میری کوئی بات تو مانی۔" سمیرا کو اپنی کامیابی کی امید نظر آئی تو اس کا چہرہ کسی شگفتہ اور تر و تازہ گلاب کی طرح دمک اٹھا۔

"خلوص اگر سچا ہو تو اس کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔"

"کورس تو تیار کر لیا ہے نا آپ نے۔" سمیرا نے موضوع بدلا۔

"جی ہاں .... اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کیا اس بار بھی آپ کا ارادہ ٹاپ کرنے کا ہے۔"

"آپ اگر حکم دیں تو فیل بھی ہو سکتا ہوں۔" ندیم نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں نے ازراہِ مذاق ایک بات کہی تھی۔" سمیرا مسکرا کر بولی۔

"اتنا تو خیر سلیقہ ہے مجھے کہ مذاق اور سنجیدگی کا فرق سمجھ سکوں۔"

"اچھا .... وعدہ یاد رکھئے گا اپنا۔" سمیرا مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

ندیم نے جاتی ہوئی سمیرا کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں سمیرا کے لئے کوئی ہمدردی یا اظہارِ تشکر کا جذبہ نہیں تھا بلکہ حقارت اور نفرت ہی نفرت شامل تھی۔

سمیرا لہراتی بل کھاتی لائبریری سے نکل گئی تو عاصمہ نے کتاب سے نظر اٹھا کر ندیم کو دیکھا جو کسی سنگلاخ اور ٹھوس چٹان کی طرح اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ سمیرا کی زبانی یہ بات سن کر کہ ندیم نے ابھی تک فیس داخل نہیں کرائی۔ اسے تعجب بھی ہوا اور دکھ بھی۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دھڑکتے ہوئے دل سے ندیم کے قریب آ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

"ندیم صاحب! کیا یہ سچ ہے کہ ابھی تک آپ نے امتحان کی فیس داخل نہیں کی۔"

اس نے کانپتی ہوئی آواز سے ندیم کو مخاطب کیا۔

ندیم نے نظر گھما کر عاصمہ کو دیکھا تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ کتنی اپنائیت تھی عاصمہ کے لہجے میں۔ اس کے جملے کے ایک ایک لفظ سے خلوص ٹپک رہا تھا۔ سنجیدہ سنجیدہ اور قدرے اداس عاصمہ اس وقت اسے بہت حسین لگ رہی تھی۔ جھکی جھکی نظروں پر لرزیدہ اور دراز دراز پلکیں یوں لگ رہی تھیں جیسے جھیل کی ساکت سطح پر سورج کی کرنیں چمک رہی ہوں۔ وہ بڑی محویت سے عاصمہ کے چہرے کو تکنے لگا۔

"کوئی جواب نہیں دیا آپ نے۔" عاصمہ نے نظریں اٹھائیں۔ ندیم کو اپنی طرف دیکھتا پایا تو جلدی سے دوبارہ پلکوں کو آنکھوں پر چلمن کر لیا۔

"کیا پوچھا تھا آپ نے؟" ندیم مسکرا کر بولا۔

"آپ نے امتحان کی فیس نہیں جمع کرائی اب تک۔" عاصمہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"اب جمع کرا دوں گا۔" ندیم نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"لیکن ابھی تو آپ نے سمیرا سے کہا تھا کہ پیسوں کا بندوبست نہیں ہو سکا۔"

"میں نے جھوٹ کہا تھا۔"

"جی۔" عاصمہ چونک اٹھی۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ انسان ہر شخص کے سامنے دل کھول کر رکھ دے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔

"پھر فیس نہ جمع کرانے کی کیا وجہ تھی؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کس کس کو میرا خیال ہے؟"

"سب سے پہلے تو سمیرا ہی کو خیال آیا۔" عاصمہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں .... لیکن آپ نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ میں سمیرا کو کتنی خوبصورتی سے ٹال گیا۔"

"یقین جانیئے مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔"

"غیر ضروری باتوں پر زیادہ توجہ بھی نہیں دینی چاہئے۔"

"امتحان کی فیس کو آپ غیر ضروری بات کہہ رہے ہیں۔" عاصمہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"غلط سمجھیں آپ۔" ندیم مسکرا کر بولا۔ "میرا اشارہ سمیرا کی طرف تھا جو مجھ سے

اپنی ہمدردی کا اظہار کر رہی تھی۔"

"وہ آپ کا نجی معاملہ ہے۔" عاصمہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "میں تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ آپ فیس کب داخل کریں گے۔"

"اگر آپ کا حکم ہو تو آج ہی جمع کرا دوں۔" ندیم نے شوخی سے جواب دیا۔

"سمیرا کیا سوچے گی۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا۔

"اس سے زیادہ اور کیا سوچ سکتی ہے کہ میں آپ کے حکم کو اس کی درخواست پر ترجیح دے رہا ہوں۔"

"جی۔" عاصمہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے نظر اٹھا کر ندیم کو دیکھا پھر اس کی مخمورِ نگاہوں میں محبت کے دیے روشن دیکھے تو شرما کر جلدی سے نظریں دوبارہ جھکا لیں۔ دل کسی انوکھے اور پُرکیف جذبے سے دھڑک رہا تھا۔

یہ دوسرا موقع تھا جب ندیم نے بڑی خوبصورتی سے اپنی چاہت کا احساس دلایا تھا اور جسے سن کر مسرت سے اس کا پورا وجود کسی دلکش نغمے کی طرح گنگنا اٹھا تھا۔

☆======☆======☆

ندیم بڑی پابندی سے عاصمہ کو امتحان کی تیاری مکمل کرنے میں مدد دے رہا تھا۔ عاصمہ کی والدہ ساجدہ خاتون بھی اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔ جتنی دیر ندیم عاصمہ کو پڑھانے میں مصروف رہتا وہ مخل نہ ہوتیں لیکن پڑھائی کے بعد وہ تقریباً روزانہ ہی خاصی دیر اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہتیں۔ اس کی خیریت دریافت کرتیں۔ صحت کا خیال رکھنے کا مشورہ دیتیں۔ دامن پھیلا کر اسے کامیابی کی دعائیں دیتیں۔

ندیم کو بھی ساجدہ خاتون سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ روزانہ دو گھڑی بات کئے بغیر خود اسے بھی چین نہ پڑتا۔ ساجدہ خاتون ہرچند کہ اس کی سگی ماں نہ تھیں لیکن ندیم کو ان کی پیار بھری باتوں میں ہمیشہ ممتا کی لازوال جھلک نظر آتی۔ وہ اکثر سوچتا کہ اگر کبھی حالات نے اسے عاصمہ سے دور کر دیا اور ساجدہ خاتون کی لازوال محبت سے محروم کر دیا تو کیا وہ سکون سے رہ سکے گا؟ کیا زندگی میں ایک بار پھر وہ ماں کی آغوش سے دور ہو جائے گا اور یہ سوچ کر اس کی پلکیں بھیگ جاتیں۔ اسے ماں کا پیار کبھی نصیب نہ ہو سکا تھا اس لئے ساجدہ خاتون کی محبت نے بہت جلد اس کا دل موہ لیا۔ وہ اکثر رات کی تنہائیوں میں سوچتا رہتا۔ کیا ماں کا پیار ایسا ہی ہوتا ہے جیسا پیار اسے ساجدہ خاتون سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ملا تھا۔ کیا اس کی اپنی ماں آج زندہ ہوتی تو وہ بھی اسے اتنا پیار کرتی اور اتنا ہی عزیز رکھتی جتنا ساجدہ خاتون رکھتی تھیں۔ پہروں وہ اداس رہتا پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتا کہ قدرت نے اسے منہ بولی ماں کا جو پیار بخشا ہے وہ اسے مرتے دم تک اپنے سینے سے لگائے رکھے گا۔

ساجدہ خاتون کی دیکھا دیکھی عاصمہ بھی اب ندیم سے بہت زیادہ مانوس اور بے تکلف ہو گئی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ حالات نے خود ہی ندیم کو اس کے قریب کر دیا ہے۔ ورنہ وہ شاید تمام عمر اپنی محبت کے خواب دیکھتی رہتی۔

خواب۔

حسین اور پیارے پیارے خواب۔

جن کی تعبیر کبھی اس کے دل میں مسرت کے آبگینے بکھیر دیتی۔

اور کبھی وہ یہ سوچ کر لرز اٹھتی تھی کہ کہیں اس کے خوابوں کی تعبیر الٹی نہ ثابت ہو کہیں اس کے خواب ادھورے نہ رہ جائیں۔

ندیم کو پالینے کی تمنا اس کے لئے ایک خواب ہی تھی جسے اس نے ڈھائی سال سے بڑی آرزوؤں سے اپنے خیالات میں بسا رکھا تھا۔ وہ ندیم کو دیوانہ وار چاہتی تھی لیکن اپنی محبت کا اظہار اس نے کبھی اور کسی طور پر بھی نہ کیا تھا۔ ندیم کی سنجیدگی اور خاموشی دیکھ کر وہ اکثر ڈر جایا کرتی تھی۔ کبھی سوچتی کہ نہ جانے اسے کیا غم لاحق ہے۔ وہ کن خیالوں میں کھویا رہتا ہے۔ کیا سوچا کرتا ہے۔ کیا اس کی کوئی عزیز شے گم ہو گئی ہے جس کی تلاش کرتے کرتے وہ تھک ہار کر نڈھال ہو گیا ہے ایک دو بار تو اس کے دل میں بڑی معصوم سی خواہش بھی ہمک کر پیدا ہوئی تھی اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ندیم سے نہ ملے۔ اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کرے۔ اس کی اداسی کا راز معلوم کرے اور پھر اس کے درد کا درماں بن جائے لیکن وہ ایسا کبھی نہ کر سکی۔ ہمیشہ ندیم سے دور دور رہی۔ اس کے قریب جانے کی ہمت کبھی نہ کر سکی وہ اپنے حالات سے مجبور تھی۔ قدرت کی ستم ظریفیوں نے اسے خود اپنی پرچھائیں سے بھی محتاط رہنے کا عادی بنا دیا تھا۔

ایک سال یوں ہی دبے قدموں گزر گیا۔

دوسرا سال اس کے لئے خوابوں کی دنیا لئے ہوئے نمودار ہوا۔ اس روز وہ بے انتہا خوش ہوئی تھی جب ندیم نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تھا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب عاصمہ سیکنڈ ایئر میں تھی۔ ایک روز وہ جلدی میں اپنی معاشیات کی کتاب کالج میں بھول

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آئی تھی۔ گھر پہنچ کر اسے کتاب کے کھو جانے کا احساس ہوا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاید اس لئے کہ ساجدہ خاتون نے دوسروں کے کپڑے سی سی کر اس کے لئے کتابیں خریدی تھیں۔

ساری رات وہ پریشان پریشان سی رہی لیکن دوسرا دن اس کے لئے خوشیوں کا پیغام لے کر نمودار ہوا۔ وقفے میں وہ لائبریری میں بیٹھی اپنی گمشدہ کتاب کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ندیم دبے قدموں اس کے پاس آیا۔ اسے اپنے قریب دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے بوکھلا گئی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا لیکن جب ندیم نے اس کی معاشیات کی کتاب اسے دی تو وہ ایک دم ہی خوش ہو گئی۔ جیسے وہ چند روپے کی قیمت کی کتاب اس کے لئے قارون کے خزانے سے کم نہیں تھی۔

"کل یہ کتاب آپ اپنی سیٹ پر بھول گئی تھیں۔" ندیم نے بڑے مہذب لہجے میں کہا تھا۔ "اتفاق ہی سمجھئے جو میری نظر پڑ گئی۔"

"میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی مسٹر ندیم!" خوشی کی شدت آنسو بن کر اس کی شبنمی پلکوں پر تھرا اٹھی تھی۔

"اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ میں نے آپ کی چیز ہی تو لوٹائی ہے۔"

"میں تو اس کتاب کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکی تھی۔"

"مایوسی گناہ ہے مس عاصمہ! انسان کو ہر حال میں ثابت قدم رہنا چاہئے۔" ندیم نے ٹھوس آواز میں کہا پھر نظریں جھکائے اس کے سامنے کسی خواب ہی کی طرح گزر گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد سے وہ اکثر ایک دوسرے سے دو ایک باتیں کر لیا کرتے۔ کبھی عاصمہ کی سمجھ میں اگر کوئی بات نہ آتی تو وہ ندیم سے پوچھ لیا کرتی۔ ندیم جب بھی اس سے ملتا بڑے خلوص سے ملتا بہت محتاط ہو کر۔

پھر ایک سال اور گزرا تو فاصلے آپ ہی آپ گھٹتے چلے گئے۔ ندیم نے بڑی اپنائیت سے اسے پڑھانے کی پیشکش کی تھی اور اب .... اب وہ ندیم کے اس قدر قریب آ چکی تھی کہ دوری کا تصور بھی اس کے لئے بڑا جان لیوا تھا۔ جتنی دیر ندیم اسے پڑھاتا رہتا وہ بڑی سنجیدگی اور دلجمعی سے پڑھائی میں مصروف رہتی۔ جب وہ اس کی ماں کے پاس بیٹھا بچوں کی طرح پیاری پیاری باتیں کرتا تو وہ ماں کے شانوں سے لگی بیٹھی اسے تکتی رہتی۔

اکثر ندیم اسے چھیڑنے کے لئے ساجدہ خاتون سے کہتا۔

"امی! آپ عاصمہ کو منع کر دیجئے' یہ مجھے گھور گھور کر نہ دیکھا کریں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"کیوں؟" عاصمہ یکدم چونک کر کہتی۔ "کیا نظر لگ جائے گی آپ کو۔"

"نہ سہی لیکن پھر بھی کسی کو گھور گھور کر دیکھنا بُری بات ہے۔"

"اور آپ جو میری امی کو ٹکر ٹکر گھورتے رہتے ہیں تو کچھ نہیں ہوتا۔"

"میری اور امی کی بات دوسری ہے۔" ندیم مسکرا کر کہتا۔

"ہونہہ۔" عاصمہ بناوٹی غصہ کا اظہار کرتی تو ساجدہ خاتون پیار سے اسے ڈانٹ دیتیں۔

"ہٹ کر بیٹھو ذرا' اوپر کیوں چڑھی آ رہی ہو؟"

"دیکھا پڑ گئی نا ڈانٹ۔" ندیم بچوں کی طرح ہنس کر اس کا مذاق اڑاتا۔

"امی!" وہ سچ مچ روٹھ کر کہتی۔ "آپ بھی انہیں میرے اوپر ہنسنے کا موقع دیتی ہیں۔"

"تم کیوں جلتی ہو؟ آخر یہ بھی تو میرا بیٹا ہے۔"

"بعد میں ہوں گے۔ پہلے تو میرا حق ہے آپ پر۔"

"غلط۔" ندیم جلدی سے بول پڑا۔ "آپ نے اتنے دنوں امی سے محبت کر لی ہے۔ اب صرف میری باری ہے۔"

"کیوں امی!" عاصمہ ماں سے پوچھتی۔ "سچ سچ بتایئے آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے مجھ سے یا ندیم صاحب سے۔"

"دونوں سے۔" ساجدہ خاتون کے چہرے پر ممتا کا نور چمک اٹھتا۔

"زیادہ کس سے ہے۔" عاصمہ ٹھنک کر ماں کا چہرہ اپنی جانب کر کے پوچھتی۔

"کہہ تو دیا کہ دونوں سے ہے محبت۔"

ندیم خاموش بیٹھا ماں بیٹی کی تکرار سنتا رہتا۔ پھر جب وہ چلا جاتا تو عاصمہ خوابوں کی دنیا میں گم ہو کر رہ جاتی۔ سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اس کے ذہن پر ندیم کا خوابناک تصور چھایا رہتا۔ وہ اکثر سوچتی۔

اس کے خواب پورے ہونے کے دن اب آ گئے ہیں۔

وہ ندیم سے اب کبھی دور نہ ہو سکے گی۔

دنیا کی کوئی طاقت اب اس کے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی۔

اس کے خواب ضرور شرمندۂ تعبیر ہو جائیں گے۔

اور پھر تصور ہی تصور میں مستقبل کے بارے میں نہ جانے کیا کیا منصوبے بنانے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگتی۔ خود ہی خیالات کے حسین محلات تعمیر کرتی اور پھر خود ہی شرما جاتی۔

امتحان کے دن جیسے جیسے نزدیک آ رہے تھے۔ ندیم اپنا زیادہ تر وقت عاصمہ کے مکان پر گزارنے لگا۔ دونوں ہر وقت ایک ساتھ رہتے۔ ندیم بڑی توجہ سے اسے پڑھاتا رہتا۔ اگر کبھی عاصمہ پڑھائی سے اکتا کر کہتی کہ اس کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آ رہا ہے تو ندیم جھلا جاتا۔ گھور کر کہتا۔

"امتحانات سر پر آ گئے ہیں محترمہ! اس طرح اکتانے سے کام نہیں چلے گا۔"

"اتنی دیر سے تو پڑھ رہی ہوں۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بُرا سا منہ بنا کر کہتی۔

"پھر........ اب کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ دیر ریسٹ کریں پھر پڑھائی شروع کریں گے۔"

"میں کیا یہاں جھک مارنے کے لئے آتا ہوں۔" ندیم خفگی سے کہتا۔ "کروں جا کر امی سے شکایت۔"

"آپ امی کی دھونس کیوں دیا کرتے ہیں مجھے؟" عاصمہ تنک کر پوچھتی۔

"اس لئے کہ آپ امی کے علاوہ کسی کی سنتی جو نہیں۔"

"کوئی پیار سے سمجھائے تو سہی۔" وہ روانی میں کہہ جاتی پھر اپنی غلطی کا خیال آتا تو انگلی دانتوں میں دبا کر جھینپ سی جاتی۔ چہرہ کسی انجانے تصور سے تپ کر گلنار ہو جاتا۔

"بہت زیادہ بات کرنی آ گئی ہے اب تو۔" ندیم بڑے پیار سے کہتا۔ "پہلے تو ہر وقت گم صم سی بنی رہتی تھیں۔"

"آپ بھی تو چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔" وہ مسکرا کر جواب دیتی۔

ندیم ہنس پڑتا پھر دونوں پڑھائی میں مصروف ہو جاتے۔

امتحانات شروع ہوئے تو دونوں بہت زیادہ سنجیدہ بن گئے۔ ندیم رات گئے تک اسے پڑھاتا پھر ہوسٹل چلا جاتا۔ ایک دو بار عاصمہ کے علاوہ ساجدہ خاتون نے بھی کہا کہ وہ وہیں رک جائے لیکن ندیم ہنس کر ٹال گیا۔

کالج میں دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تو وہ اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب سے گزر جاتے۔ صرف ایک دوسرے کے چہرے سے اندازہ لگا لیتے کہ کس کا پرچہ کیسا ہوا ہے۔ ندیم پرچہ دے کر پہلے ہوسٹل جاتا۔ کھانا کھا کر کچھ دیر کمر سیدھی کرتا پھر عاصمہ کے ہاں جا کر پڑھائی میں مصروف ہو جاتا۔

ندیم کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ عاصمہ کے پرچے اچھے ہو رہے ہیں۔ اب

www.pdfbooksfree.pk

تک جتنے پرچے ہو چکے تھے اس سے ندیم نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ فرسٹ ڈویژن ضرور حاصل کر لے گی لیکن ابھی تک ایک پرچہ ایسا باقی تھا جس میں عاصمہ کو ڈر تھا کہ کہیں خراب نہ ہو جائے۔ ندیم نے خود بھی محسوس کیا تھا کہ عاصمہ معاشیات میں کچھ کمزور ہے۔ اس لئے روزمرہ کے پرچوں کی تیاری کے ساتھ معاشیات کے بارے میں بھی اسے تھوڑا بہت بتاتا رہتا۔

آج معاشیات ہی کے آخری پرچے کا دن تھا۔

ندیم خوشی خوشی پورے اعتماد کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر وہ پرچے کا انتظار کرنے لگا جو ابھی تک نگران پروفیسر کے ہاتھ میں موجود تھا۔ کچھ دیر پرچہ تقسیم کرنے کی گھنٹی بجی تو امتحان ہال میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ندیم کے ہاتھ میں پرچہ آیا تو اس نے جلدی جلدی سارے سوالات پڑھ ڈالے پھر اس نے ہال کے دوسرے لڑکوں پر نظر ڈالی تو بیشتر کے چہرے اترے ہوئے نظر آئے۔

پرچہ لڑکوں کی توقعات کے خلاف ذرا سخت ثابت ہوا تھا۔ ہرچند کہ ندیم کے لئے اس کا ہر سوال بہت آسان تھا لیکن وہ دوسرے لڑکوں کے چہرے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ خدا جانے عاصمہ ان سارے سوالات کے جوابات دے بھی سکے گی یا نہیں۔

کچھ دیر وہ عاصمہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر وقت کا احساس ہوا تو جلدی سے قلم نکال کر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کا ذہن پوری طرح جواب لکھنے میں محو تھا اور ہاتھ بڑی روانی کے ساتھ چل رہے تھے۔ جب اس نے سارے سوالات ختم کر لئے تو وقت ختم ہونے میں بیس منٹ باقی تھے۔ ایک بار پھر جب اس نے دوسرے لڑکوں کی طرف نظر ڈالی تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔ زیادہ تر لڑکے پریشان نظر آ رہے تھے۔

ندیم کو عاصمہ کا خیال آ گیا۔ "خدا جانے اس کا پرچہ کیسا ہوا ہو گا۔" اس نے سوچا پھر جلدی جلدی اپنے لکھے ہوئے جواب پر نظر ثانی کی اور وقت ختم ہونے سے پانچ منٹ پیشتر ہی کاپی دے کر امتحان ہال کے باہر آ گیا۔ سینٹر سے باہر آ کر اس نے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور سیدھا عاصمہ کے گھر آ گیا۔

"عاصمہ آ گئی؟" اس نے ساجدہ خاتون کو ادب سے سلام کرنے کے بعد پوچھا۔

"آتی ہو ہی ہو گی۔" ساجدہ خاتون نے کہا۔ "آج تم شاید سیدھے ادھر ہی آ گئے ہو۔"

"جی ہاں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چاپ کھڑی انہیں ہموار کرنے کا منصوبہ بناتی رہی۔ باورچی ضروری ہدایتیں لے کر چلا گیا تو سمیرا نے بڑے لاڈ سے ماں کو سلام کیا۔

"آداب امی حضور!"

"جیتی رہو۔" نصیرہ بیگم نے روکھے لہجے میں کہا پھر قریب رکھے ہوئے اون کے گولے کو اٹھا کر نٹنگ میں مصروف ہو گئیں۔

سمیرا کو ماں کی خفگی پر ہنسی آ گئی۔ دبی زبان میں بولی۔

"امی جان! میں آج سلطانہ کے ہاں پارٹی میں جا رہی ہوں۔ کالج کی اور بھی بہت ساری سہیلیاں مدعو ہیں سرِ شام ہی واپس آ جاؤں گی۔"

"ہوں۔" نصیرہ بیگم کے ہاتھ سلائیوں پر تیز تیز چلنے لگے۔

"پھر اجازت ہو تو چلی جاؤں۔" سمیرا نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"میں کون ہوتی ہوں اجازت دینے والی۔" نصیرہ بیگم روٹھے لہجے میں بولیں۔ "فون کر کے اپنے باپ سے اجازت کیوں نہیں مانگ لیتیں۔"

"پہلے آپ اجازت دے دیں پھر میں ابا جان سے بھی پوچھ لوں گی۔"

"جب تم جانے کے لئے تیار ہو چکی ہو تو پھر اجازت کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"امی جان!" سمیرا جلدی سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان سے لپٹ گئی۔ "آپ جتنا جی چاہے مجھے ڈانٹ ڈپٹ لیا کیجئے لیکن خدا کے لئے یوں ناراض نہ ہوا کیجئے۔"

"بس رہنے بھی دو۔" نصیرہ بیگم نے بدستور خفگی سے کہا۔ "مجھے نہیں اچھی لگتیں یہ باتیں۔"

"امی جان! بس آج اور اجازت دے دیجئے آئندہ سے کسی پارٹی میں نہیں جاؤں گی" سمیرا نے وہی جملہ کیا جو پہلے بھی کئی موقعوں پر کہہ چکی تھی۔

"ماہ منیر والی پارٹی کے وقت بھی تم نے یہی وعدہ کیا تھا۔"

"کہا تو تھا امی جان لیکن یہ سلطانہ کی بچی بہت ہی خراب ہے۔ پہلے سے مجھے کوئی پروگرام نہیں بتایا۔ کل رات کو فون کر دیا کہ تمام اہتمام ہو چکا ہے۔" سمیرا نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "پوچھوں گی جا کر کہ اس نے مجھے پہلے سے اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"اگر سلطانہ نے اہتمام کر لیا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ تمہارا کیا قصور ہے اور پھر ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اور بھی بہت ساری لڑکیوں کو مدعو کیا گیا ہے۔ ایک تم نہ جاؤ گی تو

www.pdfbooksfree.pk

کیا فرق پڑ جائے گا۔" نصیرہ بیگم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فرق تو نہیں پڑے گا لیکن لڑکیاں کیا سوچیں گی؟"

"سوچتی ہیں تو سوچنے دو۔ سلطانہ کو فون کر دو کہ اس نے تمہیں پہلے سے اطلاع نہیں دی۔ اس لئے پارٹی میں شرکت نہیں کر سکتیں۔ کہہ دینا کہ تمہیں آج گھر پر کچھ ضروری کام ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں امی جان کہ یہ سلطانہ کتنی آفت کی پرکالہ ہے۔ فون ملتے ہی آن دھمکے گی اور جب اسے پتہ چلے گا کہ میں نے بہانہ کیا ہے تو وہ کیا سوچے گی دل میں میرے متعلق؟"

"اس میں سوچنے سمجھنے کی کیا بات ہے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "سلطانہ آ جائے تو تم اس سے یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ میں نے تم کو اجازت نہیں دی تھی۔"

"لیکن میں نے تو ساری سہیلیوں سے یہ کہہ رکھا ہے کہ میری امی جان بہت ہی سیدھی سادی اور پیاری ہیں۔ کبھی کہیں آنے جانے کو منع نہیں کرتیں۔" سمیرا نے ماں کو رام کرنے کے لئے ان کی جھوٹی سچی تعریف کرنی شروع کر دی۔

"تم نے جھوٹ بولا ہے تو اب اس کی سزا بھی تم ہی بھگتو۔"

نصیرہ بیگم نے دوبارہ نٹنگ شروع کر دی۔ سمیرا کچھ دیر خاموش بیٹھی دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی پھر سوچ کر بولی۔

"امی جان! صرف آج اور اجازت دے دیجئے آئندہ کبھی آپ کے حکم کے خلاف کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"جاؤ یا نہ جاؤ مجھے کیا۔" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "تم جانو اور تمہارے باپ جنہوں نے تم کو حد سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔"

"اتنے دنوں تک تو پڑھائی اور امتحانوں کے سلسلے میں گھر میں قید رہی ہوں۔ اب اگر ایک دو جگہ چلی جاتی ہوں تو............"

"بس رہنے دو اپنی باتیں۔" نصیرہ بیگم اس کی بات کاٹ کر بولیں۔ "تمہارے قدم تو کبھی گھر میں ٹکتے ہی نہیں۔ اگر میں نہ ٹوکوں تو شاید گھر میں تمہاری صورت بھی نظر نہ آئے۔"

"لیکن اس میں آخر برائی کیا ہے؟" سمیرا نے جھلا کر پوچھا۔

"تمہارے نزدیک شاید جوان لڑکیوں کا ہر وقت باہر گھومتے رہنا بڑی اچھی بات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"صرف سہیلیوں کے ہاں تو جاتی ہوں اور کہاں گھومتی پھرتی ہوں؟"

"کبھی گھر کے کام کاج میں بھی دلچسپی لی ہے تم نے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جھاڑو برتن کرنے کی۔" سمیرا چڑ سی گئی۔ "آخر اتنے سارے ملازم کس مرض کی دوا ہیں۔"

"یہ ملازم تمہیں جہیز میں نہیں دیئے جائیں گے۔" نصیرہ بیگم نے تیز ہو کر کہا۔ "غضب خدا کا کہ تمہاری اتنی عمر ہونے کو آئی لیکن نہ سینا پرونا آتا ہے نہ ہی تمہیں یہ معلوم ہے کہ دال میں نمک کتنا پڑتا ہے۔ کل کو شوہر کے گھر جاؤ گی تو ساس نندیں نام دھریں گی کہ بڑے اچھے گن سکھائے ہیں بیٹی کو۔"

"شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔" سمیرا تلملا کر بولی۔ "میں نہیں کر سکتی کسی کی غلامی۔"

"تو کیا ساری عمر ماں باپ کے کولھے سے لگی بیٹھی رہو گی۔"

"حرج ہی کیا ہے۔"

"بس خاموش رہو سمیرا! مجھے تمہاری یہ باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ نہ کسی بات کو سوچتی ہو نہ سمجھتی ہو جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ اچھی تعلیم حاصل کر رہی ہو۔"

سمیرا کو ماں کی یہ بے وقت کی راگنی پسند نہ آئی۔ وہ تو کسی نہ کسی طرح سلطانہ کی پارٹی میں جانے کی اجازت حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن نصیرہ بیگم شادی کا تذکرہ لے بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر وہ یونہی نظریں جھکائے بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ایک بار جی چاہا تھا کہ باپ کو فون کر کے ان سے اجازت حاصل کر لے لیکن اس طرح سے اس بات کا خطرہ بھی لاحق تھا کہ نصیرہ بیگم اور زیادہ خفا ہو جائیں گی پھر سمیرا کی عافیت تنگ ہو کر رہ جانی یقینی بات تھی۔

"نتیجہ کب آ رہا ہے تمہارا؟" نصیرہ بیگم نے بیٹی کو خاموش پایا تو موضوع بدل کر پوچھا۔

"ڈیڑھ دو ماہ لگ جائیں گے ابھی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"پہلی ڈویژن تو آ جائے گی نا۔"

"شاید۔"

"شاید سے کیا مراد ہے تمہاری۔ تم نے تو کہا تھا کہ سارے پرچے شاندار ہوئے

ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"یہ تم ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا کر کیوں بیٹھ جاتی ہو۔" نصیرہ بیگم نے تلخ لہجے میں کہا۔

"امی جان!" سمیرا نے ماں کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تو نصیرہ بیگم کو اس پر ترس آ گیا۔

انہیں سمیرا سے اتنا ہی پیار تھا جتنا عابد حسین کو تھا۔ وہ تو بس اس بات کی متمنی تھیں کہ سمیرا اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ امورِ خانہ داری اور سینے پرونے کے کام بھی سیکھ لے تاکہ شادی کے بعد اسے دوسروں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔

بیٹی کی آنکھوں میں آنسو کی نمی دیکھی تو نرم پڑ گئیں۔

"سلطانہ نے کس وقت بلایا تھا تمہیں۔"

"گیارہ بجے۔" سمیرا بڑی معصومیت سے بولی۔

"کیا دوپہر کا کھانا بھی وہیں ہے۔"

"جی ہاں۔ دوپہر کا کھانا بھی ہے اور شام کی چائے بھی۔" وہ آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن پارٹی آخر ہے کس تقریب میں۔"

"یونہی' سلطانہ سب سہیلیوں کو جمع کرنا چاہتی تھی۔"

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"بس چائے پیتے ہی واپس آ جاؤں گی۔" سمیرا خوش خوش نظر آنے لگی۔

"ماہ منیر کے ہاں جاتے وقت بھی تم نے یہی کہا تھا لیکن رات گئے لوٹی تھیں۔"

"آج ایسا نہیں ہو گا امی جان!" سمیرا جلدی سے بولی۔ "پکا وعدہ۔"

"چراغ جلنے سے پہلے ہی لوٹ آنا ورنہ تمہارے ابا خفا ہوں گے۔" نصیرہ بیگم نے دبی زبان سے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

"امی جان!" سمیرا خوشی کے اظہار کے طور پر دوبارہ ماں سے لپٹ گئی۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ واقعی بہت گریٹ ہیں۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔ اگر آج تم نے وعدہ خلافی کی تو آئندہ کے لئے تمہارا آنا جانا بند ہو جائے گا۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"او کے۔" سمیرا نے مسکراتے ہوئے وعدہ کر لیا پھر ایک جھٹکے سے انگلیاں چوم کر ماں کو خدا حافظ کہا اور بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"خدا اس کا نصیب اچھا کرے۔"

سمیرا کے جانے کے بعد نصیرہ بیگم نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دعا دی پھر سلائیاں اور اون سنبھال کر دوبارہ نٹنگ کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆======☆======☆

عابد حسین یوں تو ہمیشہ ہی ہشاش بشاش رہنے کے عادی تھے لیکن آج جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو کچھ زیادہ ہی مسرور نظر آ رہے تھے۔

نصیرہ بیگم کا روزمرہ کا معمول تھا کہ وہ بڑی خوشگوار مسکراہٹ سے شوہر کا خیر مقدم کرتی تھیں۔ سرِ شام ہی سے وہ باہر والے ڈرائنگ روم میں آ جاتیں اور احاطے کی سمت والی کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر شوہر کا انتظار کرتی رہتیں۔ جب تک عابد حسین نہ آ جاتے وہ ان کی منتظر رہتیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ انہیں دیر ہو جاتی اور نصیرہ بیگم کے دل میں وہم جاگ اٹھتے پھر شوہر کی کار بڑے پھاٹک سے سرخ کنکریوں والی روش پر آتی تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا۔

شادی کو ایک زمانہ گزر گیا تھا لیکن نصیرہ بیگم کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

آج بھی وہ سرِ شام ہی سے کھڑکی کے پاس کھڑی منتظر تھیں۔ جب عابد حسین کی جھلملاتی کار بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوئی تو نصیرہ بیگم شوہر کے استقبال کی خاطر ڈرائنگ روم سے نکل کر صدر دروازے پر آ گئیں۔

حسب سابق انہوں نے آج بھی شوہر کو مسکرا کر خوش آمدید کہا تھا۔ پھر جب عابد حسین کو بہت زیادہ مسرور پایا تو بولیں۔

"آج آپ کچھ زیادہ خوش نظر آ رہے ہیں۔"

"اگر آپ کا حکم ہو تو سنجیدہ رہا کروں۔"

"خدا نہ کرے۔" نصیرہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "میں تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتی تھی کہ آج کیا خاص بات ہو گئی ہے۔"

"بوجھئے تو جانیں۔" عابد حسین نے بیوی کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی خوشخبری ملی ہو گی۔"

"ہاں ہے تو خوشخبری کی بات لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خوشخبری کیا ہو سکتی

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"کوئی نیا آرڈر ملا ہو گا۔" نصیرہ بیگم نے قیاس آرائی کی۔

"جی نہیں۔"

"بزنس میں خلاف توقع کچھ زیادہ کامیابی.........."

"وہ تو آپ کی دعا اور اللہ کے کرم سے ہوتی ہی رہتی ہے۔"

"شیئرز کے دام چڑھ گئے ہوں گے پھر۔"

"یہ بھی غلط۔"

"گورنمنٹ کا کوئی بڑا ٹھیکہ ملا ہو گا۔"

"اوں ہونہہ۔"

"پھر آپ ہی بتا دیجئے نا کہ کیا بات ہے۔" نصیرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنی ہار تسلیم کر لی۔

"ایسے نہیں .... پہلے کچھ خاطر مدارت کیجئے .... مٹھائی کھلوایئے پیٹ بھر کر۔ کچھ دیر میرے پاس بیٹھ کر پیار و محبت کی باتیں کیجئے پھر بتاؤں گا۔"

"اچھا .... پہلے چل کر منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کیجئے۔ میں چائے لگواتی ہوں آپ کے لئے۔"

عابد حسین کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلے گئے اور نصیرہ بیگم باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔ گھر میں نوکر چاکر خادمائیں سب ہی موجود تھیں لیکن وہ شوہر کے کام خود اپنی خوشی سے اپنے ہاتھوں کرتی تھیں۔ ایک دو بار عابد حسین نے کہا بھی تھا کہ جب ملازم موجود ہیں تو انہیں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نصیرہ بیگم شوہر کی بات کو مسکرا کر ٹال جاتیں۔ ان کے معمول میں کبھی فرق نہ آیا۔

نصیرہ بیگم نے باورچی خانے میں جا کر چائے اور کھانے کی دوسری چیزیں اپنے سامنے تیار کرائیں پھر جلدی جلدی اسے ٹرالی میں رکھا اور ملازم سے کہا کہ وہ ساتھ آئے۔

کھانے کی میز پر بھی عابد حسین بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ نصیرہ بیگم انہیں فروٹ کاٹ کاٹ کر دیتی رہیں پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے دو کپ چائے تیار کی اور شوہر کے ساتھ چائے پینے لگیں۔ اب تک انہوں نے جان بوجھ کر اس تذکرے کو نہیں چھیڑا تھا جو دروازے پر ادھورا رہ گیا تھا۔

"آپ نے میری خوشی کی وجہ دریافت نہیں کی۔" عابد حسین نے کچھ دیر بعد خود

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ی بات نکالی۔

"ابھی کیسے دریافت کر سکتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"ابھی تو صرف خاطر مدارات ہوئی ہے آپ کی۔" نصیرہ بیگم کے چہرے پر شفق کی سرخی پھیل گئی۔ زیر لب مسکرا کر بولیں۔ "مٹھائی اور دوسری شرطیں جو ابھی باقی ہیں۔"

"گویا آج مہربانی کی توقع رکھوں۔" عابد حسین نے سرگوشی کی۔

"جی نہیں۔ صرف باتوں باتوں کی طے ہوئی ہے۔" نصیرہ بیگم نے شوخی سے جواب دیا پھر شوہر کے لئے دوسرا کپ چائے کا تیار کرنے لگیں۔

"ارے لیجئے' میں خوشی میں یہ تو پوچھنا ہی بھول گیا کہ میری بیٹی آج نظر کیوں نہیں آرہی۔" عابد حسین نے سمیرا کے بارے میں پوچھا۔

"اپنے کمرے میں منہ لپیٹے پڑی ہے۔" نصیرہ بیگم نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیوں .... کیوں .... خیریت تو ہے۔" عابد حسین نے بیوی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"سب خیر و عافیت ہی ہے لیکن اب کی جو آپ نے اس کی طرفداری کی پھر آپ جانیں اور آپ کی لاڈلی۔ میں بری الذمہ ہو جاؤں گی۔"

"کیا کسی بات پر ڈانٹ ڈپٹ دیا ہے آپ نے۔"

"ہاں۔" نصیرہ بیگم چائے میں شکر ملاتی ہوئی بولیں۔ "جب دیکھو پارٹی اور تفریح کا بھوت سوار رہتا ہے اس لڑکی پر۔ گھر میں پاؤں ہی نہیں ٹکتے۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے جب میں نے اس کی سہیلیوں کی دعوت کی تھی۔ سارا دن گھر میں ادھم چوکڑی مچی رہی۔ بیچ میں ایک ہی دن گزرا ہے کہ صاحبزادی پھر سہیلیوں کے لئے ہڑک رہی ہیں۔"

"کہیں جانا چاہ رہی تھی کیا۔" عابد حسین نے بیوی کو غصے میں دیکھا تو خود نرم پڑ گئے۔

"جی ہاں۔ آج روزی کے ساتھ سینما کا پروگرام بنا تھا لیکن میں نے بڑی سختی سے منع کر دیا۔" نصیرہ بیگم نے چائے کا کپ شوہر کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

"ایک تو مجھے سمیرا کی سہیلیوں میں سب سے زیادہ چڑ اسی روزی سے ہے۔ ایسے ایسے فیشن کرتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ آنکھوں میں نہ شرم ہے نہ حیا۔ پھر لڑکیوں کا اس

طرح کھلے بندوں سینما میں بیٹھ کر مردوں کے ساتھ ساتھ کھی کھی کرنا بھی مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ میں نے مخالفت کی تو آپ کی لاڈلی کو برا لگ گیا جب سے اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی ہیں۔"

"چائے پی لی اس نے یا ابھی نہیں۔"

"میں نے ملازمہ سے بھجوا تو دی تھی' پی لی ہو گی۔"

عابد حسین کو خداوند کریم نے چونکہ صرف ایک ہی اولاد دی تھی اس لئے وہ اس سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آج تک انہوں نے سمیرا کو نہ تو کسی بات پر ٹوکا تھا اور نہ ہی کسی بات کے لئے منع کیا تھا لیکن یہ بات وہ خود بھی کئی بار محسوس کر چکے تھے کہ لڑکیوں کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی اچھی نہیں ہوتی چنانچہ اس وقت جو نصیرہ بیگم نے انہیں سمیرا کی ناراضگی کی وجہ بتائی تو وہ گول ہو گئے۔

"کیا بات ہے۔ چپ کیوں ہو گئے آپ۔" نصیرہ بیگم نے شوہر کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"یونہی' ذرا سمیرا کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔"

"خون جوش مار رہا ہو گا۔" وہ شوہر کو گھورتے ہوئے بولیں۔ "جائیے جا کر منا لائیے نا بیٹی کو بلکہ خود جا کر سینما ہال چھوڑ آئیے تاکہ صاحبزادی کا موڈ ٹھیک ہو سکے۔"

"یہ بھی ایک ہی رہی۔" عابد حسین مسکرائے۔ "بندر کی بلا طویلہ کے سر۔ یعنی میں نے یہ کب کہا کہ آپ نے سمیرا کو سینما جانے سے منع کر کے خدانخواستہ کوئی ظلم کیا ہے۔ مجھے خود بھی لڑکیوں کی زیادہ آزادی پسند نہیں ہے۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔ آپ میرے ہم خیال تو ہوئے۔"

"پہلے کب نہیں تھا۔" عابد حسین نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو خیر نہ کہئے۔ سمیرا کے سلسلے میں تو آپ نے ہمیشہ سے ڈھیل دے رکھی ہے۔ جہاں میں نے اس کی بھلائی کے لئے کچھ کہا اور آپ نے شروع کر دیا لاڈ پیار۔"

"میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا لیکن کیا کروں بیگم! دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ خدا نے ایک ہی تو اولاد دی ہے۔ اگر ہم اس کے ساتھ بھی محبت سے پیش نہ آئے تو یہ زیادتی ہو گی۔"

"لیکن ایسی محبت بھی کس کام کی کہ اولاد والدین کا احترام کرنا ہی چھوڑ دے اور ہر وقت بس یہی چاہے کہ ماں باپ دونوں اس کے اشاروں پر چلتے رہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سمیرا کا نتیجہ آنے میں اب کتنے دن رہ گئے ہیں۔"

"ٹھیک تو نہیں معلوم لیکن اب آٹھ دس دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

عابد حسین نے بیوی کو نظر بھر کر دیکھا پھر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔ رہ رہ کر ان کے پیٹ میں اس بات کا درد ہو رہا تھا کہ کسی طرح وہ خط بیوی کو دکھا دیں جو انہیں آج ہی دفتر میں ملا تھا اور جسے پانے کے بعد سے وہ بہت زیادہ خوش خوش نظر آ رہے تھے۔

"خیریت تو ہے، آج بار بار کھلے پڑ رہے ہیں۔" نصیرہ بیگم نے شوہر کو مسکراتے دیکھا تو انہیں دروازے پر ہونے والی گفتگو دوبارہ یاد آ گئی۔

"کمرے میں چلئے پھر بتاؤں گا۔"

"ایسی بھی کیا بات ہے جو آپ یہاں نہیں بتا سکتے۔"

"بس ہے کچھ ایسی ہی بات۔" عابد حسین نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا پھر اٹھ گئے۔

نصیرہ بیگم شوہر کی ایما پر ان کے ساتھ ساتھ ان کے کمرے میں آ گئیں۔ عابد حسین آرام کرنے کی غرض سے بستر پر لیٹ گئے۔ نصیرہ بیگم کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب لے آئیں۔

"اگر میرے برابر ہی پلنگ پر بیٹھ جاتیں تو کیا حرج تھا۔"

"حرج تو خیر کوئی نہیں تھا لیکن سمیرا گھر پر ہی ہے۔ اگر اتفاقاً ادھر آ گئی تو بری بات ہو گی۔" نصیرہ بیگم نے بڑے نرم لہجے میں کہا پھر موضوع بدل کر پوچھا۔ "آپ نے ابھی تک وہ بات نہیں بتائی جس کی وجہ سے چشم بددور آج زعفران زار بنے ہوئے ہیں۔"

"لیجئے .... ذرا یہ خط پڑھ ڈالیئے۔" عابد حسین نے جیب سے ایک خط نکال کر بیوی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نصیرہ بیگم نے پہلے تو شوہر کی طرف غور سے دیکھا پھر خط کھول کر پڑھنے لگیں۔ جوں جوں وہ مضمون پڑھتی گئیں ان کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا۔

برادرم اور دیرینہ رفیق عابد!

تسلیمات و نیاز!

امید ہے تم مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہو گے اور اس بات کا یقین بھی ہے کہ ایک طویل مدت کے بعد میرا خط پا کر ضرور خوش ہو گے۔

سب سے پہلے اس بات کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ تم کو طویل

www.pdfbooksfree.pk

عرصے تک کوئی خط نہ تحریر کر سکا۔ اس کی وجہ کچھ تو میری کاہلی اور مصروفیات تھیں اور کچھ یہ بات بھی تھی کہ مجھے تمہارا پتہ نہیں معلوم تھا۔ بہرحال میں تم کو برابر یاد کیا کرتا تھا اور تمہاری یاد کے ساتھ ساتھ وہ پرانا زمانہ بھی جو ہم نے ایک ساتھ گزارا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تم کو بھی وہ باتیں خوب یاد ہوں گی۔

اب تم یہ جاننا چاہو گے کہ مجھے تمہارا پتہ کیسے ملا اور اس تمام عرصہ میں مَیں کیا کرتا رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا پتہ گزشتہ دنوں مجھے تمہارے مینجر کے ذریعہ ملا جو کانپور میں تمہارا وہ مال لینے کی غرض سے آیا تھا جو تم نے دو ماہ پیشتر میرے کارخانے سے بک کرایا تھا۔ یقین جانو مجھے مینجر سے تمہارے بارے میں جان کر اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ اس کا بیان نہیں کر سکتا۔ رہا میری مصروفیات کا حال تو میرا خیال ہے تم اب اسے سمجھ چکے ہو گے۔ بہرحال مزے کی بات تو یہ ہے کہ ایک عرصہ سے ہم دونوں ایک دوسرے سے بزنس کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ ایک دوسرے کے دیرینہ دوست بھی ہیں۔

تمہارے مینجر کی زبانی تمہارے تمام حالات جان کر ازحد خوشی ہوئی۔ بھابی صاحبہ کی خدمت میں صرف میرا بہت بہت سلام کہہ دینا۔ صرف اپنا سلام اس لئے لکھ رہا ہوں کہ تمہاری بھابی ایک عرصہ ہوا خدا کو پیاری ہو چکی ہیں۔ صرف ان کی ایک جیتی جاگتی یادگار باقی ہے جو میرے بڑھاپے کا واحد سہارا ہے۔ سمیرا بیٹی کو اس کے ایک دیرینہ چچا کی طرف سے بہت بہت دعائیں کہہ دینا۔

اب یہ بھی سن لو کہ جب سے مجھے تمہارے بارے میں علم ہوا ہے میں تم سے ملنے کے لئے سخت بے چین ہوں اور عنقریب تم سے ملنے کی غرض سے آنے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں۔ اس ملاقات کا مقصد بھی بڑی صاف گوئی سے بیان کر دوں۔ میں ایک عرصے سے تمہارے بھتیجے کے لئے کسی اچھے رشتہ کی تلاش میں تھا لیکن اب جبکہ سمیرا موجود ہے مجھے اس کی فکر مطلق نہیں ہے بلکہ یہ سمجھو کہ میں نے یہ رشتہ از خود طے کر لیا ہے۔ تمہارے فیصلے کے بارے میں اس لئے ضروری نہیں سمجھا کہ سمیرا جیسے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمہاری بچی ہے ویسی ہی میری بھی ہے۔ رہا بھابی صاحبہ کا مسئلہ تو فی الحال ان کو ہموار کرنا تمہارا کام ہے۔ جب میں آؤں گا تو براہ راست ان کو راضی کر لوں گا۔

تمہیں یہ جان کر بھی ازحد خوشی ہو گی کہ تمہارا بھتیجا بھی آج کل الہ آباد میں مقیم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے تم سے اچانک ملاؤں تاکہ تمہیں زیادہ خوشی ہو۔ سمیرا کے سلسلے میں تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ اگر تم اس کا رشتہ کہیں طے بھی کر چکے ہو تو اسے میری طرف سے اب ختم تصور کرو اس لئے کہ مجھے اپنی بھتیجی پر تم سے زیادہ حق ہے۔

باقی باتیں ملاقات پر کروں گا۔ صحت چونکہ آج کل بہت خراب رہنے لگی ہے اس لئے سفر کرنے کے لئے دو ایک روز میں اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے تم کو آنے کا تار دوں گا۔ اس وقت تک کے لئے رخصت چاہتا ہوں۔

بھابی صاحبہ کو ایک بار پھر دست بستہ آداب۔

والسلام

تمہارا اپنا اور دیرینہ

اکبر علی

نصیرہ بیگم نے خط ختم کیا پھر اسے شوہر کو واپس لوٹاتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہیں یہ اکبر علی صاحب، آپ نے مجھ سے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"یاد نہ رہا ہو گا ورنہ اکبر میرا بہت پرانا اور بچپن کا دوست ہے۔ بی اے تک ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی تعلیم پائی تھی۔ اس کے بعد میں اپنی الجھنوں میں مصروف ہو گیا اور اکبر نقل مکانی کر کے کانپور چلے گئے۔ بعد میں کچھ عرصے تک خط و کتابت ہوتی رہی پھر یہ سلسلہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔"

"کرتے کیا ہیں آپ کے دوست۔"

"تعجب ہے کہ آپ پورا خط پڑھ کر بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکیں۔" عابد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "حیرت تو خیر مجھے بھی ہے کہ اتنے عرصے سے میں اکبر کے ساتھ کاروبار کرتا رہا لیکن اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ میرا پرانا ساتھی ہے۔"

"کسی کارخانے کا تذکرہ تو ہے خط میں۔"

"آپ کارخانے کی بات کر رہی ہیں۔" عابد حسین پہلو بدل کر بولے۔ "مجھے تو مینجر

www.pdfbooksfree.pk

سے پتہ چلا ہے کہ وہ کروڑوں میں کھیل رہا ہے۔ کئی کارخانے ہیں اس کے علاوہ امپورٹ ایکسپورٹ کا آفس بھی ہے۔"

"لڑکے کے بارے میں انہوں نے کوئی تفصیل نہیں لکھی کہ وہ الہ آباد میں کیا کر رہا ہے ورنہ اسے بھی دیکھ لیا جاتا۔"

"دیکھ لیں گے اسے بھی اتنی جلدی کیا ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ اکبر کا ایک ہی لڑکا ہے۔ سمیرا کے لئے میں کسی ایسے ہی رشتے کی تلاش میں تھا جہاں ساس نندوں کا جھگڑا نہ ہو۔ عیش کرے گی میری بیٹی۔"

"آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں جیسے رشتہ طے کر بیٹھے ہوں۔"

"تم اکبر سے ملو گی تو تمہیں بھی انکار کرنے کی ہمت نہ ہو گی۔ بڑی خوبیوں اور دلچسپ شخصیت کا مالک ہے۔" عابد حسین دوست کی خوبیاں گنوانے بیٹھ گئے پھر بولے۔ "اگر ہم لوگ انکار کریں گے تو اسے بے حد افسوس ہو گا۔ پھر یہ بھی بعید نہیں ہے کہ وہ سمیرا کو ہموار کر کے چپ چپاتے نکاح بھی پڑھوا دے اور بعد میں ہمیں اطلاع ہو۔"

"خدا نہ کرے جو میں ایسی شادی ہونے دوں۔"

"میں آپ کو اکبر کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا بیگم! بڑا ہی خوش مزاج اور زندہ دل کا مالک ہے۔"

"وہ تو خیر سب ٹھیک ہے لیکن جب تک میں لڑکا نہ دیکھ لوں اور اس کے بارے میں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کرتا ہے، کہاں تک پڑھا لکھا ہے اور اس کے طور طریقے کیسے ہیں کبھی بھی شادی کے لئے ہامی نہ بھروں گی۔"

"اصول کی بات بھی یہی ہے۔" عابد حسین بولے۔ "اکبر آئے گا تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ویسے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لڑکا کیا کرتا ہے تو یہ بات فضول سی ہے۔"

"کیوں، فضول سی کیوں ہے۔" نصیرہ بیگم نے تعجب سے پوچھا۔

"ارے بھئی ظاہر ہے کہ اکبر کا اکلوتا لڑکا ہے۔ باپ کی ساری جائداد کا تنہا وارث ہو گا۔ اسے کچھ کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

"یہ بھی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن وہ الہ آباد میں کیا کر رہا ہے۔" نصیرہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے تعلیم حاصل کر رہا ہو۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے جواب دیا اکبر صاحب کو۔"

"ابھی نہیں، کل لکھوں گا خط۔"

"ضرور لکھئے۔ میرا سلام بھی لکھ دیں اور ہاں یہ بات ضرور معلوم کر لیں کہ لڑکا یہاں کیا کر رہا ہے۔"

"اگر آپ کو لڑکے کے بارے میں معلومات کرنے کی اتنی ہی جلدی ہے تو ایک آسان طریقہ اور بھی ہے بشرطیکہ آپ آمادہ ہو جائیں۔"

"وہ کیا۔"

"آپ ٹرنک کال کر کے خود ہی اکبر سے بات کر لیں۔"

"اچھی ترکیب بتائی آپ نے۔" نصیرہ بیگم نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی بات ہوئی کہ جان نہ پہچان بڑے صاحب سلام۔"

"بظاہر کوئی حرج بھی نہیں ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اکبر کو اس طرح بے حد خوشی ہو گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو لیکن ابھی یہ مناسب نہیں ہے۔ جب وہ یہاں آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔"

"دیکھا جائے گا سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کیا آپ میرے دوست سے پردہ کریں گی۔"

"اور نہیں تو کیا ان کے سامنے آؤں گی۔" نصیرہ بیگم بولیں۔

"خیر یہ تو آپ کو جبھی معلوم ہو گا جب اکبر یہاں آ جائے گا۔" عابد حسین مسکرا دیئے۔

"دیکھئے، ایک بات میں آپ سے پہلے کہے دیتی ہوں کہ آپ زبردستی مجھے آمنے سامنے کے لئے مجبور نہیں کریں گے۔ مجھے عادت نہیں ہے غیروں کے سامنے آنے کی۔"

"اور اکبر زبردستی سامنے آ گیا تو آپ کیا کریں گی۔"

"اب ایسا بھی کیا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے چھیڑ رہے ہیں۔"

"چھیڑنے کی بات نہیں ہے بیگم! جب اکبر علی آئیں گے تو آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طبیعت کے مالک ہیں۔"

"خیر، جب کی جب دیکھی جائے گی لیکن ابھی اس بات کو اپنے ہی تک رکھئے گا۔ سمیرا کو علم نہ ہونے پائے ورنہ خواہ مخواہ اس کی تعلیم پر اثر پڑے گا۔"

www.pdfbooksfree.pk

"اور جو اکبر نے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کا اصرار کیا تو۔"

"لڑکا اگر ٹھیک ہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "میں تو خود بھی چاہتی ہوں کہ جتنی جلدی اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں اتنا ہی اچھا ہے۔"

"مجھے صرف اس بات کا خیال ہے کہ پہلے وہ بی اے کر لے بعد میں شادی بیاہ کے بکھیڑوں میں الجھے۔"

"بس رہنے دیجئے اپنی منطق۔ جب شادی کی عمر نکل جائے گی تب آپ کے کان پر جوں رینگے گی۔" نصیرہ بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اچھا بھئی جیسی آپ کی مرضی۔" عابد حسین نے کہا۔ "اب تو گھر بیٹھے بٹھائے ایک رشتہ مل رہا ہے آپ کو۔ ویسے میرا دل کہتا ہے کہ خدا نے آپ کی سن لی ہے۔ جو اچانک ایسے اسباب پیدا ہو گئے۔"

"کیوں .... کیا آپ کو کوئی فکر نہیں تھی سمیرا کی۔"

"تھی تو سہی لیکن ہمیشہ یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب سمیرا چلی جائے گی تو گھر سُونا سُونا لگے گا۔"

"وہ تو خیر ہے لیکن فرض کی ادائیگی بھی تو ضروری ہے۔"

"اگر سمیرا کے علاوہ خدا نے ایک لڑکا بھی دیا ہوتا تو بڑا اچھا ہوتا۔"

"اس کی مرضی میں ہمارا کیا عمل دخل۔" نصیرہ بیگم لمبی سانس لے کر بولیں۔

"پھر بھی دل چاہتا ہے کہ اب کم از کم ایک بچہ اور ہو۔ لڑکا نہ سہی لڑکی ہی سہی۔ گھر میں ذرا رونق تو رہے گی۔"

"رونق کی عمر اب نہیں رہی۔ بڑھاپے میں بھی آپ کو سنہرے سنہرے خواب نظر آ رہے ہیں۔" نصیرہ بیگم نے شرماتے ہوئے کہا پھر مسکراتے ہوئے اٹھ کر باہر آ گئیں۔

☆======☆======☆

امتحان کا نتیجہ آیا تو ندیم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اخبار خرید کر سب سے پہلے اس نے عاصمہ کا رول نمبر دیکھا اور جب اس نے عاصمہ کو تمام مضامین میں پاس پایا تو خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کی محنت اکارت نہیں ہوئی تھی۔ جلدی جلدی اٹھ کر اس نے کپڑے تبدیل کئے پھر بھاگا بھاگا عاصمہ کے گھر آ گیا۔ ساجدہ خاتون نے اسے صبح صبح دیکھا تو دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے ندیم بیٹے! اتنی صبح صبح کیسے آ گئے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"واپس چلا جاؤں۔" ندیم نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوش نظر آ رہے ہو' کیا بات ہے؟"

"پہلے یہ بتائیے کہ عاصمہ کہاں ہے؟" ندیم نے خوشی خوشی پوچھا۔

"سو رہی ہے لیکن تم نے اپنی خوشی کی وجہ نہیں بتائی۔"

"پہلے وعدہ کیجئے امی کہ آپ عاصمہ کے سامنے بالکل سنجیدہ رہیں گی۔" ندیم بے حد خوش تھا۔

"پتہ تو چلے آخر بات کیا ہے۔"

"عاصمہ کا نتیجہ آ گیا۔" ندیم نے جیب سے اخبار نکالتے ہوئے کہا۔ "مبارک ہو امی عاصمہ نے تمام مضامین میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو ندیم بیٹے!" ساجدہ خاتون گنگ سی ہو گئیں۔ انہیں ندیم کی بات پر جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"میں بھلا آپ سے مذاق کر سکتا ہوں۔" ندیم جلدی سے بولا پھر اخبار ساجدہ خاتون کے ہاتھ میں دے دیا۔

ساجدہ خاتون نے اپنی نظروں سے عاصمہ کا نتیجہ دیکھا تو خوشی سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ ندیم کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

"یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے ندیم بیٹے!"

"عاصمہ نے بھی کچھ کم محنت نہیں کی تھی۔" ندیم نے کہا پھر بولا۔ "امی جان! اب ذرا آپ کچھ دیر کے لئے سنجیدہ ہو جائیں تاکہ میں عاصمہ سے لطف لے سکوں۔"

ساجدہ خاتون مسکرا دیں پھر اچانک سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہارے نتیجہ کا کیا ہوا؟"

"جی............" ندیم کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ساجدہ خاتون کے کہنے پر اسے خیال آیا کہ وہ اپنا نتیجہ تو دیکھنا ہی بھول گیا تھا۔ مسکرا کر بولا۔ "امی جان! میں نے ابھی تک اپنا رول نمبر تلاش ہی نہیں کیا۔"

"کیوں مذاق کر رہے ہو بیٹا! بتاؤ نا کیا رہا تمہارا۔" ساجدہ خاتون کو ندیم کی بات کا یقین نہ آیا۔

"خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں امی جان! میں نے ابھی تک اپنا نتیجہ نہیں دیکھا۔ عاصمہ کے کامیاب ہونے کی خوشی میں یاد ہی نہیں رہا کہ میں نے بھی امتحان دیا ہے۔"

ساجدہ خاتون نے مسکراتی نظروں سے ندیم کو دیکھا پھر دوبارہ اخبار دیکھنے لگیں۔ ندیم نے بھی تمام مضامین میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ساجدہ خاتون کی آنکھیں ایک بار پھر نمناک ہو گئیں۔ یہ خوشی کے آنسو تھے جو ایک ماں کی پلکوں تک آ کر تھم گئے تھے۔ ضائع نہیں ہوئے تھے۔

"کیا میرا رول نمبر کہیں نظر نہیں آیا۔" ندیم نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

"خدا نہ کرے جو ایسا کبھی ہو۔" ساجدہ خاتون جلدی سے بولیں۔ "تم بھی پاس ہو گئے ہو۔ میں تمہیں اپنی دلی مبارکباد دیتی ہوں۔"

"سب آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے امی جان ورنہ میں............" ندیم اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ شاید اس لئے کہ اسے اپنی ماں کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔

ساجدہ خاتون نے اس کے دل کی کیفیت کو محسوس کیا تو جلدی سے کہا۔ "عاصمہ کو جگا کر بتاتی ہوں کہ میرا بیٹا کامیاب ہو گیا ہے۔"

"آپ اسے صرف جگا دیجئے لیکن یہ نہ بتائیے کہ ہمارے نتیجوں کا کیا رہا۔" ندیم دوبارہ ترنگ میں آ گیا۔

"کیوں؟"

"بس آپ اسے جگا دیجئے لیکن تھوڑی دیر تک سنجیدہ ہی رہیئے گا۔"

ساجدہ خاتون سمجھ رہی تھیں کہ ندیم عاصمہ کو چھیڑنے کا کوئی منصوبہ بنا رہا ہے۔ چنانچہ وہ مسکرا دیں پھر عاصمہ کے کمرے میں آ گئیں جو ابھی تک پڑی سو رہی تھی۔

ندیم بھی اندر آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ نیند میں ڈوبی ہوئی عاصمہ اسے اس وقت بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔ کیسی بے فکری سے سو رہی تھی۔ بکھرے بکھرے بال جیسے اس کے چہرے کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھے۔ کتنی معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔ ندیم کا دل چاہا وقت کی رفتار یوں ہی ساکت ہو کر رہ جائے اور وہ یوں ہی کھڑا عاصمہ کو تمام زندگی دیکھتا رہے۔

"عاصی............ اٹھو............ دیکھو کتنا دن چڑھ آیا ہے۔" ساجدہ خاتون نے اس کو بازو تھام کر ذرا سا ہلایا تو عاصمہ دوسری طرف کروٹ لے کر غنودگی میں بڑبڑائی۔

"سونے دیجئے امی! بڑی پیاری نیند آ رہی ہے۔"

"نو بج رہے ہیں اور کب تک سونے کا ارادہ ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بس .... آدھے گھنٹے اور۔" وہ آنکھ بند کئے کئے بولی۔

"دیکھو تو سہی اٹھ کر' میرا بیٹا آیا ہے۔"

"کیوں نیند خراب کر رہی ہیں امی!" عاصمہ بڑبڑائی۔

"رہنے دیجئے امی! میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اور عاصمہ نے ندیم کی آواز سنی تو ایک دم ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اب تک اس نے یہی سوچا تھا کہ شاید ماں اسے ندیم کا نام لے کر جگانا چاہتی ہے لیکن ندیم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ جلدی سے اٹھ گئی پھر دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"آج صبح ہی صبح کیسے آ گئے۔" اس نے ندیم کے چہرے پر چھائی ہوئی گہری سنجیدگی دیکھی تو پریشان لہجے میں پوچھا۔ "کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں .... پہلے آپ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لیں پھر بتاؤں گا۔" ندیم بدستور سنجیدگی سے بولا۔

ساجدہ خاتون کچھ سوچ کر جلدی سے کمرے سے نکل گئیں۔

"یہ آپ کا چہرہ اترا اترا سا کیوں لگ رہا ہے۔" ماں کے جانے کے بعد عاصمہ نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ دو مہینے کی چھٹی میں وہ ندیم سے خاصی بے تکلف ہو چکی تھی۔

"عاصی!" ندیم کی آواز بھرا گئی۔

"جی۔" عاصمہ گھبرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ندیم کو یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔

ندیم اسے خالی خالی نظروں سے تکتا رہا تو وہ اور بے چین ہو گئی۔ دھڑکتے ہوئے دل سے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"مجھے بتا دیجئے ندیم کہ آپ اداس کیوں ہیں؟" وہ مضطرب ہو گئی۔

"عاصی! ہمارے امتحان کا نتیجہ آ گیا ہے۔" ندیم نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔

"امتحان کا نتیجہ ...." عاصمہ کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"ہاں عاصی!"

"تو کیا خدا نخواستہ ...." وہ اس سے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی۔ میٹھی میٹھی نظروں سے ندیم کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو دیکھتی رہی۔ ندیم کے چہرے سے وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید ندیم فیل ہو گیا ہے لیکن دل اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہیں مبارکباد دینے آیا تھا عاصی!" ندیم نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔ "تم نے تمام مضامین کلیئر (CLEAR) کر لئے ہیں۔"

"اور آپ کا کیا ہوا۔" عاصمہ نے تیزی سے پوچھا۔

"میں ...." ندیم نے نظریں جھکا لیں تو وہ تڑپ اٹھی۔

"خدا کے لئے ندیم مجھے بتائیے کہ آپ کا کیا رہا۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"میں ایک مضمون میں رہ گیا۔" ندیم نے مردہ آواز میں کہا۔

"دل کیوں چھوٹا کرتے ہیں۔ اگلے سال اس مضمون کو بھی کلیئر کر لیجئے گا۔" عاصمہ نے بڑی معصومیت سے کہا پھر پوچھا۔ "کس مضمون میں رہ گئے ہیں آپ۔"

"معاشیات میں۔"

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ پرچہ اچھا ہوا ہے۔"

"اپنے خیال سے تو ٹھیک ہی سمجھ رہا تھا۔"

"ندیم!" عاصمہ نے ندیم کو اداس دیکھا تو پیار سے بولی۔ "خدا کی قسم مجھے سخت افسوس ہو رہا ہے آپ کا نتیجہ سن کر۔ کاش آپ کے بجائے میں ...."

"نہیں عاصی! خدا کے لئے ایسا مت کہو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "مجھے اپنے ایک مضمون میں رہ جانے کا کچھ زیادہ غم نہیں ہے۔ خوشی تو اس بات کی ہے کہ تم نے تمام مضامین میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔"

"سچی خوشی تو جب ہوتی جب ہم دونوں کامیاب ہوتے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ندیم نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے پاس ہونے کی خوشی منا کر اپنا غم بھول جاؤں گا۔"

"آپ نے امی جان کو تو نہیں بتایا۔"

"نہیں .... ابھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔"

"انہیں بتائیے گا بھی نہیں ورنہ انہیں بڑا دکھ ہو گا۔"

"اچھا۔" ندیم نے دھیمی آواز میں کہا پھر بولا۔ "تم منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو پھر ذرا بازار تک چلیں گے۔"

"کوئی خاص کام ہے۔"

"ہاں .... میں تمہارے لئے کوئی چھوٹا موٹا تحفہ خریدنا چاہتا ہوں لیکن تمہاری پسند سے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگلے سال دیکھا جائے گا۔" عاصمہ نے ٹالنا چاہا۔

ندیم کی ناکامی نے اسے اپنی کامیابی کی خوشی سے بھی بددل کر دیا تھا۔

"لیکن یہ میری خوشی ہو گی کہ آج ہی تمہیں کوئی تحفہ دوں۔"

"اچھا........... لیکن آج نہیں پھر کسی روز دیکھا جائے گا۔"

"عاصی!" ندیم نے اسے پیار سے آواز دی۔

"جی۔"

"کیا تم میری ایک چھوٹی سی خوشی کو بھی پورا نہیں کر سکتیں۔"

"لیکن..........."

"انکار نہ کرنا عاصی ورنہ مجھے صدمہ ہو گا۔"

عاصمہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ ندیم نے زیادہ اصرار کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی باہر چلی گئی۔ ندیم مسکراتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد عاصمہ غصہ میں بھری ہوئی اندر داخل ہوئی تو ندیم تاڑ گیا کہ ساجدہ خاتون نے بیٹی کو اداس دیکھ کر اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہو گا۔

"کیا بات ہے تم کچھ غصے میں نظر آ رہی ہو۔" ندیم نے بھولپن سے سوال کیا۔

"جائیے۔ میں نہیں بولتی آپ سے۔" عاصمہ پیار بھری خفگی سے بولی۔ "کیا لطف آیا آپ کو مجھے پریشان کر کے اور امی جان بھی آپ کے ساتھ مل گئی تھیں۔ وہ تو اگر میں ناشتے سے انکار نہ کرتی تو شاید وہ بھی مجھے کچھ نہ بتاتیں۔"

ندیم نے عاصمہ کو بغور دیکھا پھر بے اختیار ہنس پڑا۔

"بڑے اچھے لگ رہے ہیں مجھے پریشان کر کے ہنستے ہوئے۔" عاصمہ نے روٹھے لہجہ میں کہا۔

"عاصی!" ندیم یکلخت ہنسی روک کر بولا۔ "میں دیکھنا چاہتا تھا کہ مجھے اداس دیکھ کر تمہارے دل پر کیا گزرتی ہے۔"

"اور جو میرا اتنا سارا خون جلا کر رکھ دیا۔" عاصمہ شوخ ہو گئی۔

"غلط کہہ رہی ہو۔" ندیم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "امی سے میری کامیابی کی خبر سن کر تمہارا خون جتنا جلا تھا اس سے کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہو گا۔"

عاصمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور ندیم کو گھورتی رہی۔

"تم نے کپڑے تبدیل نہیں کئے ابھی تک۔"

www.pdfbooksfree.pk

"پہلے تو میں آپ کی اداسی کے خیال سے آمادہ ہو گئی تھی لیکن اب تو ہرگز نہ جاؤں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں میری خوشی سے زیادہ میری اداسی پسند ہے۔"

"باتیں بنانا اب خوب آ گئی ہیں آپ کو۔" عاصمہ ندیم کی منطق پر مسکرا دی۔

"چلو........... اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں امی جان سے تمہیں ساتھ لے جانے کی اجازت مانگ کر ابھی آیا۔" ندیم اٹھتے ہوئے بولا۔

"اور اگر امی نے انکار کر دیا تو۔"

"ناممکن۔" ندیم نے بڑے یقین سے کہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

عاصمہ خوشی خوشی لباس تبدیل کرنے لگی۔

ندیم نے ساجدہ خاتون کو بڑی آسانی سے راضی کر لیا تھا چنانچہ عاصمہ کو لے کر وہ باہر نکلا تو پھر ٹیکسی لے کر بڑے بازار میں آ گیا۔ ساجدہ خاتون کے سامنے اس نے دیدہ دانستہ تحفے کا نام نہیں لیا تھا۔

"میں ایک بار پھر عرض کروں گی کہ آپ تحفہ وغیرہ رہنے دیں۔" عاصمہ نے راستے میں کہا۔ "مفت میں پیسے ضائع کرنے سے فائدہ۔"

"مطمئن رہو........... کوڑی کوڑی وصول کر لوں گا وقت آنے پر۔"

اور ندیم کا جواب سن کر وہ شرم سے ایکدم ہی سرخ ہو گئی۔ مسکراتی نظروں سے نظر بھر کر ندیم کو دیکھا پھر شرما کر چہرہ دوسری طرف گھما لیا۔

ندیم نے ٹیکسی ایک جگہ رکوائی جہاں سڑک کے دونوں اطراف بڑی بڑی دکانیں تھیں۔ نیچے اتر کر اس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا پھر عاصمہ کو ساتھ لئے زیورات کی دکان میں داخل ہونے لگا تو عاصمہ سیڑھیوں پر ہی رک گئی۔

"کیوں........... رک کیوں گئیں۔" ندیم نے پیار سے پوچھا۔

"آپ شاید غلط دکان میں داخل ہو رہے ہیں۔" عاصمہ دبی زبان میں بولی۔

"آج دل چاہ رہا ہے غلطیاں کرنے کو۔" ندیم مسکرا دیا پھر عاصمہ کو لئے دکان میں داخل ہو گیا۔

عاصمہ ابھی تک یہ بات نہیں سمجھ سکی تھی کہ آخر ندیم اسے زیورات کی دکان میں کیوں لے آیا ہے جبکہ اس کے خیال کے مطابق ندیم کی مالی حالت کچھ زیادہ مستحکم نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی لیکن وہ یہ سوچ کر چپ رہی کہ کہیں کچھ مزید کہنے سے ندیم کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔

ندیم شوکیس پر جھکا تیار زیورات کو دیکھتا رہا پھر اس نے ملازم سے ایک بڑی خوبصورت انگوٹھی نکالنے کو کہا جس کے اندر ایک سرخ رنگ کا بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔

دکان کے ملازم نے انگوٹھی باہر نکالی تو ندیم نے عاصمہ سے پوچھا۔

"پسند ہے تمہیں۔"

"اتنا قیمتی تحفہ کیوں لے رہے ہیں۔" وہ مدھم آواز میں بولی تاکہ ملازم نہ سن سکے۔

"میں نے صرف تمہاری پسند دریافت کی تھی۔"

"لیکن آپ.........."

"صرف پسند۔" ندیم نے اس کا جملہ مکمل نہ ہونے دیا۔

عاصمہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ندیم اس انگوٹھی کو کہاں سے خریدے گا۔

"انگوٹھی کے بارے میں تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" ندیم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو اگر پسند ہے تو پھر مجھے بھی پسند ہے۔" وہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔

"شکریہ!" ندیم شوخی سے مسکرایا پھر دکان کے ملازم سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیا قیمت ہے اس کی۔"

"دو سو تیس روپے جناب۔"

"ٹھیک ہے .... پیک کر دو۔"

اور عاصمہ کا ذہن ایک بار پھر الجھ کر رہ گیا۔ ندیم نے جس انداز اور جس لہجے میں "پیک کر دو" کہا تھا اس سے یہی ظاہر ہوا تھا کہ اس کی نظر میں جیسے دو سو تیس روپے کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ وہ سوچنے لگی۔ کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی ہے۔

دکان سے باہر آ کر بھی وہ گم صم سی نظر آ رہی تھی۔ ندیم اس کی کیفیت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ جان بوجھ کر اس نے عاصمہ سے کوئی خاص گفتگو نہیں کی تھی۔ واپسی کے لئے ٹیکسی کرنے سے پہلے اس نے مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی خرید لیا اور تھوڑے سے پھل بھی لے لئے۔

عاصمہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتی رہی لیکن واپسی کے لئے ٹیکسی میں بیٹھی تو چپ

نہ رہ سکی۔

"اتنی ساری رقم کہاں سے اڑا لائے آپ۔" اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ مبادا ندیم اس کی بات کا برا نہ مان جائے۔

"بہت دنوں سے جمع کر رہا تھا کہ تمہارے پاس ہونے پر شاندار تحفہ دے سکوں۔"

ندیم نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑا مہنگا تحفہ خرید لیا آپ نے۔"

"تم سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔" ندیم نے بیباکی سے جواب دیا۔

عاصمہ نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

"اجازت ہو تو انگوٹھی تمہاری انگلی میں پہنا دوں۔" ندیم نے جھلملاتی انگوٹھی سنہری ڈبیہ سے نکالتے ہوئے کہا۔

"دل تو نہیں دکھے گا آپ کا۔" عاصمہ نے شوخی سے جواب دیا۔

"اپنے دل سے پوچھ کر دیکھو کیا جواب دیتا ہے۔" ندیم نے کچھ اتنی بیباکی سے کہا کہ عاصمہ ایک دم ہی لجا کر رہ گئی۔

ندیم نے اس کا ہاتھ تھام کر جھلملاتی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنائی تو وہ جیسے چھوئی موئی کے معصوم پودے کی طرح اپنے وجود میں سمٹ کر رہ گئی۔ دل تھا کہ نہ جانے کیوں دھڑکے جا رہا تھا۔ ندیم سے نگاہیں ملاتے اسے جانے کیوں شرم سی آ رہی تھی اور ندیم اس کی اس کیفیت کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے میں محو تھا۔

کچھ لمحات یونہی گزر گئے پھر عاصمہ دبی زبان میں بولی۔

"خوب دل بھر کر شرمندہ کیا ہے آج آپ نے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ نے تو میری کامیابی پر اتنا سارا خرچ کر ڈالا۔ ایک قیمتی تحفہ بھی دے ڈالا لیکن میں.........." اور عاصمہ یہ کہتے کہتے اداس ہو گئی۔ اچانک اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا تو ساری خوشی جیسے کافور ہو کر رہ گئی۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں عاصمہ کہ اپنا تحفہ تم سے مانگ لوں۔" ندیم نے اسے والہانہ نگاہوں سے تکتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"پھر کس سے لیں گے تحفہ۔" عاصمہ چپ نہ رہ سکی۔

"آپ کی امی جان سے۔" ندیم گنگنا اٹھا۔

www.pdfbooksfree.pk

"امی جان کے پاس کیا دھرا ہے آپ کو دینے کے لئے۔" عاصمہ نظریں جھکا کر بولی۔

"یہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔" ندیم نے سرگوشی کی۔

عاصمہ نے چونک کر ندیم کو دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں محبت کی ایک دنیا آباد پائی تو جلدی سے مسکرا کر گردن جھکا لی اور پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے اس کے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہو۔

☆======☆======☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسری صبح ندیم سو کر اٹھا تو اس کی طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔ تمام رات وہ عاصمہ کو تصور میں بسائے مستقبل کے حسین خواب دیکھتا رہا تھا۔ عاصمہ کی گھبراہٹ اور پریشانی اسے رہ رہ کر یاد آ رہی تھی پھر انگوٹھی پہنتے وقت اس کے شرمانے کا انداز تو جیسے ندیم کے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا۔

ساجدہ خاتون کی باتیں بھی اس کے کانوں میں اب تک گونج رہی تھیں۔ عاصمہ کا تو شرم کے مارے برا حال تھا۔ وہ کسی طور انگوٹھی پہنے پہنے ماں کے سامنے جانے پر آمادہ نہ تھی۔ ندیم نے خود ہی ساجدہ خاتون کو بڑی صاف گوئی اور بھولپن سے بتا دیا تھا کہ اس نے عاصمہ کو کیا تحفہ دیا ہے اور جب ساجدہ خاتون نے بیٹی کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی تو وہ خود بھی ایک لمحے کے لئے الجھ سی گئی تھیں۔

"تم نے بہت مہنگا تحفہ دیا ہے ندیم بیٹا!" وہ کچھ سوچ کر بولیں۔ "خوشی کا اظہار تو دو چار پیسوں کی چیز دے کر بھی کیا جا سکتا تھا۔ مفت میں زیر بار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"زیر باری کی کیا بات ہے امی جان! میں نے تو اپنی خوشی سے یہ تحفہ خریدا ہے۔ عاصمہ تو برابر انکار کر رہی تھیں۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن.........."

"لیکن کیا؟" ندیم نے ساجدہ خاتون کو خاموش پا کر پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اب تمہیں کیا تحفہ دوں۔" ساجدہ خاتون کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"آپ تو مجھے تحفہ دے بھی چکی ہیں۔" ندیم مسکرایا۔

"کیا؟"

"ایک ماں کی ممتا۔" ندیم بڑی اپنائیت سے بولا پھر آگے بڑھ کر وہ ساجدہ خاتون کے پاس بیٹھ گیا۔

"یہ تمہاری سعادتمندی ہے بیٹا جو مجھے اس قابل سمجھتے ہو۔ ورنہ اب تو اپنوں نے

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی نگاہیں پھیر کر کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔"

"حالات کبھی یکساں نہیں رہا کرتے امی۔" ندیم بولا۔ "اور پھر آپ کو غم کس بات کا ہے۔ آخر میں بھی تو آپ ہی کا بیٹا ہوں۔"

"خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔" ساجدہ خاتون نے فرط مسرت سے مغلوب ہو کر ندیم کو پہلی بار اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا تو ندیم کو بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔

ممتا کا پیار بھی کتنی خوش کن چیز ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لئے تو وہ یکسر بھول گیا تھا کہ اس کی ماں مر چکی ہے۔

سارا دن وہ ساجدہ خاتون اور عاصمہ کے ساتھ رہا۔ اس نے دل بھر کر اپنی اور عاصمہ کی کامیابی کی خوشی منائی۔ عاصمہ تو جیسے خوشی سے کِھلی جا رہی تھی۔ انگلی میں چمکتی دمکتی انگوٹھی کو بار بار وہ کنکھیوں سے دیکھتی اور پھر آپ ہی آپ شرما سی جاتی۔

ساجدہ خاتون اپنی جگہ خوش تھیں۔ وہ ندیم کو کوئی تحفہ تو نہ دے سکیں اس لئے کہ ان کے پاس سوائے دعاؤں کے اور تھا ہی کیا لیکن تمام دن وہ ندیم اور عاصمہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہیں۔ آج انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو جیسے انہیں اپنی پریشانیوں کا کوئی حل نظر آ گیا تھا۔

روزِ اوّل ہی سے وہ محسوس کر رہی تھیں کہ عاصمہ اور ندیم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ انہیں ندیم کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں معلوم تھا کہ وہ عاصمہ کا کلاس فیلو ہے۔ عاصمہ نے صرف اتنا ہی تو بتایا تھا کہ وہ بہت ذہین اور کم سخن ہے اور کبھی اسے پڑھا دیا کرتا ہے لیکن جب سے ندیم نے ان کے ہاں باقاعدگی سے آنا جانا اور عاصمہ کو پڑھانا شروع کیا تھا وہ محسوس کر رہی تھیں کہ دونوں آئے دن ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں لیکن انہوں نے کبھی عاصمہ یا ندیم کو ٹوکا نہیں تھا۔

ساجدہ خاتون نے رفتار زمانہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز کا مطالعہ کر چکی تھیں۔ اس لئے انہوں نے پہلی ہی نظر میں ندیم کو پرکھ لیا تھا کہ وہ عام لڑکوں سے مختلف ہے۔ اس کی بول چال کا انداز' اس کے رکھ رکھاؤ کا طریقہ' اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ سب ہی اس کی شرافت کا ثبوت تھے۔ پھر وہ ساجدہ خاتون کو بھی تو ماں سمجھ کر ان کی عزت کرتا تھا۔

وقت جوں جوں گزرتا گیا ساجدہ خاتون کی فکریں بھی بڑھتی گئیں۔ ہرچند کہ انہوں نے آج تک کبھی عاصمہ اور ندیم کے میل جول پر کسی قسم کی پابندی یا روک ٹوک نہیں

www.pdfbooksfree.pk

کی تھی لیکن کبھی کبھی ان کا دل چاہتا کہ وہ عاصمہ کے سلسلے میں ندیم سے کھل کر بات کر لیں۔ ندیم انہیں عاصمہ کے لئے نہ جانے کیوں دنیا میں سب سے زیادہ موزوں ترین لڑکا نظر آیا تھا۔ ان کے دکھے دل نے بارہا اس بات کی گواہی دی تھی کہ قدرت نے ندیم کو ان کے اور عاصمہ کے لئے فرشتہ رحمت بنا کر بھیجا ہے اور وہ رحمت کے اس فرشتہ کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ نہ جانے کتنی بار وہ خواب میں ندیم اور عاصمہ کو عروسی جوڑوں میں ملبوس پھولوں کی سیج پر بیٹھا ہنستا بولتا دیکھ چکی تھیں۔ ان کی آرزو تھی کہ یہ خواب جتنی جلد پورے ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔ عاصمہ کی شادی کی فکر انہیں ہر وقت اداس کئے رہتی لیکن ندیم کے آ جانے سے جیسے یہ فکر خود بخود ختم ہو گئی تھی۔

عاصمہ اور ندیم کی کامیابی کی اطلاع پا کر وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھیں پھر جب ندیم نے پہلی بار عاصمہ کو اپنے ساتھ باہر لے جانے کی درخواست کی تو وہ اس درخواست کو کسی طرح بھی رد نہ کر سکیں۔ خوشی خوشی اجازت دے دی اور جب ندیم اور عاصمہ چلے گئے تو انہوں نے وضو کر کے سب سے پہلے دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کی پھر خدا کے سامنے سر بسجود ہو کر بڑی دیر تک اپنے خوابوں کی تکمیل کی دعائیں مانگتی رہیں۔ واپسی پر جب ندیم نے انہیں تحفے کے لئے بتایا اور ساجدہ خاتون نے بیٹی کی انگلی میں سرخ نگینے کی انگوٹھی چمکتے دیکھی تو انہیں یوں لگا تھا جیسے خدا نے ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش دیا تھا۔ وہ ندیم کے اس تحفہ کو ایک نیک شگون سمجھ کر دل ہی دل میں خوشی سے جھوم اٹھی تھیں۔

ندیم پورے دن ساجدہ خاتون اور عاصمہ کے ساتھ رہا۔ چراغ جلے بعد واپسی کے ارادے سے اٹھا تو عاصمہ نے شرارت سے کہا۔

"آپ چلے جائیں گے تو میں یہ انگوٹھی اتار کر رکھ دوں گی۔"

"کیوں' کیا تم نے اوپری دل سے اس کی تعریف کی تھی؟"

"اگر یہ مجھے پسند نہ ہوتی تو امی کے سامنے اسے ہاتھ میں نہ ڈالے رہتی۔" عاصمہ نے گنگناتی آواز میں کہا۔

"پھر اسے اتارنے کو کیوں کہہ رہی تھیں۔"

"خفا مت ہوئیے۔ جب آپ یہاں موجود ہوں گے یہ میرے ہاتھ میں ہی رہے گی۔"

"کہو تو رک جاؤں ہمیشہ کے لئے تاکہ یہ انگوٹھی تمہاری انگلی سے ایک لمحے کے لئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی جدا نہ ہونے پائے۔" ندیم نے بڑی شوخ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"پھر کیا تم مجھے بھگانا چاہ رہی ہو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"خدا نہ کرے۔" وہ روانی میں کہہ گئی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کا اپنا ہی گھر ہے جب چاہے آ جا سکتے ہیں۔"

"اور اگر یہاں سے جانے کو دل نہ چاہے تو۔"

"تو امی سے جا کر پوچھ لیجئے۔" عاصمہ نے بڑی معصومیت سے ندیم کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ امی آپ کو یہاں رہنے کے لئے منع نہیں کریں گی۔"

"لیکن کب تک؟"

"جب تک آپ کا دل چاہے بڑے شوق سے رہیے۔" عاصمہ بھولپن سے بولی۔

"ابھی نہیں۔ وقت آنے دو پھر میں امی سے بات بھی کر لوں گا۔"

"یہی جملہ آپ نے راستے میں بھی کہا تھا لیکن میں سمجھ نہیں سکی تھی۔"

"سمجھ نہ پائی تھیں یا جان بوجھ کر نظرانداز کرنا چاہتی ہو۔"

"پہلے میں نے کوئی بات نظرانداز کی ہے کہ آپ کی جو اب کروں گی۔" عاصمہ نے جیسے سب کچھ کہہ دیا۔

"شکریہ۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "عاصی! ایک وعدہ کرو گی۔"

"کیا؟" عاصمہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"پہلے وعدہ کرو پھر کہوں گا۔"

"اچھا .... وعدہ۔"

"تم اس انگوٹھی کو کبھی اپنی انگلی سے جدا نہ کرو گی۔" ندیم نے دبی زبان میں سرگوشی کی۔

"اگر آپ کا حکم ہے تو ایسا ہی ہو گا۔" عاصمہ کی لرزیدہ پلکیں آپ ہی آپ جھکتی چلی گئیں۔

"حکم نہیں عاصی! یہ میری ادنیٰ سی درخواست ہے۔"

پھر وہ عاصمہ سے رخصت ہو کر ہوسٹل چلا آیا۔ بستر پر سونے کے لئے لیٹا تو عاصمہ کا تصور اس کے ذہن کے پردوں پر ابھر آیا۔ وہ بڑی دیر تک عاصمہ کے رنگین تصور سے باتیں کرتا رہا پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور جب وہ سو کر اٹھا تو اس کی طبیعت پر

www.pdfbooksfree.pk

ایک خوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔

روزمرہ کے کاموں سے فراغت پا کر اس نے ناشتہ کیا پھر وقت گزاری کے لئے ایک ادبی رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا اسے ڈاکیہ کا انتظار تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ آج اسے باپ کا محبت بھرا خط یا تار ضرور ملے گا۔ اس کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ پہلے اسے باپ کی طرف سے مبارکباد کا ایک مختصر سا تار موصول ہوا تھا پھر دوپہر کی ڈاک سے ایک خط بھی موصول ہوا۔

ندیم نے بند لفافے کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ اس کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا تھا جب بھی وہ باپ کا کوئی خط پاتا اسے کھولنے سے پہلے بڑی عقیدت سے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتا۔ جانے کیوں ایسا کرتے وقت اسے بڑی روحانی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

آج بھی اس نے پہلے لفافے کو چوم کر آنکھوں سے لگایا پھر اسے کھول کر خط نکالا اور بستر پر نیم دراز ہو کر اس کو پڑھنے لگا۔ اس کے باپ نے لکھا تھا۔

ندیم بیٹے خوش رہو!

امید ہے کہ تم ساتھ خیریت سے ہو گے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ ڈاکٹر نے مجھے سفر کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ میں اب کی سنیچر کو یہاں سے الہ آباد کے لئے روانہ ہو رہا ہوں لیکن اس بار میرا قیام الہ آباد میں اپنے ایک دیرینہ دوست کی رہائش گاہ پر ہو گا جن کا پتہ مجھے حال ہی میں چلا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے آنے سے پہلے ایک بار ان سے مل لو اور انہیں بتا بھی دو کہ میں اتوار کی شام کو ان کا مہمان بننے کی غرض سے پہنچ رہا ہوں۔

ہو سکتا ہے کہ عابد (یہ میرے دوست کا نام ہے) اس بات کا اصرار کریں کہ تم ہوسٹل سے ان کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔ اس سلسلے میں تمہارا جواب تمہاری ذات پر منحصر ہے لیکن میں اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ عابد میرے سب سے پرانے اور بہت جگری دوست ہیں۔ تم اگر وہاں چلے بھی گئے تو تم کو کبھی کسی قسم کی غیریت کا احساس نہ ہو گا بلکہ عابد اور ان کے گھر والے تم کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

میں تم کو اپنے دوست کا پتہ بھی لکھ رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ شاید تم ان کے پتہ سے واقف بھی ہو گے۔ گزشتہ دنوں عابد کا مینجر کام کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سلسلہ میں آیا تو اس کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ عابد کی اکلوتی لڑکی سمیرا بھی اسی کالج میں پڑھتی ہے جہاں تم تعلیم حاصل کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ سمیرا تم کو اپنے مکان پر دیکھ کر ضرور چونکے گی۔

بہرحال تم اس خط کو لے کر آج ہی کسی وقت عابد سے ضرور بہ ضرور مل لینا تاکہ اسے میری آمد کا علم ہو جائے۔ اپنی صحت کا ہر طرح خیال رکھنا۔ باقی باتیں وہیں آ کر کروں گا۔

فقط دعاگو تمہارا والد اکبر علی

ندیم نے خط پڑھا تو مسکرا دیا۔ اسے باپ کے خط سے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ خوشی اس لئے ہوئی کہ وہ الہ آباد آ رہے تھے اور افسوس اس لئے ہوا کہ وہ سمیرا کے باپ کے پرانے دوست تھے۔ ان کے الہ آباد آنے کے بعد ظاہر تھا کہ ندیم کی شخصیت بھی ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی جبکہ ندیم کی اپنی خواہش تھی کہ جب تک وہ بی اے نہ کر لے کوئی بھی اس کے متعلق یہ بات نہ جان سکے کہ وہ ایک کروڑ پتی باپ کا اکلوتا لڑکا ہے۔ اسی غرض سے اس نے خود کو ہمیشہ بہت لئے دیئے اور الگ تھلگ رکھا تھا تاکہ کوئی اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کی تعلیم کے دوران رخنہ اندازی نہ کر سکے لیکن اب ان باتوں کا بے نقاب ہو جانا یقینی بات تھی۔

باپ کا خط پڑھ کر وہ اس لئے مسکرا دیا تھا کہ جب سمیرا اسے اپنے دروازے پر دیکھے گی تو شاید یہی سمجھے گی کہ وہ اس کی پیشکش قبول کرنے کی غرض سے وہاں آیا ہے لیکن جب اسے حالات کا علم ہو گا اس وقت اس کی کیا کیفیت ہو گی۔ کیا وہ اپنے سابقہ رویہ پر کسی ندامت کا اظہار کرے گی۔ یا اسے اپنا ہم پلہ دیکھ کر خوشی کا اظہار کرے گی یا پھر اس احساس سے تلملا کر رہ جائے گی کہ جسے وہ اب تک حقیر سمجھتی رہی ہے وہ اچانک اس کی برابری کا دعویدار کیسے بن گیا۔

ندیم خاصی دیر تک سمیرا کے آئندہ رویہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر اس نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور عاصمہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عابد حسین سے ملنے کے لئے اس نے شام کا وقت زیادہ مناسب خیال کیا تھا۔

☆======☆======☆

شام کے سائے پھیل کر طویل ہوتے جا رہے تھے۔

موسم بڑا ہی خوشگوار ہو رہا تھا نیلے آسمان پر کہیں کہیں بادل کی ٹکڑیاں تیرتی ہوئی

بڑی حسین لگ رہی تھیں۔ سورج کی آخری کرنوں نے آسمان پر بڑا خوشگوار رنگ بھر دیا تھا اور وسیع آسمان پر سفید سفید بگلے جلدی جلدی پر مارتے ہوئے قطار اندر قطار اپنے بسیروں کی طرف پرواز کرتے نظر آ رہے تھے۔

سمیرا اپنے بنگلے کے وسیع لان پر بیٹھی ماہ منیر سے گفتگو میں مشغول تھی۔ حد بندی کی دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے پودوں کی نرم و نازک ٹہنیوں پر جھومتے پھولوں کی خوشبو نے پورے ماحول کو مہکا دیا تھا۔ عطر بیز ہواؤں کے دل خوش کن جھونکے بڑے ہی روح افزا محسوس ہو رہے تھے۔

سمیرا اور ماہ منیر کے درمیان گول میز پر چائے کے برتن بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ پیازی رنگ کی پیالیوں پر اودے پھول کے باریک کنارے بڑے اچھے لگ رہے تھے۔ چائے دانی پر اونی ٹکوزی موجود تھی جس پر کشیدہ کاری سے کھجور کے جھنڈ کی منظر کشی نظر آ رہی تھی۔

"بڑا ہی رومانٹک موسم ہے۔" ماہ منیر بولی۔ "کیوں نہ کہیں گھومنے چلا جائے۔"

"نا بابا! امی جان اجازت نہیں دیں گی۔"

"کیوں' کیا آج کل تمہارے گھومنے پھرنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" سمیرا جلدی سے بولی۔ "امی کا جی اچھا نہیں رہتا آج کل اس لئے کہیں جانے کے لئے میں خود ہی ان سے نہیں کہتی۔"

"سنا ہے روزی کی شادی ہونے والی ہے۔" ماہ منیر نے موضوع بدل کر کہا۔

"سنا تو میں نے بھی ہے لیکن روزی ابھی تک چھپا رہی ہے۔ میں نے پوچھا تو وہ ہنس کر ٹال گئی۔"

"بڑی حرفوں کی بنی ہوئی ہے۔" ماہ منیر بولی۔ "کل نیر بھی گئی تھی۔ کافی دیر باتیں ہوتی رہیں لیکن کیا مجال جو اس نے کوئی ہوا بھی لگنے دی ہو۔"

"کب تک چھپائے گی۔ کبھی نہ کبھی تو سب ہی کو معلوم ہو جائے گا۔"

سمیرا نے چائے بنائی اور دونوں سہیلیاں بڑی دیر تک ہنس ہنس کر چائے پیتی رہیں اور آپس میں زمانے بھر کی باتیں کرتی رہیں پھر ماہ منیر جانے کے لئے اٹھ گئی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ کچھ دیر تو اور بیٹھو۔" سمیرا نے کہا۔ "اتنے دنوں بعد تو آج صورت نظر آئی ہے تمہاری۔"

"پھر آ جاؤں گی کسی وقت۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آج رک جاؤ گی کچھ دیر کے لئے تو کیا ہو جائے گا۔"

"امی نے کہا تھا کہ سرِ شام سے آ جانا۔ دیر ہوئی تو آئندہ کے لئے ذرا مشکل ہی سے اجازت ملے گی۔"

"کالج کب تک کھل رہے ہیں۔ گھر میں بند بیٹھے بیٹھے تو اب جی گھبرانے لگا ہے۔" سمیرا نے پوچھا۔

"بس دو چار روز کی بات اور ہے' داخلے تو شروع ہو چکے ہیں۔"

"تم گئی تھیں کالج۔"

"آج کچھ دیر کے لئے گئی تھی لیکن ابھی تو صرف نئے نئے پکھیرو نظر آ رہے ہیں۔"

ماہ منیر چلی گئی تو سمیرا دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر اخبار سے دل بہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد نصیرہ بیگم بھی بیٹی کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ سمیرا نے ماں کو چائے بنا کر دی تو نصیرہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

"اب تو میری بیٹی سچ مچ بڑی سعادت مند ہوتی جا رہی ہے۔"

"پہلے نہیں تھی کیا۔" سمیرا نے روٹھے انداز میں کہا۔

"اب کی بات اور ہے۔"

"ابو اندر کیا کر رہے ہیں۔" سمیرا نے پوچھا۔

"دفتر کا کوئی ضروری فائل دیکھنے میں مصروف ہیں۔ کیوں؟"

"اتنی خوشگوار شام میں کمرے میں بیٹھنا ظلم ہے امی!" سمیرا اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں جا کر ابو کو بھی یہیں لئے آتی ہوں۔"

سمیرا جا کر باپ کو بھی ساتھ لے آئی۔ نصیرہ بیگم نے شوہر کو دیکھا تو مسکرا کر بولیں۔

"میں نے باہر آنے کو کہا تھا تو آپ کام کا بہانہ کر کے ٹال گئے تھے۔"

"بیٹی کی بات مجھے زیادہ عزیز ہے اس لئے انکار کی گنجائش نہیں تھی۔"

نصیرہ بیگم ہنس کر خاموش ہو گئیں۔ سمیرا نے جلدی سے باپ کو چائے بنا کر دی پھر بڑے لاڈ سے بولی۔

"ہر وقت آپ کام کریں گے تو صحت پر برا اثر پڑے گا۔ کبھی تھوڑی بہت تفریح بھی کر لیا کیجئے۔"

"سوچتا ہوں لیکن موقع نہیں ملتا۔" عابد حسین نے کنکھیوں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا تو نصیرہ بیگم بری طرح شرما گئیں۔ جلدی سے اپنی توجہ دوسری طرف کر لی۔

"موقع کیوں نہیں ملتا۔" سمیرا نے کہا۔ "اتنے سارے ملازم جو ہیں۔ آپ خود کیوں ہر وقت کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔"

"ضروری کاغذات کی دیکھ بھال تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"ایسا بھی کیا کہ انسان شام کو تھوڑی دیر گھوم پھر نہ سکے۔"

"اب میری بیٹی نے کہا ہے تو کل سے وقت نکالا کروں گا۔" عابد حسین نے بیٹی کا لاڈ کرتے ہوئے کہا پھر موضوع بدل کر پوچھا۔ "تمہارے کالج کب سے کھل رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ دو چار روز اور لگیں گے۔ ابھی تو داخلوں کا ہجوم ہو گا۔"

"بی اے کرنے کے بعد کیا ارادہ ہے تمہارا؟" عابد حسین نے پوچھا۔

"ابھی کچھ طے نہیں کیا۔" سمیرا مسکرا کر بولی۔ "ویسے خیال ہے کہ انگلش میں ایم اے کرنے کے بعد کسی کالج میں ملازمت کروں گی۔"

"بڑا اچھا خیال ہے۔"

"ملازمت کی کیا ضرورت ہے تمہیں۔" نصیرہ بیگم بولیں۔ "جہاں تک تعلیم حاصل کرنے کا سوال ہے تو یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن لڑکیوں کا ملازمت کرنا مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔"

"تعجب ہے کہ آپ اسے اچھا خیال نہیں کرتیں حالانکہ آج کل ہزاروں لڑکیاں ملازمت کے میدان میں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی نظر آتی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان لڑکیوں کے حالات نے انہیں ملازمت کے لئے مجبور کر دیا ہو لیکن تمہیں تو خدا نخواستہ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے جو ملازمت کرو۔"

"امی جان! آپ تو کبھی کبھی عجیب باتیں کرنے لگتی ہیں۔" سمیرا بولی۔ "ملازمت کرنا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونا کوئی معیوب بات تو نہیں ہے۔"

"میں بیکار بحث میں اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتی لیکن یہ بات طے ہے کہ تم ملازمت نہیں کرو گی۔ ایم اے کرنا چاہتی ہو تو شوق سے کر ڈالو۔" نصیرہ بیگم فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

بڑی دیر تک ماں بیٹی میں بحث ہوتی رہی۔ عابد حسین خاموش بیٹھے مسکراتے رہے۔ نہ انہوں نے بیٹی کی حمایت کی' نہ ہی بیوی کی طرف سے کچھ کہا۔ نصیرہ بیگم اس بات پر جمی ہوئی تھیں کہ لڑکیوں کا ملازمت کرنا اچھا نہیں ہے اور سمیرا انہیں اس بات پر قائل کرنا چاہ رہی تھی کہ انسان کو زمانے کے ساتھ چلنا چاہئے۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بحث کرتے کرتے سمیرا کی نظر ایک بار پھاٹک کی طرف اٹھی تو وہ چونک پڑی۔ ندیم کو اپنے دروازے پر دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔

"کون ہے یہ لڑکا۔" عابد حسین نے بھی ندیم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ندیم اکبر۔" سمیرا مسکرا کر بولی۔ "ہمارے کالج کا سب سے ہونہار طالب علم ہے۔ میرا کلاس فیلو بھی ہے۔"

عابد حسین اکبر کا نام سن کر چونکے تھے۔ معاً انہیں خیال گزرا کہ کہیں یہ ان کے پرانے دوست اکبر علی کا لڑکا نہ ہو چنانچہ وہ دلچسپی سے پھاٹک پر کھڑے ندیم کو دیکھنے لگے جو سادہ سے لباس میں بھی بڑا سنجیدہ اور بردبار نظر آ رہا تھا۔

"یہ یہاں کس لئے آیا ہے۔" نصیرہ بیگم نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"دریافت کرتی ہوں جا کر۔" سمیرا نے کہا پھر تیزی سے اٹھ کر پھاٹک کی طرف چلی گئی۔

"مجھے سمیرا کی یہ باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔" نصیرہ بیگم نے شوہر سے کہا۔ "پہلے تو صرف سہیلیوں تک محدود تھا لیکن اب لڑکے بھی آنے لگے۔"

"پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔" عابد حسین بولے پھر بیوی کو اپنے قیاس سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے یہ اکبر علی کا لڑکا ہو اور اکبر کے کہنے پر ہمارے یہاں آیا ہو۔"

شوہر کی بات سن کر نصیرہ بیگم کا غصہ کسی قدر سرد پڑا تو انہوں نے بھی نظر بھر کر ندیم کی طرف دیکھا جس کے خوبصورت چہرے سے سنجیدگی اور متانت کے علاوہ وقار ٹپک رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھنے لگیں تو عابد حسین بولے۔

"بیٹھی رہئے۔ اگر ندیم واقعی اکبر علی کا لڑکا ہے تو یہ موقع غنیمت ہے۔ آپ بھی اسے ذرا قریب سے دیکھ لیجئے گا۔"

نصیرہ بیگم دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔

سمیرا بڑے انداز سے قدم اٹھاتی ندیم کے قریب پہنچی تھی پھر اس سے پیشتر کہ ندیم کچھ کہتا اس نے خود ہی پہل کر دی۔

"بڑی مسرت ہوئی آپ کو یہاں دیکھ کر۔ کوئی خاص کام تھا مجھ سے۔" اس کے لہجے میں غرور کا عنصر بھی شامل تھا۔

"جی ہاں۔" ندیم ذرا مسکرایا۔ "میں آپ کو امتحان میں کامیابی کی مبارکباد دینے کے

لئے حاضر ہوا تھا۔"

"بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو۔ نتیجہ شائع ہوئے تو کافی دن گزر گئے۔"

"اپنی مصروفیات میں الجھا ہوا تھا اس لئے پہلے نہ آ سکا۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آج اچانک کیسے خیال آ گیا۔" سمیرا نے نخوتِ حُسن سے پوچھا۔

"آج مبارکباد کا خیال ایک دوسری ضرورت کے تحت پیش آ گیا۔"

"کوئی خاص کام ہے مجھ سے۔" سمیرا کا سر غرور کے احساس سے بلند ہو گیا۔

"جی ہاں۔ میں آپ کے والد صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" ندیم بدستور سنجیدہ تھا۔

"اوہ .... میں سمجھ گئی۔" سمیرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "آپ غالباً تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ملازمت بھی کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کے خیال میں کیا یہ بری بات ہے۔"

"مطلق نہیں۔" سمیرا نے تیزی سے کہا۔ "آیئے' میں آپ کو نہ صرف یہ کہ اپنے ابو سے ملائے دیتی ہوں بلکہ ان سے آپ کی سفارش بھی کر دوں گی۔"

"شکریہ!" ندیم دل ہی دل میں مسکراتا ہوا اس کے ساتھ ہو لیا۔

"یہ میرے والد صاحب ہیں۔" سمیرا نے باپ کے قریب پہنچ کر ندیم کا تعارف کرایا پھر باپ سے مخاطب ہو کر بولی۔ "ابو یہ ہیں ندیم اکبر صاحب میرے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔ خاصے ذہین واقع ہوئے ہیں لیکن ان کے حالات کچھ بہتر نہیں ہیں اس لئے اب یہ ملازمت کے خواہشمند ہیں اور اسی غرض سے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"بیٹھو بیٹا۔" عابد حسین نے ندیم کو مخاطب کر کے بڑی اپنائیت سے کہا۔

ندیم بڑے ادب سے سلام کر کے ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سمیرا ماں کے قریب پڑی دوسری کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ نصیرہ بیگم بدستور بڑی دلچسپ نگاہوں سے ندیم کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ تم ایک ہونہار طالب علم ہو۔" عابد حسین نے ندیم کے بیٹھ جانے کے بعد کہا۔ "رہا ملازمت کا مسئلہ تو تمہیں اس کے لئے سمیرا کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ کل کسی وقت بھی تم دفتر میں آ کر مل لو۔ تمہیں ملازمت دے کر مجھے یقیناً خوشی ہو گی۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میں آپ کی اس ذرہ نوازی کا بے حد ممنون ہوں لیکن اس وقت میرے یہاں حاضر ہونے کی وجہ ملازمت نہیں تھی۔" ندیم نے بڑے نپے تلے الفاظ میں کہا۔

عابد حسین نے بیٹی کی طرف دیکھا تو سمیرا جلدی سے بولی۔

"ابو! بات دراصل یہ ہے کہ ندیم صاحب بڑی خوددار طبیعت کے مالک ہیں دوسروں کا احسان لینا شاید ان کے اصول کے خلاف ہے جو یہ اس وقت آپ سے کچھ کہتے ہچکچا رہے ہیں ورنہ یہ بات سوفیصدی درست ہے کہ انہیں کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔"

ندیم نصیرہ بیگم کی وجہ سے اب تک سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے پہلے ہی سے یقین تھا کہ سمیرا اپنے مکان پر اس کی آمد کا دوسرا ہی مطلب نکالے گی لیکن سمیرا کے آخری جملے اس کے ذہن پر ہتھوڑا بن کر لگے تھے۔ اس کا چہرہ خون کی شدت سے تمتما اٹھا۔ ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

عابد حسین اپنے قیاس کی وجہ سے اب تک ندیم کو بڑی دلچسپ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ندیم کے چہرے کی رنگت بدلتی دیکھی تو فوراً سمجھ گئے کہ اسے سمیرا کی بات گراں گزری ہے چنانچہ جلدی سے بولے۔

"خوددار ہونا میرے نزدیک بڑی اچھی بات ہے۔ رہا کسی کے احسان لینے کا مسئلہ تو محنت کرکے اس کا معاوضہ لینے میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہے۔"

ندیم کو عابد حسین کی بروقت مداخلت اور ان کا پیار بھرا جملہ بڑا ہی اچھا لگا۔ کس قدر خلوص پیار اور اپنائیت تھی ان کے جملے میں۔ اس کے دل پر آیا ہوا غبار یکلخت چھٹ گیا۔ آہستہ سے نظریں اٹھا کر اس نے عابد حسین کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر غرور و تکبر کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ پھر بڑی خاموشی سے اس نے جیب سے اپنے والد کا خط نکال کر آگے بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے بیٹے!" عابد حسین کا دل دھڑکنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ندیم صاحب زبان سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں اس لئے شاید کچھ لکھ کر لائے ہیں۔" قبل اس کے ندیم کچھ کہتا سمیرا بول اٹھی۔

ندیم کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ ابھری تھی۔ وہ سمیرا کی بات کو نظرانداز کرکے عابد حسین سے بولا۔ "یہ خط میرے والد نے مجھے تحریر کیا ہے اور ان کا حکم تھا کہ میں اسے آج ہی آپ تک پہنچا دوں چنانچہ میں اس وقت حاضر ہو گیا۔"

نصیرہ بیگم ندیم کو بڑی پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں خدا

سے دعا مانگ رہی تھیں کہ ندیم ہی اکبر علی کا لڑکا ثابت ہو۔ انہوں نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ندیم ہی اکبر علی کا بیٹا ثابت ہوا تو وہ اس رشتہ کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دیں گی۔ ندیم پہلی ہی نظر میں انہیں بے حد بھا گیا تھا۔

"سمیرا بیٹی! ذرا اندر سے جا کر میری عینک تو لے آؤ۔" عابد حسین نے لفافہ ندیم سے لیتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا۔" سمیرا ندیم پر ایک نظر ڈالتی اٹھی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔

"ندیم میاں! کیا تمہارے والد کا نام اکبر علی ہے؟" سمیرا کے جانے کے بعد عابد حسین نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم جیسا مہذب اور نیک لڑکا اکبر ہی کے گھر کا چشم و چراغ ہو گا۔" عابد حسین بڑے جوش سے بولے پھر جلدی سے اٹھ کر انہوں نے ندیم کو گلے سے لگا لیا اور نصیرہ بیگم سے بولے۔

"بیگم! ندیم میاں سے ملو۔ یہ میرے سب سے عزیز اور دیرینہ دوست اکبر علی کے صاحبزادے ہیں۔"

"تسلیم چچی جان!" ندیم نے بڑے مہذب انداز میں نصیرہ بیگم کو سلام کیا۔

"جیتے رہو بیٹے!" نصیرہ بیگم کی باچھیں کھل اٹھیں جیسے قدرت نے اچانک ہی ان کی دعا کو قبول کر لیا تھا۔

"بیٹھو بیٹے! آج سے یہ گھر بھی تمہارا اپنا ہی ہے۔" عابد حسین نے بڑی محبت سے کہا پھر ذرا خفگی سے بولے۔ "ذرا ملاقات ہونے دو اکبر سے پھر اس سے پوچھوں گا کہ جب میں یہاں موجود تھا تو اس نے تمہیں کہیں اور رہنے کی اجازت کیسے دی۔"

"والد صاحب کو غالباً آپ کے متعلق علم نہیں تھا۔" ندیم بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم کب سے الہ آباد میں ہو؟"

"اب تو تین سال کا عرصہ گزر چکا۔"

"قیام وغیرہ کہاں ہے؟"

"ہوسٹل میں۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔

"خیر........ خیر........ اب تک مجھے علم نہیں تھا اس لئے دوسری بات تھی لیکن اب یہ ناممکن ہے کہ تم میرے ہوتے ہوئے کہیں اور رہو۔ کل ہی اپنا سامان اٹھا کر یہاں

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آ جاؤ۔" عابد حسین نے اپنا حق جماتے ہوئے کہا۔ "اکبر علی کی خبر تو میں بہرحال لوں گا۔"

"اچھی محبت کا ثبوت دے رہے ہیں آپ۔" نصیرہ بیگم جلدی سے بولیں۔ "جب اپنا گھر ہے تو پھر بات کل پر کیوں ٹال رہے ہیں۔ ملازم کو بھیج کر آج ہی ندیم میاں کا سامان یہاں کیوں نہیں منگوا لیتے۔"

"یہ بھی درست فرما رہی ہیں آپ۔" عابد حسین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولے۔ "میں ابھی اپنے بیٹے کے ساتھ جا کر اس کا سامان لئے آتا ہوں۔"

"آپ کیوں زحمت کرتے ہیں۔ میرے لئے آپ کا حکم ہی کافی ہے۔" ندیم نے بڑی سعادتمندی سے کہا۔ اسے عابد حسین اور نصیرہ بیگم سے مل کر بڑی روحانی مسرت ہو رہی تھی۔

"زحمت کس بات کی ندیم میاں!" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "بڑے اگر بچوں کے آرام کا خیال نہ کریں تو پھر کون کرے گا۔"

"میں آپ لوگوں کی محبت کا بے حد شکر گزار ہوں چچی جان لیکن اتنا زیادہ شرمندہ نہ کیجئے کہ میں خود اپنی نظروں میں گر جاؤں۔" ندیم بولا۔ "آپ کا یہ حکم ہی کافی ہے کہ میں یہاں آ جاؤں لیکن والد صاحب کے آنے تک اگر آپ مجھے ہوسٹل ہی میں رہنے کی اجازت دے دیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

"کیوں' کیا اس میں کوئی خاص مصلحت ہے۔" نصیرہ بیگم نے پوچھا۔

"میرے ہوتے ہوئے کوئی مصلحت نہیں پیدا ہو سکتی۔" عابد حسین بول پڑے۔ "رہا تمہارے باپ کا مسئلہ تو انہیں میں دیکھ لوں گا بلکہ اب تو تمہارے اوپر مجھے اکبر علی سے زیادہ حق ہے۔ کیا مجال ہے اکبر علی کی کہ وہ چوں بھی کر سکے۔"

ندیم اس اپنائیت کے اظہار کے آگے کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ زیر لب مسکرا کر اس نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔

سمیرا عینک لئے آئی تو عابد حسین بولے۔

"رہنے دو بیٹی! اب مجھے خط پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں' کیا ندیم صاحب نے خود ہی سب کچھ کہہ دیا۔" سمیرا کے جملے میں گہرا طنز تھا جسے محسوس کر کے نصیرہ بیگم چپ نہ رہ سکیں۔

"بُری بات ہے سمیرا! بلا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے کہہ جاتی ہو۔ نہ بزرگوں کا ادب' نہ اپنوں کی مروت۔" انہوں نے بیٹی کو گھورا۔

"کب آ رہے ہیں تمہارے والد۔" عابد حسین ندیم سے مخاطب تھے۔

"اتوار کا لکھا ہے۔"

"طبیعت کے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے۔"

"جی ہاں۔ خدا کے فضل سے اب بہتر ہے۔ ڈاکٹروں نے سفر کی اجازت دے دی ہے۔"

"کیا بیماری ہے بھائی صاحب کو؟" نصیرہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"دل کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔" ندیم نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

سمیرا حیرت سے کبھی باپ اور کبھی ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے تعجب تھا کہ ندیم نے آخر اتنی سی دیر میں اس کے والدین پر کیا جادو کر دیا جو دونوں اس کے ساتھ اس قدر محبت اور اپنائیت سے پیش آ رہے ہیں۔ ندیم سمیرا کی کیفیت محسوس کر کے دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

"علاج تو باقاعدگی سے ہو رہا ہے نا۔" عابد حسین نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"بھلا ڈیڑھ دو سو روپے پانے والا اس زمانے میں دل کی بیماری کا کیا علاج کرا سکتا ہے۔" سمیرا چپ نہ رہ سکی۔ اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ یہ بھول گئی تھی کہ نصیرہ بیگم نے ندیم سے اس کے باپ کی کیفیت پوچھتے وقت بھائی صاحب کا لفظ استعمال کیا تھا۔

نصیرہ بیگم نے بیٹی کا جملہ سنا تو یہ سوچ کر شرمندہ ہو گئیں کہ ندیم نے دل میں نہ جانے کیا سوچا ہو گا چنانچہ جلدی سے سمیرا کو گھور کر قدرے سختی سے کہا۔

"آخر تمہیں کبھی تہذیب بھی آئے گی یا نہیں۔ منہ میں جیسے گز بھر کی زبان پیدا ہو گئی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہماری بیٹی کو غالباً اب تک ندیم میاں کے بارے میں تفصیل سے نہیں معلوم۔" عابد حسین نے سمیرا کو خوش کرنے کی خاطر جلدی سے کہا پھر جب انہوں نے سمیرا کو ندیم کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا تو سمیرا پر جیسے حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ گیا ہو۔

"قصور دراصل میرا ہی تھا جو میں نے انہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"نہ سہی لیکن انسان کو اپنے سے زیادہ دوسروں کی دل شکنی کا خیال رہنا چاہئے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔

"میرا کیا قصور تھا۔" سمیرا بولی۔ "خود ندیم صاحب نے کہا تھا کہ ان کے والد ڈیڑھ دو سو ماہوار پر کلرکی کرتے ہیں۔"

"بہت خوب۔" عابد حسین زور سے قہقہہ مار کر ہنسے۔ "گویا یہ بات تھی۔"

"جی ہاں۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا پھر سمیرا کو کنکھیوں سے دیکھ کر بولا۔ "ایک بار انہوں نے مجھے اپنے مہمان خانے میں جگہ دینے کی پیشکش بھی کی تھی۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ جناب اتنی پُراسرار شخصیت کے مالک ہیں۔" سمیرا نے تنک کر کہا۔

"پھر شروع کر دی تم نے بحث۔" نصیرہ بیگم نے بیٹی کو ڈانٹا۔ "کبھی اپنی غلطی بھی تسلیم کر لیا کرو۔"

سمیرا کو ندیم کی موجودگی میں ماں کی بات گراں گزری تو وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ کچھ دیر کے لئے ماحول پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ پھر جب ندیم نے تفصیل سے عابد حسین اور نصیرہ بیگم کو اپنی کالج کی زندگی کے بارے میں بتایا اور سمیرا کی ہمدردیوں کا ذکر کیا تو وہ دونوں ہی دل کھول کر ہنسے۔

"بھئی پھر تو سمیرا کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔" عابد حسین نے بیٹی کی حمایت لی۔

"کچھ بھی ہو لیکن اسے دوسروں کا احترام تو بہرحال کرنا چاہئے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔

ندیم خاموش بیٹھا عابد حسین اور نصیرہ بیگم کی گفتگو سنتا رہا پھر جب وہ اٹھنے لگا تو عابد حسین بھی تیار ہو کر اس کے ساتھ ہو لئے اور اسی وقت جا کر اس کا سامان اپنے ساتھ لے آئے۔ نصیرہ بیگم نے باہر کی طرف کے دو کمرے مع ساز و سامان ندیم کے لئے مخصوص کر دیئے تھے۔

☆======☆======☆

عاصمہ کالج سے واپس لوٹی تو اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ چہرے پر زردی سی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ تمام راستے اس کے قدم لڑکھڑاتے رہے تھے اور رہ رہ کر اسے ماہ منیر اور روزی کی گفتگو کا ایک ایک جملہ یاد آ رہا تھا۔

وہ آج فورتھ ایئر میں داخلہ کی غرض سے گئی تھی۔ اس وقت وہ بے حد مسرور تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

اس کا روں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ کالج کے احاطے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے جس مرد پر پڑی وہ ندیم ہی تھا۔

ندیم۔

اس کے خوابوں کا شہزادہ۔

اس کی امیدوں اور ارمانوں کا مرکز۔

بکھرے بکھرے خوابوں کی ایک متحرک اور تابناک تعبیر۔

جس نے اس کی زندگی کے اندھیروں میں اجالا کیا تھا۔

اس کی اداسیوں میں زندگی کے رنگ گھول دیئے تھے۔

خوشنما خوشنما اور دلنواز رنگ۔

سمیرا اور ندیم کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ مسکرا دی تھی۔ اسے علم تھا کہ سمیرا ندیم کو بارہا اپنی زلفِ گرہ گیر اور امارت کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر چکی ہے۔ ندیم کی سرد مہریوں کے باوجود اسے نیچا دکھانے کی خواہشمند تھی لیکن ندیم اس کے سامنے ایک اٹل اور آہنی چٹان بنا ہوا تھا۔ ناقابلِ تسخیر۔

عاصمہ اور ندیم کی نگاہوں کا تصادم ہوا تو ندیم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خوش آمدید کہا اور عاصمہ نے جواب میں زیرِ لب مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ پھر وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی روش پر آگے چلی گئی۔ اسے خوشی تھی کہ سمیرا کے مقابلے میں ندیم نے اس کی شخصیت کو ترجیح دی تھی اور یہ احساس ہی اس کے لئے جیسے زندگی کی سب سے بڑی جیت بن گیا تھا۔

ہنستی مسکراتی وہ کیشئر آفس کے قریب آئی تو کالج کی پرانی سہیلیوں نے اسے گھیر لیا۔ عاصمہ ان سے چھٹکارا پا کر اندر آ گئی۔ ماں کے گاڑھے پسینے سے حاصل کیا ہوا روپیہ اس نے بطور فیس داخلہ جمع کرایا پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔

روش پر طلبا اور طالبات کا ہجوم سا لگا تھا۔ کچھ جانے پہچانے پرانے چہرے تھے جو بڑی بے فکری سے مٹرگشتی کرتے پھر رہے تھے۔ کچھ نئے چہرے تھے جو کالج میں داخلہ لینے آئے تھے۔ وہ ان کے درمیان سے ہو کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ کچھ پرانے لڑکوں نے ایک نئی لڑکی کو گھیر رکھا تھا اور اسے فرسٹ ایئر فول بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔

عاصمہ کو وہ دن یاد آ گئے جب وہ میٹرک کا امتحان پاس کر کے کالج میں پہلی بار داخلے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی غرض سے آئی تھی اور اولڈ بوائز نے اپنی روایتی شان کو برقرار رکھنے کی خاطر اسے بڑی خوبصورتی سے فول بنایا تھا۔

"محترمہ! آپ شاید نئے داخلے کی غرض سے تشریف لائی ہیں۔" ایک لڑکے نے اسے مخاطب کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا۔

"جی .... جی ہاں۔" وہ یکلخت گھبرا سی گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی مرد نے اسے مخاطب کیا تو اس کے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملا اٹھے تھے۔

"میٹرک کس ڈویژن میں پاس کیا ہے آپ نے؟"

"جی .... سیکنڈ ڈویژن میں۔" اس نے سہمی آواز میں جواب دیا۔

"پھر تو داخلہ ملنا مشکل ہے۔"

اور لڑکے کا یہ جواب سن کر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے سوچا کیا وہ تعلیم حاصل کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ کر سکے گی۔

"اتنی جلدی مایوس کیوں ہو رہی ہیں۔" لڑکے نے ہمدردی جتائی۔ "میں کوشش کروں گا کہ آپ کو داخلہ مل جائے۔"

"شکریہ۔" امید کی کرن نظر آئی تو وہ خوش ہو گئی۔

"نام کیا ہے آپ کا۔"

"عاصمہ۔"

"خوبصورت نام ہے۔" لڑکے نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔ پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی لڑکے نے اس سے فارم داخلہ لے کر اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"میرے ساتھ تشریف لائیے۔" لڑکے نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اس کے ساتھ ہو لی۔

اور پھر اس بات کا علم اسے بعد میں ہوا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے جس کمرے میں اسے یہ کہہ کر اندر بھیجا گیا تھا کہ وہ وائس پرنسپل کا آفس ہے دراصل کالج کے جیم خانہ سیکرٹری کا کمرہ تھا جہاں اس کی خوب خوب گت بنی تھی۔ قسم قسم کے سوالات کئے گئے تھے۔

"بہت خوب، گویا آپ کالج میں داخلہ لینے آئی ہیں۔"

"جی ہاں۔" اس نے جیم خانہ سیکرٹری کو وائس پرنسپل جان کر بڑے مہذب انداز میں جواب دیا تھا۔

"میٹرک پاس کر لیا ہے آپ نے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔"

"نام۔"

"عاصمہ۔"

"جغرافیہ سے کچھ دلچسپی ہے آپ کو۔"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ بحر منجمد شمالی اور خط استوا کا درمیانی فاصلہ کیا ہے؟"

"جی۔" وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ کوئی جواب بن نہ پڑا تھا۔

"گیمز میں کون کون سی کھیل پسند ہیں آپ کو؟" دوسرا سوال کیا گیا۔

"کوئی بھی نہیں۔"

"کبھی کسی سے محبت کی ہے۔"

"جی نہیں۔" وہ بُری طرح نروس ہو گئی۔

"خیر، کوئی بات نہیں کالج میں آپ کو بے شمار مواقع مل جائیں گے۔"

اور اس جملے پر باہر سے قہقہوں کا ایک طوفان سا پھوٹا تو وہ سمجھ گئی کہ ہمدردی کے بھیس میں اسے بے وقوف بنایا گیا ہے۔

"ایڈیٹ۔" وہ اپنا غصہ ضبط نہ کر سکی اور جیم خانہ سیکرٹری کے ہاتھوں سے اپنا فارم جھپٹ کر باہر نکل آئی جہاں کالج کے سینئر طلباء ہجوم کی صورت میں کھڑے تھے۔

عاصمہ نے ان لڑکوں پر ایک قہر آلود نظر ڈالی پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد وہ ایک پرانی طالبہ سے ملی جس نے داخلے کے سلسلے میں اس کی مدد کر دی تھی۔

آج بھی جب اس نے ایک نئی لڑکی کو پرانے لڑکوں کے ہجوم میں پایا تو اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ تین سال کے عرصہ میں اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ سینئر طلباء فرسٹ ایئر میں داخل ہونے والے نئے لڑکوں کو فول بنانا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن اسے ان بیہودہ رسومات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

لڑکوں کے ہجوم سے نکل کر وہ کھلی روش پر آئی تو ماہ منیر اور روزی مل گئیں۔

"ہیلو عاصمہ۔" روزی نے اسے آواز دے لی۔ "سناؤ کیسی ہو۔"

"خدا کا شکر ہے ٹھیک ہوں۔" وہ زیر لب مسکراتی ان کے قریب چلی گئی۔

"کیسے آ گئیں آج؟" ماہ منیر نے پوچھا۔

"داخلے کی غرض سے آئی تھی۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"فیس وغیرہ جمع کرا دی۔"

"ہاں۔"

"بھئی مبارک ہو تمہیں۔" روزی نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے تو سارے ہی مضامین کلیئر کر لئے۔"

عاصمہ جواب میں مسکرائی تو ماہ منیر نے کہا۔

"ندیم نے تم کو پڑھایا بھی تو کافی تھا۔"

"ہاں' میں ندیم صاحب کی بے حد ممنون ہوں۔" اس نے بڑی عقیدت سے جواب دیا پھر موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔ "آپ لوگوں کا کیسا رہا۔"

"میں تو خیر بال بال بچ گئی لیکن ماہ منیر نے اپنا بوجھ بڑھا لیا۔" روزی مسکرا کر بولی۔

"کیا آپ کسی پرچے میں رہ گئیں۔" عاصمہ نے براہ راست ماہ منیر سے پوچھا۔

"ہاں۔" ماہ منیر نے بددلی سے کہا۔ "معاشیات کا پرچہ خراب ہو گیا۔ اس بار دوسرے مضامین کے ساتھ معاشیات سے بھی سر کھپانا پڑے گا۔"

بہت دیر تک وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں پھر روزی نے اچانک چونکتے ہوئے ماہ منیر سے کہا تھا۔

"ارے ہاں .... میں تمہیں ایک بہت اہم خبر تو بتانا بھول ہی گئی۔"

"کیا؟"

"اپنی سمیرا نے کوہ ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹی سر کر لی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔ کچھ تفصیل سے بتاؤ کیا بات ہے؟" ماہ منیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ندیم آج کل ہوسٹل چھوڑ کر سمیرا کے گھر شفٹ ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔" ماہ منیر نے حیرت سے کہا۔ "کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو۔"

"یقین نہیں آتا تو سمیرا کے گھر جا کر دیکھ لو۔ ندیم بڑے ٹھاٹھ سے وہاں جما ہوا ہے۔ دو کمرے اس کے لئے مع ساز و سامان وقف کر دیئے گئے ہیں۔"

"تمہیں کیسے علم ہوا؟"

"پرسوں میں تھوڑی دیر کے لئے گئی تھی سمیرا کی طرف۔"

"لیکن یہ سب کچھ ہو کیسے گیا؟ ندیم کو تو ہم لوگ آہنی چٹان سمجھ رہے تھے۔" ماہ منیر نے تعجب کا اظہار کیا۔

www.pdfbooksfree.pk

"حُسن کی گرمی سے پگھل گیا ہو گا بیچارہ۔" روزی مسکرا کر بولی۔ "آج کل تو دونوں میں بڑی گاڑھی چھن رہی ہے۔"

اور عاصمہ ان دونوں کی گفتگو سن کر گنگ سی رہ گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چکرا کر گر پڑے گی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرے پھیلنے لگے۔ ندیم اور سمیرا کے ملاپ کی اس اچانک خبر نے جیسے اس کے وجود کو کسی کمزور درخت کی طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی وہ روزی کو دیکھتی اور کبھی ماہ منیر کا چہرہ تکنے لگتی۔

"بھئی یہ خبر تو تم نے بڑی حیرت انگیز سنائی ہے۔" ماہ منیر بولی۔ "ابھی کچھ دیر پہلے میں نے ان دونوں کو دیکھا تو تھا لیکن ٹال گئی تھی۔"

"اب تو وہ کالج بھی ایک ساتھ آتے ہیں۔"

"گویا ندیم سمیرا کے سامنے جھک ہی گئے آخر۔"

"دیکھنا تو یہی ہے کہ کون کس کے آگے جھکتا ہے۔ برابر کی چوٹ ہے۔"

"خاک۔" ماہ منیر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کہاں اپنی سمیرا اور کہاں ندیم جو امتحان کی فیس بھی وقت پر نہ دے سکا۔ جانے کس کس کے آگے جھولی پھیلائی ہو گی۔"

"تجھے کیا معلوم کہ یہ ندیم کس قدر پُراسرار شخصیت کا مالک ثابت ہوا۔" روزی نے سنجیدگی سے کہا۔ "سمیرا کی امی بتا رہی تھیں کہ ندیم کا باپ بھی کروڑ پتی ہے۔ کانپور میں کئی کارخانے ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ندیم اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ گئی بھینس پانی میں۔" ماہ منیر نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔ "سمیرا کی تو آج کل پانچوں گھی میں ہوں گی۔"

"میرا تو خیال ہے کہ اب جلد ہی دونوں کی بات بھی پکی ہو جائے گی۔ سمیرا کی امی بڑی آؤ بھگت کر رہی ہیں ندیم کی۔ دو ایک روز میں ندیم کے والد بھی آنے والے ہیں۔"

اور عاصمہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زمین میں دھنستی چلی جا رہی ہے جو کچھ وہ سن چکی تھی اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی۔ دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھیں اور آنکھوں کے حلقے بھیگنے لگے تھے۔

"اچھا روزی! میں اب چلتی ہوں۔" اس نے بمشکل دل پر قابو پا کر کہا۔

"ایسی بھی کیا جلدی .... کچھ دیر تو ٹھہرو۔" روزی نے اصرار کیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کل ملاقات ہوگی۔ آج گھر پر کچھ ضروری کام ہے۔" وہ جھوٹ بول گئی پھر دل پر قابو پاتی تیز تیز قدم اٹھاتی کالج کے احاطے سے باہر آ گئی۔ اسے خود بھی یاد نہیں تھا کہ بس اسٹاپ تک وہ کس طرح پہنچی تھی۔ دل و دماغ تو جیسے یخ بستہ ہو کر رہ گئے تھے۔

گھر آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فائل میز پر اچھال کر وہ کسی گم گشتہ منزل اور تھکے ہارے مسافر کی طرح بستر پر گری اور ندیم کے بارے میں سوچنے لگی۔

کیا اس کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے؟

کیا ندیم کی محبت ڈھلتی دھوپ کی طرح اس کی زندگی کو اندھیروں کے حوالے کر دے گی؟

کیا وہ زندگی میں ہمیشہ بھٹکتی رہے گی؟

منزل کی تلاش میں۔

خوشیوں کی جستجو میں۔

اور............

ان بے چین لہروں کی طرح جو کنارے تک پہنچ کر بھی بے نیل و مرام واپس لوٹ جاتی ہیں۔

عاصمہ تڑپ کر رہ گئی۔ ندیم کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین اور حسین لمحات اسے رہ رہ کر یاد آ رہے تھے۔ وہ تو اسے خلوص اور محبت کا پیکر سمجھ رہی تھی۔ اپنی کشتیٔ حیات کا ناخدا سمجھ بیٹھی تھی۔ اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بنا بیٹھی تھی۔ اپنا مستقبل ندیم کی ذات سے وابستہ کر چکی تھی۔

"لیکن" اس نے سوچا۔

کیا رنگین اور حسین لمحات نقش بہ دیوار بن کر رہ جائیں گے؟

کیا ندیم کا خلوص اور اس کی محبت محض فریب تھا؟

ایک حسین دھوکہ' سراب کی مانند۔

کیا ناخدا بھی دھوکہ دے سکتا ہے؟

کیا آرزوئیں اور امیدیں بھی یوں روٹھ جاتی ہیں؟

کیا مستقبل کی خوشیاں یونہی فریب کی صورت اختیار کر لیتی ہیں؟

اور پھر عاصمہ نے بے اختیار اپنی انگلی کی طرف دیکھا جس میں ندیم کی دی ہوئی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ سرخ نگینہ دمک رہا تھا۔ چند لمحات وہ انگوٹھی کو گھورتی رہی پھر خود

www.pdfbooksfree.pk

ہی اپنے دل کو بہلانے لگی۔ ندیم بے وفا نہیں ہو سکتا۔ اس کی محبت ہمیشہ زندہ رہے گی۔ بہتی ندی کے صاف و شفاف پانی کی طرح۔ پھولوں کی مہک کی طرح۔ سورج کی ان کرنوں کی طرح جو زندگیوں کو حرارت بخشتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ روزی اور ماہ منیر نے جھوٹ بولا ہو۔ اس کی محبت کا مذاق اڑانے کی خاطر۔ ندیم اور سمیرا کا تذکرہ چھیڑا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی طرح ندیم اور اس کی پاکیزہ محبت کا علم ہو گیا ہو اور وہ جل گئی ہوں۔

عاصمہ بڑی دیر تک اپنے دل کو ان معصوم خیالوں کا سہارا دے کر بہلاتی رہی لیکن پھر اچانک اسے وہ دن یاد آ گیا جب ندیم نے اس کے لئے قیمتی انگوٹھی خریدی تھی۔ انگوٹھی کی قیمت سن کر وہ چونک اٹھی تھی لیکن ندیم نے کس لاپرواہی سے دو سو تیس روپے نکال کر ادا کر دیئے تھے۔

"تو کیا ندیم سچ مچ کروڑوں کا مالک ہے۔" عاصمہ کے خیالات دوبارہ بھٹکنے لگے۔

کیا اب تک ندیم نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا وہ صرف رواداری تھی۔

کیا وہ اسے کمتر سمجھ کر اس کا دل رکھنے کی خاطر خوبصورت بہلاوے دیتا رہا تھا۔

محض ہمدردی کے جذبے کے تحت۔

ہمدردی .... جس میں محبت کو کوئی دخل نہ تھا۔

کیا وہ اب، تک اسے ایک خوبصورت اور حسین فریب میں مبتلا کئے ہوئے تھا۔

مگر ایسا کیوں تھا؟

محبت تو ذات پات کے امتیاز سے بالاتر ہوتی ہے۔

محبت تو ایسے جذبے کا نام ہے جو روح کی پاکیزگیوں سے جنم لیتا ہے۔

محبت میں اونچ نیچ کا کیا کام۔

محبت کرنے والوں کے درمیان سنہری اور روپہلی سکوں کی دیوار تو کبھی نہیں کھڑی کی جا سکتی۔

پھر..........

یہ سب کیا ہے؟

محبت!

محبت!!

محبت!!!

عاصمہ کا ذہن چکرا گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہر سانس دل کی اتھاہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گہرائیوں سے گھٹ گھٹ کر ابھر رہا ہے۔ جیسے دل کی دھڑکنیں کسی بھی لمحے اس کا ساتھ چھوڑ دینے کے لئے مچل رہی تھیں اور پھر.........

باہر سے اس کی ماں نے اسے آواز دی تو وہ یکلخت چونک اٹھی۔ جلدی جلدی پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو اپنے دامن کی وسعتوں میں جذب کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے ماں کی آواز سنتے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ماں کو ندیم کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گی ورنہ انہیں دکھ ہو گا۔ وہ اس غم کو تنہا صرف اپنی ذات تک محدود رکھے گی۔ اپنی ناکامیوں کا بار خود اپنے کمزور وجود پر برداشت کرنے کی سعی کرے گی۔ اپنے آنسوؤں کو زبردستی مسکراہٹوں کی اوٹ میں چھپا لے گی۔ اپنی آہوں کو سینے کی گہرائیوں میں دفن کر لے گی لیکن ماں کی الجھنوں میں کوئی نیا اضافہ نہیں ہونے دے گی۔ وہ خود کو پتھر بنا لے گی۔

پتھر۔

جو سرد و گرم کے احساس سے بے نیاز ہوتا ہے۔

جو ٹھوکر لگنے سے اپنا مقام تو کھو دیتا ہے لیکن کوئی احتجاج نہیں کرتا۔

جو نہ دھوپ کی تپش سے مچل اٹھنے کی طاقت رکھتا............ اور

نہ شبنم کے پاکیزہ قطرے اس کے احساس کو گدگدانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

پتھر تو ہر حال میں پتھر ہی ہوتا ہے۔

وہ اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی۔ تھکے تھکے قدموں سے چلتی بجھی بجھی سی کمرے سے نکل کر ماں کے پاس آ گئی جو محلے کی ایک ایسی لڑکی کا لباس تیار کرنے میں مصروف تھی جو عنقریب دلہن بننے والی تھی۔

عاصمہ نے سرخ جوڑے پر سنہری گوٹوں کی چمک دیکھی تو ایک بار پھر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کا دل چاہا وہاں سے بھاگ جائے لیکن دل پر جبر کئے ساکت و جامد کھڑی رہی۔

"کپڑے نہیں تبدیل کئے تم نے اب تک۔" ساجدہ خاتون نے سرخ دوپٹے کو اپنی گود میں پھیلائے ہوئے پوچھا۔

"کپڑے ہی بدلنے جا رہی تھی امی! آپ کی آواز سنی تو چلی آئی۔" عاصمہ کی آواز لرز رہی تھی۔

"عاصی!" ساجدہ خاتون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر مرجھائے ہوئے چہرہ پر نظر پڑی تو دوپٹہ ہٹا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عاصمہ کے قریب آ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے عاصی! یہ تمہارا چہرہ مرجھایا مرجھایا کیوں نظر آ رہا ہے۔"

"دھوپ کی تپش کا اثر ہو گا۔" اس کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ تڑپ اٹھی۔

"پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔"

"اب موسم بھی تو تبدیل ہو رہا ہے امی!" وہ دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گئی۔

"جاؤ جا کر کپڑے تبدیل کر ڈالو۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔" ساجدہ خاتون نے بڑے لاڈ سے کہا۔

"رہنے دیجئے امی! کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"بھوکی رہو گی تو جی اور بھی خراب ہو گا۔ دو چار لقمے ہی کھا لو۔"

عاصمہ انکار نہ کر سکی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ماں اس کے انکار کی وجہ نہ پوچھ بیٹھے۔ خاموشی سے نظریں جھکائے اپنے کمرے میں آئی۔ کپڑے تبدیل کئے صحن میں جا کر بالٹی سے پانی لے کر منہ پر چھینٹے ڈالے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی مختصر سے باورچی خانے میں آ گئی۔ ماں نے کھانا نکال کر سامنے رکھا تو اس نے زبردستی دو چار لقمے کھائے پھر اٹھ گئی۔

"میری مانو عاصی تو ٹھنڈے پانی سے نہا ڈالو۔ طبیعت بہل جائے گی۔"

"نہیں امی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے کچھ دیر آرام کروں گی۔"

"ندیم میاں سے ملاقات ہوئی تھی۔" ساجدہ خاتون نے ندیم کے بارے میں پوچھا تو وہ ایک بار پھر تڑپ اٹھی لیکن دل پر جبر کر کے بولی۔

"وہ نظر نہیں آئے۔" اس نے دیدہ دانستہ جھوٹ بول دیا۔

"جانے کیا بات ہے۔" ساجدہ خاتون نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔ "دو روز سے وہ یہاں نہیں آئے۔"

"مصروف ہوں گے کہیں۔" اس نے کہا پھر جلدی سے گھوم کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

بستر پر گری تو صبر و ضبط کے سارے بندھن کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کا تھما ہوا سیلاب جسے اس نے ماں کی پریشانی کے ڈر سے روک رکھا تھا امڈ آیا۔ اس کی دراز دراز پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ چہرہ تر ہو گیا۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرتے ہوئے پاکیزہ آنسو اس کی پلکوں سے ڈھلک ڈھلک کر تکئے میں جذب ہوتے

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے۔

وہ بڑی دیر تک روتی رہی۔ سسکتی رہی۔ اپنے ماضی حال اور مستقبل کے بارے میں سوچتی رہی پھر دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆======☆======☆

اکبر علی کے آ جانے سے عابد حسین کے گھر کے ہنگاموں میں بڑا خوشگوار اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بڑی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ ہر وقت ہنستے بولتے رہتے۔ ہرچند کہ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے اور کثرتِ کار کے باعث وقت سے پہلے ہی بوڑھے نظر آنے لگے تھے لیکن ان کی شوخی طبع پر اس کا مطلق کوئی اثر نہ پڑا تھا۔

عابد حسین کا خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔ نصیرہ بیگم پردہ کی قائل تھیں ایک دو روز تک وہ اکبر علی سے پردہ کرتی رہیں لیکن پھر اکبر علی نے خود ہی اس پردے کو ایک روز توڑ دیا۔ نصیرہ بیگم بیچاری مجبور ہو کر رہ گئیں۔ کچھ تو اس لئے کہ وہ ان کے شوہر کے دیرینہ دوست تھے اور کچھ اس لئے بھی کہ ندیم کے رشتے کی وجہ سے وہ اکبر علی کی خوشنودی حاصل کرنے کی متمنی تھیں۔

جتنی دیر عابد حسین گھر میں موجود رہتے اکبر علی ان کے ساتھ بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کرتے رہتے۔ کبھی پرانے واقعات یاد کر کے لطف اندوز ہوا جاتا۔ کبھی حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوتی اور کبھی گھریلو معاملات پر چھڑ جاتی۔ غرضیکہ نہ عابد حسین کا دل چاہتا تھا کہ ایک منٹ کے لئے دوست کے پاس سے اٹھیں اور نہ ہی اکبر علی انہیں چھوڑتے تھے۔ گئی رات تک ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ نصیرہ بیگم بھی اس گفتگو میں شریک ہوتیں لیکن ایک خاموش تماشائی کی طرح۔ کبھی کبھار اگر اکبر علی کوئی بات کہہ دیتے تو وہ مسکرا دیتیں پھر جب رات زیادہ ہو جاتی تو اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں چلی آتیں۔

جب حامد حسین دفتر چلے جاتے تو اکبر علی یا تو مطالعہ میں مصروف رہتے یا پھر کبھی کبھار نصیرہ بیگم کے ساتھ بیٹھ کر باتوں میں لگ جاتے۔

ندیم باپ کے آ جانے سے بہت زیادہ خوش تھا۔ ہر وقت وہ باپ کی خدمت اور خوشی کا خیال رکھتا۔ ماں کی موت کے بعد سے اب یہی ایک رشتہ تو رہ گیا تھا جسے وہ اپنا سب کچھ سمجھنے پر مجبور تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا آج تک کبھی اکبر علی کے کسی حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ ان کی خوشی کو ہمیشہ مقدم سمجھا تھا۔ ان کا کوئی حکم سن کر کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑے تھے بلکہ وہ تو باپ کے

ایک اشارے پر اپنی زندگی بھی قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ چنانچہ ایک عرصہ بعد جب اسے ایک گھریلو اور خوشگوار ماحول میں باپ کی رفاقت ملی تو اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

سمیرا کو بھی اکبر علی کی باغ و بہار طبیعت بہت پسند آئی تھی۔ وہ چونکہ خود بھی ہمیشہ ہنستے ہنساتے رہنے کی قائل تھی اس لئے بہت جلد اکبر علی سے مانوس ہو گئی۔ جتنی دیر وہ گھر پر رہتی یہی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اکثر ندیم کے بارے میں بھی سوچنے لگتی۔

ندیم نے تین سال تک اپنی شخصیت پر غربت اور مفلسی کا جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور جس انداز میں خود کو دوسروں سے الگ تھلگ رکھا تھا وہ انداز سمیرا کو مطلق پسند نہ تھا۔ اسے ندیم کی سنجیدگی' اس کی تمکنت اور ہر وقت چہرے پر نظر آنے والے وقار سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ندیم بھی دوسرے لڑکوں کی طرح ہنسے بولے اور کالج کی دلچسپیوں میں دوسروں کے شانہ بشانہ چلے اسی غرض سے وہ ندیم سے قریب ہونے کی کوشش کرتی لیکن جب ندیم اسے سنجیدگی سے ٹالتا رہا تو سمیرا کو غرورِ حُسن کے ساتھ ساتھ اپنی امارت کا احساس بھی بڑی شدت کے ساتھ ہوا۔ وہ ندیم کی سنجیدگی اور خاموشی کو اس کے غرور پر محمول کر بیٹھی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید ندیم اسے اس بات کا احساس دلانا چاہتا ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حسن کی رنگینیوں کو بھی نظرانداز کر جاتے ہیں۔ موم کی طرح پگھل کر نہیں رہ جاتے اور اسی احساس نے جب سمیرا کے ذہن میں اپنی جڑیں مضبوط کیں تو اسے ندیم سے ایک قسم کی پُرخاش ہو گئی۔ ندیم کے لئے اس کے دل میں جو احترام تھا وہ نفرت اور حقارت کے جذبوں میں تبدیل ہو گیا۔ سہیلیوں نے اسے چڑھایا اور اس بات کا احساس دلایا کہ ندیم اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتا تو سمیرا کا سر غرور سے تن گیا۔ اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ ندیم کو ہر قیمت پر اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے گی۔

ندیم اپنی جگہ بڑی ثابت قدمی سے ڈٹا رہا پھر جب پہلی بار سمیرا نے اسے اپنی چوکھٹ پر دیکھا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔ اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ شاید ندیم اپنی غربت سے تنگ آ کر اس کے سامنے جھولی پھیلانے کے لئے اس کے دروازے تک آ گیا ہے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ ندیم بھی ایک بڑے باپ کا بیٹا ہے تو نہ جانے کیوں سمیرا کی انا کو بڑی شدید ٹھیس لگی تھی۔ اس کے خواب کانچ کے ٹکڑوں کی طرح چکنا چور ہو کر رہ

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ وہ ندیم کو اپنے برابر کا دیکھ کر تلملا اٹھی تھی۔ نفرت کا جذبہ جو اس کے ذہن میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا سرد پڑنے کی بجائے اور بھڑک اٹھا۔ وہ کئی روز تک اپنی سوچوں میں گم رہی پھر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر وہ امارت کے مقابلے میں ندیم کو شکست دینے میں ناکام رہی ہے تو کم از کم حُسن و محبت کے معاملے میں وہ ندیم کو ضرور نیچا دکھا کر رہے گی۔

ایک دو روز تک ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی وہ ندیم سے الگ تھلگ اور دور دور رہی تھی پھر اچانک وہ ندیم کے قریب آ گئی۔ اس کے ساتھ ہنسنے بولنے لگی۔ زیادہ سے زیادہ وقت اس کی رفاقت میں گزارنے لگی لیکن ان تمام باتوں کے پیچھے پاکیزہ محبت کے بجائے انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ وہ رفتہ رفتہ ندیم کو اس طرح اپنے حُسن کے سحر میں پھانس لینا چاہتی تھی کہ وہ بے بس ہو کر رہ جائے۔

اکبر علی کے آ جانے سے سمیرا کو جہاں ہنسنے بولنے کا موقع مل گیا وہاں اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ بھی اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اکثر اکبر علی نے اس کی موجودگی میں بھی عابد علی اور نصیرہ بیگم سے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جس کا مفہوم وہ بخوبی سمجھ رہی تھی اور ان باتوں کو سمجھنے کے بعد اس نے بڑی خوشی محسوس کی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ امارت کی دوڑ میں ندیم پر برتری حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے تو اس کا بدلہ وہ ندیم کی شریکِ حیات بن کر بھی لے سکتی ہے۔ اپنی برتری کا احساس دلانے کا مصمم ارادہ کر کے وہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینے کے لئے تیار تھی۔

آج بھی جب عابد حسین دفتر سے واپس لوٹے تو روزمرہ کے معمول کے مطابق سب نے ایک ساتھ شام کی چائے پی اکبر علی اپنی عادت کے مطابق ہنسی مذاق کرنے میں مصروف تھے۔ سمیرا اور ندیم برابر برابر بیٹھے تھے۔ اکبر علی دوسری طرف عابد حسین کے ساتھ موجود تھے۔ نصیرہ بیگم سمیرا اور عابد حسین کے درمیان بیٹھی چائے بنا بنا کر سب کو دے رہی تھیں۔

کھانے کی میز پر چائے کے علاوہ گھر میں تیار کی ہوئی چیزوں کے ساتھ پھل وغیرہ بھی بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔

"بھابی صاحبہ! یہ سموسے کس نے تیار کئے ہیں۔" اکبر علی میٹھے سموسے کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے نصیرہ بیگم سے پوچھا۔

"پسند آئے آپ کو۔"

www.pdfbooksfree.pk

"بہت لذیذ بنے ہیں۔" اکبر علی بولے۔ "خاص طور پر اندر بھرے کھوئے اور میوہ جات مزہ دے گئے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ آپ میٹھے کے شوقین ہیں اس لئے میں نے بطور خاص آپ کے لئے بنائے ہیں۔" نصیرہ بیگم نے کہا۔

"نوازش!" اکبر علی مسکرا دیئے پھر بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا عابد کو مٹھاس سے کوئی رغبت نہیں ہے؟"

"بس یونہی سی ہے۔"

"جبھی تو یہ گھر سے دور دور رہتے ہیں۔"

"بھلا مٹھاس سے اور ان کی دوری سے کیا واسطہ۔" نصیرہ بیگم پوچھ بیٹھیں۔

"بچوں کے سامنے کیا جواب دوں لیکن اب آپ کا حکم ہے تو عرض کروں کہ میں نے چیونٹے کو کبھی مٹھاس سے دور بھاگتے نہیں دیکھا۔"

نصیرہ بیگم نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں اور چائے بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ ندیم اور سمیرا بھی زیرِ لب مسکرا دیئے لیکن عابد حسین قہقہہ لگا کر بولے۔

"مٹھاس کا تو خیر میں بہت زیادہ رسیا ہوں لیکن میرے لئے اب اہتمام نہیں کیا جاتا۔"

"چلو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بھابی صاحبہ میرے لئے بطور خاص اہتمام کر رہی ہیں۔" اکبر علی نے کہا۔

"نظر تو مجھے بھی یہی آ رہا ہے کہ بیگم تمہارا کچھ زیادہ خیال کرنے لگی ہیں۔"

"پھر تو انکل کو اب کانپور جانے کی اجازت بھی ملنی مشکل ہے۔" سمیرا شوخی سے بولی۔

عابد حسین اور اکبر علی دونوں ہی ہنس دیئے۔ نصیرہ بیگم نے بیٹی کو گھور کر کہا۔

"کتنی بار منع کر چکی ہوں کہ بڑوں کی باتوں میں نہیں بولا کرتے۔ جو منہ میں آیا بک دیتی ہو۔"

"میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کہی جس پر آپ خفا ہوں۔" سمیرا بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔

"اچھا بس اب خاموشی سے چائے پیؤ۔"

"تمہاری والدہ ٹھیک کہہ رہی ہیں سمیرا بیٹی!" اکبر علی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جن کا کھلے عام تذکرہ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔"

نصیرہ بیگم بات کی تہہ تک پہنچیں تو ایک شرمیلی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر طاری ہو گئی۔ جلدی سے نمکین کی پلیٹ اٹھا کر اکبر علی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ نمکین کچوریاں بھی تو لیجئے بھائی صاحب۔"

"یہ ہوئی ہے سیر پر سوا سیر۔" عابد حسین قہقہہ لگا کر بولے۔ "یعنی پہلے نمک اور پھر بھائی صاحب۔"

"مذاق کے رشتوں میں ہر بات جائز ہے۔" اکبر علی نے برجستہ کہا پھر ایک کچوری اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لی۔

ندیم کو چونکہ باپ کے علاوہ عابد حسین اور نصیرہ بیگم کا بھی احترام ملحوظ خاطر تھا اس لئے وہ چپ چاپ سا تھا۔ کھانے پینے کے معاملے میں بھی تکلف برت رہا تھا۔

"یہ تم کیوں غیریت برت رہے ہو ندیم میاں!" نصیرہ بیگم نے کہا۔ "کتنی دیر سے ایک گلاب جامن لئے بیٹھے ہو اور اب تک وہ بھی آدھی نہ ہو سکی۔"

"مجھے میٹھا زیادہ پسند نہیں ہے چچی جان!" ندیم نے بڑی سعادتمندی سے جواب دیا۔

"تو نمکین میں سے کچھ لے لو۔ ایسا بھی کیا تکلف۔"

"لے لو ندیم!" اکبر علی نے مسکرا کر کہا۔ "بھابی صاحبہ کا نمک کھانے میں تمہارے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

ندیم نے مسکرا کر گردن جھکا لی۔

"آپ تو بچوں کو بھی نہیں بخشتے۔" نصیرہ بیگم ہنس پڑیں۔

"'یہ بھی' سے آپ کی کیا مراد تھی۔" اکبر علی نے نصیرہ بیگم سے برجستہ پوچھا تو وہ جلدی سے چائے پینے میں مصروف ہو گئیں۔ عابد حسین بدستور پلیٹیں صاف کرنے میں مشغول تھے۔

"انکل! کسی دن پروگرام بنایئے تو خسرو باغ گھومنے چلیں۔" سمیرا بولی۔

"ضرور چلیں گے لیکن ایک دو روز بعد۔"

"کل شام کیوں نہیں چلتے۔"

"کون کون چلے گا۔" اکبر علی نے دریافت کیا۔

"صرف میں اور آپ۔" سمیرا مسکرا دی۔ اکبر علی کو ماں کی طرف دیکھتا پایا تو وہ سمجھ

گئی تھی اکبر علی اب کیا کہنا چاہتے ہیں۔

"پھر تو یہ پروگرام بنتا نظر نہیں آتا۔"

"کیوں؟"

"جب تک سارے لوگ نہ ہوں تو تفریح کا کیا خاک مزا آئے گا۔"

"آپ کہتے ہیں تو پھر ابو اور ندیم کو بھی ساتھ لے چلیں گے۔"

"اپنی امی کو بھی ساتھ لے چلو۔ کیا حرج ہے؟" اکبر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ذرا بھابی صاحبہ کی طبیعت بھی باغ باغ ہو جائے گی۔"

"مجھے تو بس آپ معاف ہی رکھئے۔" نصیرہ بیگم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "آج تک جب میں نے کبھی تفریح کی نہیں تو اب بھلا اس عمر میں کیا گھوموں پھروں گی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ یہی تو عمر ہوتی ہے گھومنے پھرنے کی۔" اکبر علی نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "اور پھر خدا نخواستہ ابھی آپ کی عمر کچھ ایسی زیادہ بھی نہیں لگتی۔"

"یہی بات اگر میں نے کہی ہوتی تو ایک آفت آ جاتی۔" عابد حسین نے بڑی مسمی صورت بنا کر نصیرہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"اپنی بات تو بس آپ رہنے ہی دیجئے۔" نصیرہ بیگم بولیں۔

خاصی دیر تک اسی قسم کی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں پھر عابد حسین اور اکبر علی اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ندیم اور سمیرا ٹہلنے کی غرض سے باہر لان پر آ گئے۔ نصیرہ بیگم رات کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں۔

"بھئی عابد! میں اب دو چار روز ہی اور رک سکوں گا۔" اکبر علی نے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔

"کیوں، اتنی جلدی کیا پیش آ گئی؟"

"کچھ ضروری کام چھوڑ آیا تھا اپنے پیچھے۔ اسے جا کر نپٹانا ہے۔"

"کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔" عابد حسین بولے۔ "لیکن میں تمہیں اتنی جلدی نہیں جانے دوں گا۔"

"تمہارا اصرار ہے تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ اور نکال لوں گا لیکن کچھ کاغذات بہت اہم نوعیت کے ہیں جنہیں میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔"

"ان کاغذات کو یہاں بھی منگوایا جا سکتا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مجھے اس کے سلسلے میں اپنے خاص وکیل سے کچھ ضروری مشورے بھی کرنے ہیں۔" اکبر علی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہت دنوں سے صرف سوچ سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ ان کاغذات کو مکمل کرا دوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ کون جانے کب آنکھ بند ہو جائے۔"

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟" عابد حسین بولے۔ "تمہیں کوئی خطرناک بیماری تو خدا نخواستہ ہے نہیں جس کا کوئی علاج ممکن نہ ہو۔ یہاں الہ آباد میں دسیوں ہارٹ اسپیشلسٹ موجود ہیں۔ ان سے مل کر بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے۔"

"وہ تو خیر سب تسلی کی باتیں ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی وصیت مرتب کر کے اسے آخری اور قانونی شکل دے دی جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"گویا صرف وصیت نامے کی غرض سے تمہیں کانپور واپس جانے کی جلدی ہے۔"

"ہاں .... کچھ اس کے علاوہ بھی ضروری کام دیکھنے ہیں۔" اکبر علی نے کہا پھر گہری سنجیدگی سے بولے۔ "عابد! اگر میں اپنی جائداد کا کچھ حصہ سمیرا کے نام کر دوں تو تم برا تو نہیں مانو گے۔"

"برا ماننے کی بھی ایک ہی رہی۔ سمیرا جیسے میری بیٹی ہے ویسے ہی تمہاری بھی ہے لیکن یہ جائداد اس کے نام کرنے کا خیال اس وقت کہاں سے آ گیا؟"

"کیوں، کیا وہ میری ہونے والی بہو نہیں ہے؟" اکبر علی بدستور سنجیدہ تھے۔

"اوہ..........." عابد حسین مسکرا دیئے۔ "جب وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔"

"تم نے بھابی صاحبہ کو میرا پہلا خط دکھا تو دیا تھا نا۔"

"ہاں۔"

"پھر، بھابی صاحبہ کا خیال ہے۔"

"جب تم نے اتنے حق کے ساتھ ایک بات تحریر کر دی تھی تو پھر اس میں سوچنے سمجھنے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔" عابد حسین بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"پھر بھی یہ مناسب ہو گا کہ تم کسی وقت کھل کر ان کی رائے معلوم کر لو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بات تمہارے یا بھابی صاحبہ کی مرضی کے خلاف ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر تم ہی کسی وقت گفتگو کر لو تو زیادہ اچھا ہے۔"

"تمہیں تو ندیم اور سمیرا کی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بھئی تم تو اس وقت اس قدر سنجیدہ نظر آ رہے ہو جیسے کل ہی ان دونوں کا عقد ہونے والا ہے۔" عابد حسین نے پہلو بدل کر مسکراتے ہوئے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

"میں یہی چاہتا ہوں کہ کانپور جانے سے پہلے اس نیک کام سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"اتنی جلدی؟" عابد حسین نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ بشرطیکہ تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"اعتراض کی بات تو نہیں ہے لیکن اتنی جلدی بھلا انتظامات کیسے ممکن ہیں۔"

"آپس کی شادیوں میں ان باتوں پر غور نہیں کیا جاتا۔" اکبر علی نے کہا۔ "رہا انتظامات کا مسئلہ تو وہ دو چار دن میں بھی بڑی آسانی سے مکمل کئے جا سکتے ہیں۔"

"لیکن............"

"مجھے توقع ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے۔" اکبر علی نے عابد حسین کے جملے کو کاٹتے ہوئے جلدی سے کہا پھر کچھ رک کر بولے۔ "میری جو حالت ہے وہ میں ڈاکٹروں سے بہتر سمجھ رہا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اپنی زندگی میں ندیم کا گھر آباد دیکھ لوں۔"

عابد حسین کو ندیم اور سمیرا کا جوڑ خود بھی بہت پسند تھا۔ نہ ہوتا تب بھی شاید وہ اکبر علی جیسے مخلص اور دیرینہ دوست کی بات سے انکار نہ کر پاتے۔ لیکن یہی خیال لاحق تھا کہ شادی کے بعد سمیرا اور ندیم دونوں کی تعلیم پر کہیں کوئی غلط اثر نہ پڑے۔

"اگر تم کسی خاص وجہ سے اس رشتہ پر آمادہ نہیں ہو تو صاف صاف بتا دو۔ خدا کی قسم میں برا نہیں مانوں گا۔" اکبر علی نے دوست کو خاموش پایا تو بے چینی سے بولے۔

"بخدا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عابد حسین نے کہا۔ "ندیم مجھے ہر اعتبار سے سمیرا کے لئے موزوں ترین نظر آیا ہے۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ وہ دونوں پہلے بی اے کر لیتے پھر شادی ہوتی تو زیادہ مناسب تھا۔"

"تعلیم کا سلسلہ شادی کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے۔"

"اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو پھر جیسا مناسب سمجھو کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ندیم اور سمیرا دونوں ہی تمہارے بچے ہیں۔"

اکبر علی کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ شدت جذبات اور فرط مسرت سے مغلوب ہو کر انہوں نے اٹھ کر عابد حسین کو گلے سے لگا لیا۔

بڑی دیر تک دونوں شادی کے مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر عابد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تم ذرا اپنی بھابی صاحبہ سے بھی کسی وقت گفتگو کر لو تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انہیں نظرانداز کر دیا گیا۔"

"بھابی صاحبہ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔"

"تم اعتراض کی بات کر رہے ہو اور ان کا اگر بس چلے تو وہ آج ہی سب کچھ کر ڈالیں۔"

"گویا مجھے زیادہ منت سماجت نہیں کرنی پڑے گی۔" اکبر علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"نصیرہ تو اسی وقت سے ادھار کھائے بیٹھی ہیں جب سے انہوں نے ندیم میاں کو دیکھا ہے۔"

"اور تم نے یہ بات مجھ سے اتنے دنوں تک چھپائے رکھی۔"

"لڑکی کا باپ جو ٹھہرا۔" عابد حسین مسکرا دیئے۔ "اپنی زبان کیسے کھول سکتا تھا۔"

اکبر علی اس جملے پر دل کھول کر ہنسے پھر بولے۔

"کیوں نہ بھابی صاحبہ سے اسی وقت جا کر ساری باتیں طے کر لوں۔"

"اگر دیور بھابی کے رشتے سے جا رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"فی الحال تو سمدھی کے رشتہ کی غرض سے جا رہا ہوں۔" اکبر علی نے اٹھتے ہوئے کہا پھر عابد حسین کو ہمراہ لے کر نصیرہ بیگم کے کمرے میں آ گئے۔

ایک گھنٹہ بعد جب اکبر علی نصیرہ بیگم کے کمرے سے نکلے تو ان کا چہرہ خوشی کے احساس سے تمتما رہا تھا۔

☆======☆======☆

ندیم کو عاصمہ کی طرف گئے کافی دن گزر گئے تھے۔

اکبر علی کے آ جانے سے اس کی مصروفیات ہی کچھ اس قدر ہو گئی تھیں کہ وہ عاصمہ سے ملنے کا کوئی موقع نہ نکال سکا۔ اگر وہ چاہتا تو عاصمہ سے کالج میں بھی مل سکتا تھا لیکن اس نے دیدہ دانستہ ایسا نہیں کیا۔ وہ عاصمہ کو کالج کے لڑکوں کے لئے ایک تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ پہلے کبھی کبھار وہ کالج میں راہ چلتے عاصمہ سے ایک دو بات کر لیا کرتا تھا لیکن جب سے وہ سمیرا کے ہاں آیا تھا اس نے کالج کے احاطے میں بھی عاصمہ سے گفتگو مناسب نہیں سمجھی تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اسے عاصمہ سے گفتگو کا موقع ہی نہ مل سکا تھا تو زیادہ مناسب ہو گا اس لئے کہ سمیرا ہمہ وقت اس کے ساتھ ساتھ لگی رہتی۔

کالج ایک ساتھ آنے جانے کی وجہ سے بھی وہ عاصمہ کے گھر نہیں جا سکا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ باپ کے چند روزہ الہ آباد کے قیام کے دوران انہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسی لئے کالج سے سمیرا کے ساتھ سیدھا گھر چلا جاتا۔

سمیرا اور ندیم کے اچانک اس قدر ساتھ ساتھ دیکھے جانے پر کالج کے لڑکوں میں طرح طرح کی افواہیں اڑی ہوئی تھیں لیکن ندیم ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیتا۔ ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے اڑا دیا کرتا۔ سمیرا نے اپنی سہیلیوں کے اصرار پر ندیم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ لڑکیوں سے اڑتی اڑتی یہ بات پورے کالج میں آگ کی طرح پھیل گئی کہ ندیم جسے اب تک غریب سمجھا جاتا تھا کروڑوں کی جائداد کا واحد مالک ہے چنانچہ لڑکوں کے سرکل میں اسے بہت سے ناموں سے یاد کیا جانے لگا تھا۔ کچھ لڑکوں نے اس کا نام "پرنس" رکھ دیا تھا۔ کچھ اسے "عمرو عیار" کے نام سے پکارتے تھے لیکن ایک گروپ ایسا بھی تھا جو ان باتوں کو ابھی تک فراڈ سمجھ رہا تھا۔

ندیم کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا وہ سب کی سنتا اور دل ہی دل میں مسکرا دیتا۔ اکثر وہ سوچتا کہ جب وہ عاصمہ کے ساتھ شادی کرے گا تو شاید لڑکوں کے ذہن منجمد ہو کر رہ جائیں گے۔

کالج میں تقریباً روز ہی عاصمہ سے اس کا آمنا سامنا ہوا کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے پھر اپنی اپنی راہ ہو لیتے لیکن ایک دو بار ندیم نے یوں بھی محسوس کیا تھا جیسے عاصمہ کی نگاہیں اس سے کچھ شکایت کر رہی ہوں۔ جیسے وہ ندیم سے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ شاید اسے ندیم کا سمیرا کے ساتھ یوں ہر وقت گھومتے رہنا اچھا نہیں لگا تھا۔ ندیم نے سوچا تھا کہ وہ عاصمہ سے مل کر اسے حالات سے آگاہ کر دے گا۔ اسے یقین تھا کہ عاصمہ حالات کی نزاکت جان لینے کے بعد اسے صدق دل سے معاف کر دے گی۔

اسے عاصمہ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا۔

عاصمہ کو اس نے روح کی گہرائیوں سے پیار کیا تھا۔

اپنا سمجھا تھا.......... اور

تمام زندگی کے لئے اپنا لینے کا عہد کر رکھا تھا۔

جب بھی عاصمہ کبھی کالج میں اس کے قریب سے گزرتی تو ندیم اس کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو بڑی والہانہ نظروں سے گھورتا اور دل ہی دل میں مسکرا دیتا۔ عاصمہ نے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کی دی ہوئی انگوٹھی کو اپنے ہاتھ سے کبھی جدا نہیں کیا تھا بلکہ اپنے وجود سے وابستہ کر رکھا تھا۔ ندیم اس اپنائیت اور وابستگی کی خاموش

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نشانی کو دیکھتا تو اس کا سینہ فخر سے تن جاتا۔ اس کی روح جھوم جھوم اٹھتی اور پھر وہ آنے والے مستقبل کے بارے میں جانے کیسے خوبصورت خوبصورت اور حسین حسین خواب دیکھنے لگتا۔

دو روز سے عاصمہ اسے کالج میں بھی نظر نہیں آئی تھی۔ ندیم کی بے چین نظروں نے اسے دیکھنے کے لئے کلاس کا کونا کونا چھان مارا لیکن عاصمہ غیر حاضر تھی اور ندیم اس کی غیر حاضری سے پریشان تھا۔ اس کے دل میں وسوسے جاگ اٹھتے وہ سوچتا۔ عاصمہ کالج کیوں نہیں آ رہی ہے۔ اٹنڈنس کے سلسلے میں تو وہ ہمیشہ بڑی پابند رہا کرتی تھی پھر اب کیا ہو گیا۔ وہ دو روز سے کالج کیوں نہیں آئی۔ کیا خدانخواستہ اس کی طبیعت ناساز ہے یا وہ ندیم سے ناراض ہو گئی تھی۔ کیا وہ اسے سمیرا کے ساتھ دیکھ کر خفا ہو گئی تھی۔

اور اپنی خفگی کے اسی خاموش اظہار کے طور پر اس نے کالج کا ناغہ کیا تھا۔

یہ دیکھنے کی غرض سے کہ ندیم پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

ہوتا بھی ہے یا نہیں۔

اور ندیم ان تمام باتوں کو سوچ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آج وہ کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر عاصمہ کی طرف ضرور جائے گا۔ عاصمہ اگر اس سے خفا ہوئی تو وہ اسے حالات بتا کر معذرت طلب کر لے گا۔ اسے منا لے گا۔

کالج سے سمیرا کے ساتھ گھر آیا تو وہاں کچھ مہمان خاتون پہلے سے موجود تھیں۔ سمیرا اندر چلی گئی۔ ندیم باپ کی طرف آیا تو وہ عابد حسین کے ساتھ بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ ندیم کچھ دیر ان کے پاس خاموش بیٹھا رہا پھر یہ کہہ کر اٹھ گیا کہ وہ ایک دوست سے ملنے جا رہا ہے۔

"واپسی کب تک ہو گی؟" اکبر علی نے سرسری طور پر پوچھ لیا۔

"جلدی ہی آ جاؤں گا۔"

"کھانے سے پہلے پہلے آ جانا ندیم میاں!" عابد حسین بولے۔

"جی اچھا۔" وہ بڑی سعادتمندی سے جواب دے کر باہر آ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر گرد و غبار دھویا جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے بکھرے بالوں کو سنوارا پھر گنگناتا ہوا باہر آ گیا۔ عاصمہ سے ملنے کے ارادے ہی نے اس کا موڈ بڑا خوشگوار کر دیا تھا۔ سیدھے سادے کپڑوں میں بھی وہ اس وقت بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔ پھاٹک سے نکلنے لگا تو ڈرائیور سے ملاقات ہو گئی۔

"کہاں جا رہے ہیں چھوٹے سرکار!" بوڑھے ڈرائیور نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔" ندیم مسکرا دیا۔

"میں چھوڑ آؤں چل کر۔"

"تمہیں زحمت تو نہ ہو گی۔"

"زحمت کیسی چھوٹے سرکار! آپ کی خدمت کر کے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔" ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

ندیم ایک لمحے کے لئے جھجکا پھر کچھ سوچ کر مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔ عام حالات میں شاید وہ کار کی پیشکش کو کبھی قبول نہ کرتا لیکن اس وقت تو وہ عاصمہ سے جلد از جلد ملنے کے لئے بے چین تھا اس لئے انکار نہ کر سکا۔

گاڑی عاصمہ کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر رکوا کر وہ نیچے اترا۔ پھر ڈرائیور کو رخصت کرنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا عاصمہ کے دروازے تک آ گیا۔ دل تھا کہ خوشی کے احساس سے جھومے جا رہا تھا۔ مکان کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا پھر مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ وہ عاصمہ کو اپنی اچانک آمد سے حیرت زدہ کر دینا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ جیسے ہی عاصمہ کے کمرے میں داخل ہوا اس کی ساری خوشی یکلخت ہی جیسے کافور ہو کر رہ گئی۔

عاصمہ اپنے بستر پر آنکھیں بند کئے چت لیٹی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ ان دو دنوں میں وہ بڑی نڈھال سی ہو کر رہ گئی تھی۔ پلنگ کے ساتھ والی میز پر دوا کی شیشی اور پانی کے گلاس پر نظر پڑی تو ندیم پشیمان ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ عاصمہ دو روز سے بیمار ہے اور میں اسے دیکھنے بھی نہیں آیا۔ کیا سوچا ہو گا اس نے۔

کچھ دیر وہ دروازے سے لگا کھڑا عاصمہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر ساجدہ خاتون کی آواز سنی تو چونک پڑا۔

"تم کب آئے بیٹا!"

"تسلیم امی!" ندیم نے کہا۔ "ابھی ابھی تو آیا ہوں۔ کیا عاصمہ کی طبیعت خراب ہے کچھ؟"

"ہاں بیٹا! دو روز سے بخار کی تپش نے بھون کر رکھ دیا۔ آج ذرا کچھ حالت سنبھلی ہے۔ بیٹھ جاؤ نا' تم کھڑے کیوں ہو۔"

ندیم آگے بڑھ کر عاصمہ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کسی ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔"

"نہیں۔" ساجدہ خاتون نے بجھی آواز میں کہا پھر جلدی سے بولیں۔ "برابر ہی تو کمیٹی والوں کا ہسپتال ہے' وہیں سے حال کہہ کر دوا لے آئی تھی۔"

"کچھ بتایا نہیں ڈاکٹر نے۔"

"نہیں۔ تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"رہنے دیجئے امی! اس وقت کچھ خواہش نہیں ہو رہی ہے۔"

"کہاں رہے اتنے دنوں؟" ساجدہ خاتون نے دبی زبان میں پوچھا۔ "میں تو روز ہی پوچھا کرتی تھی عاصی سے۔"

"والد صاحب آئے ہوئے ہیں کچھ دنوں سے اس لئے وقت نہیں ملا۔"

"مجھے یقین تھا کہ ضرور کوئی خاص وجہ ہو گی۔" ساجدہ خاتون نے کہا۔ پھر اٹھ کر عاصمہ کی پیشانی چھونے کے بعد بولیں۔ "اب تو خدا کے فضل سے بخار کچھ کم ہے۔"

ندیم نے عاصمہ کو غور سے دیکھا۔ ان دو دنوں میں وہ کیسی مضمحل اور کمزور ہو گئی تھی۔ چہرے کی ساری شگفتگی جیسے بخار کی نذر ہو کر رہ گئی تھی۔ چہرہ بھی زرد زرد سا ہو رہا تھا۔ ندیم کچھ سوچ کر جانے کے لئے اٹھا تو ساجدہ خاتون نے پوچھا۔

"کہاں چلے بیٹا! کیا عاصی کے جاگنے کا انتظار نہیں کرو گے۔"

"میں ابھی کسی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں امی جان!"

"کیا ضرورت ہے بیٹا اور پھر.........."

"میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں امی! کوئی غیر تو نہیں ہوں۔" ندیم نے کہا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر آیا تو عاصمہ جاگ چکی تھی۔ اس نے ندیم کو دیکھا تو ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ ڈاکٹر نے غور سے عاصمہ کا معائنہ کیا۔ انجکشن لگایا اور نسخہ لکھ کر جانے لگا تو ندیم نے پوچھا۔

"کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے ڈاکٹر!"

"جی نہیں۔ بخار تو معمولی ہے لیکن آپ ان سے کہیں کہ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالا کریں۔"

ندیم نے پلٹ کر عاصمہ کو دیکھا پھر ڈاکٹر کو دروازے تک چھوڑنے اس کے ساتھ گیا۔ واپس آیا تو ساجدہ خاتون بیٹی کے پاس موجود تھیں۔ ندیم کو دیکھ کر پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk

"کیا بتایا ڈاکٹر نے؟"

"اس کا کہنا ہے کہ عاصمہ صاحبہ دماغی کام کم کیا کریں۔ باقی سب خیریت ہے۔"

"تم نے بڑی زحمت کی بیٹا!"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔"

ساجدہ خاتون کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئیں تو ندیم نے مسکراتی نظروں سے عاصمہ کو دیکھا جو آنکھیں بند کئے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"عاصی!" اس نے عاصمہ کو آہستہ سے پکارا۔

"جی!" عاصمہ نے آنکھیں کھول لیں۔

"سنا تم نے ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کچھ ناراض ہو مجھ سے۔"

"جی نہیں۔"

"یہ جھوٹ بولنا کب سے شروع کر دیا ہے تم نے۔" ندیم نے بڑی اپنائیت سے کہا پھر اسے اپنے نہ آنے کی وجہ بتانے کے بعد بولا۔ "خدا گواہ ہے عاصی میرا دل ہر وقت تمہاری اور امی کی طرف لگا رہتا تھا۔"

"روزی بتا رہی تھی کہ آپ سمیرا کے ہاں منتقل ہو گئے ہیں۔" عاصمہ روانی میں پوچھ بیٹھی۔

"ہاں۔ میرے والد اور سمیرا کے والد آپس میں بہت گہرے دوست ہیں۔" ندیم بولا پھر کچھ سوچ کر اس نے عاصمہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"ان باتوں کا علم بھی مجھے ہو چکا ہے۔" عاصمہ نے بجھی آواز میں کہا۔ "شبہ تو اس روز بھی ہوا تھا جب آپ نے میرے لئے یہ انگوٹھی خریدی تھی۔"

"اس روز میں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ یہ انگوٹھی میرے لئے تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔" ندیم مسکرا کر بولا۔

"سمیرا کا کیا حال چال ہے؟"

"عاصی!" ندیم تڑپ اٹھا۔ عاصمہ کے جملے میں چھپے طنز کو محسوس کر کے وہ بے چین ہو گیا۔ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "عاصی! خدا کی قسم جو کچھ تم محسوس کر رہی ہو وہ بالکل غلط ہے۔ مجھے نہ سمیرا کی ذات سے پہلے کوئی دلچسپی تھی اور نہ اب ہے۔ اگر والد صاحب کا حکم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہ ہوتا تو میں کبھی بھی وہاں رہنے پر تیار نہ ہوتا۔"

عاصمہ نے ندیم کو بغور دیکھا تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ ندیم کی باتوں سے اسے سچے پیار اور خلوص کی مہک آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے عاصمہ کی بات سے دکھ پہنچا ہے۔ ہنستے ہنستے وہ کیسے ایکدم سے سنجیدہ ہو گیا تھا جیسے اسے عاصمہ سے کسی ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔

"میں جذبات کی رو میں بہک کر کوئی فیصلہ کرنے کا عادی نہیں ہوں عاصی! تین سال کے طویل عرصے میں شاید تم نے بھی یہ بات محسوس کر لی ہو گی کہ بناوٹ اور تصنع مجھے مطلق پسند نہیں ہیں۔ میں نے زندگی کو ہمیشہ بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔" ندیم روانی میں کہتا رہا۔ "یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ حالات اور واقعات مجھے جکڑ کر مجبور و بے کس کر دیں لیکن میری سوچوں پر کبھی کسی دوسرے کی حکومت ممکن نہیں۔ دل کے سودے میں بار بار کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" عاصمہ اس کے بھولپن پر مسکرا دی۔ پیار بھری نظروں سے اس کے سنجیدہ سنجیدہ پُروقار چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا کہیں دل کا سودا بھی کر بیٹھے ہیں۔"

"شاید۔" ندیم نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"ابھی نہیں .... وقت آنے دو پھر تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔"

"بتا دینے میں کیا حرج ہے۔" عاصمہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"فی الحال میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں عاصی کہ تم نے جن باتوں کا اثر اپنے ذہن پر لے کر یہ حالت بنا لی ہے اس سے میرے اعتماد کو شدید جھٹکا لگا ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے کہ میرے ذہن کو کس بات سے دکھ پہنچا ہے۔" عاصمہ نے زیر لب پوچھا۔

"اتنا بچہ تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکے۔" ندیم بدستور سنجیدہ تھا۔

"یہ نہیں بتایا آپ نے کہ دل کا سودا کہاں کر بیٹھے ہیں۔" عاصمہ نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔" ندیم نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کسی کے دل کا حال بھلا کیا جان سکتی ہوں۔"

"خود اپنے دل کا حال تو جانتی ہو نا۔"

"وہ تو ہر شخص جانتا ہے۔" عاصمہ نے شرما کر نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔

"پھر اپنے دل سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔" ندیم نے عاصمہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو وہ شرما کر رہ گئی۔

ندیم اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

ساجدہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بیٹی کو خوش دیکھا تو وہ خود بھی خوش ہو گئیں۔ ندیم آٹھ بجے تک بیٹھا عاصمہ اور ساجدہ خاتون سے مزے مزے کی باتیں کرتا رہا پھر اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

اس رات عاصمہ کو بڑے سکون کی نیند آئی تھی۔

☆======☆======☆

گھر میں جو کھچڑی پک رہی تھی اس کی بھنک تھوڑی بہت سمیرا کو بھی ملتی رہتی تھی لیکن ادھر دو ایک روز سے تو وہ خاص طور پر محسوس کر رہی تھی کہ اب نصیرہ بیگم بھی زیادہ تر اکبر علی اور عابد حسین کے ساتھ وقت گزار رہی تھیں۔ پہلے ان کی باتوں میں گھر کا ہر فرد شریک ہو سکتا تھا مگر اب بند کمرے کے مشورے شروع ہو گئے تھے۔

سمیرا کو ان باتوں سے نہ تو کوئی روحانی مسرت حاصل ہوئی تھی نہ ہی اسے افسوس ہوا تھا۔ وہ صرف یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی کہ شادی کے بعد بھی لاکھوں میں کھیلے گی۔ اس کے آرام اور اس کی آسائشوں میں کوئی فرق نہیں آنے پائے گا۔ ندیم کے سلسلے میں اس نے پہلے ہی ایک اٹل فیصلہ کر رکھا تھا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ساحر کا دیوان دیکھ رہی تھی کہ اس کی بوڑھی آیا ہانپتی کانپتی کمرے میں داخل ہوئی۔ چہرہ مارے خوشی کے تمتمایا جا رہا تھا۔ سمیرا کے قریب آ کر بولی۔

"بٹیا .... مبارک ہو .... سلامت رہو۔"

"کیا بیہودگی ہے آیا! کیوں بلاوجہ دماغ چاٹ رہی ہو۔" سمیرا نے تنگ کر جواب دیا۔

"بلاوجہ کیوں بٹیا!" آیا پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "اگر تم کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو چل کر اپنے کانوں سے سن لو۔"

"کچھ پتہ بھی تو چلے کہ آخر مبارک سلامت کس بات کی ہے۔" سمیرا نے دیوان بند

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہوئے آپا کو گھورا جس کا چہرہ خوشی کے مارے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

"اے لو بٹیا! بھلا تمہارے رشتے کی بات سے بڑھ کر بھی میرے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے۔"

"اچھا۔" سمیرا مسکرا دی۔ "تو کیا میرے رشتے کی بات طے ہو گئی ہے۔"

"اور نہیں تو کیا۔ میں اپنے کانوں سے ابھی بڑی بیگم اور صاحب کی بات سن کر آ رہی ہوں۔"

"اوہ .... جبھی لال بھبھوکا بنی ہوئی ہو۔"

"بات جو ایسی ہے بٹیا!" آپا بولی۔ "یہی تو ایک ارمان باقی رہ گیا تھا کہ تمہیں دلہن بنا دیکھ لوں۔"

"پھر .... کب تک تمہارا ارمان پورا ہو رہا ہے۔" سمیرا نے بڑی خوبصورتی سے کریدا۔

"کیا تمہیں سچ مچ کچھ نہیں معلوم بٹیا!"

"معلوم ہوتا تو تم سے بھلا کیوں پوچھتی۔"

آپا سمیرا کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قمیض میں اڑسا ہوا بٹوہ نکال کر اس نے پان کا سوکھا مصالحہ منہ میں ڈالا پھر بٹوہ بند کرتے ہوئے بولی۔

"ایک بات پوچھوں بٹی! بتاؤ گی؟"

"کیا بات ہے؟"

"ندیم میاں تم کو بُرے تو نہیں لگتے۔"

"کیا مطلب؟" سمیرا چہرے پر بناوٹی سنجیدگی بکھیرتے ہوئے بولی۔ "یہ اس وقت تم ندیم کا قصہ کہاں سے نکال بیٹھیں۔"

"اے لو بٹی .... بھلا بے دولہا کے بھی کہیں بارات آئی ہے۔" آپا نے جلدی سے کہا۔ "اپنے ندیم میاں کے ساتھ ہی تو تمہارے رشتے کی بات پکی ہوئی ہے۔"

"کیا بات بالکل طے ہو گئی۔" سمیرا بدستور چہرے پر مصنوعی سنجیدگی بکھیرے بکھیرے بولی۔

"تم بات کی پوچھ رہی ہو بٹیا اور وہاں تو دن تاریخ بھی طے ہو گئی ہے۔ اللہ نے چاہا تو اگلے سنیچر کو تم دلہن بنی بیٹھی ہو گی۔"

"اتنی جلدی؟" سمیرا سچ مچ حیرت سے بولی۔

"ہاں بٹی! ابھی یہی باتیں تو طے ہو رہی ہیں۔" آپا نے کہا۔ "ندیم میاں کے ابا تو اور بھی جلدی کے لئے ضد کر رہے تھے لیکن اپنی بیگم صاحبہ نے سنیچر کا دن طے کیا ہے۔"

"تمہارے کان بجے ہوں گے۔ بھلا اتنی جلدی سب کچھ کیسے طے ہو سکتا ہے۔"

"گھر کی بات ہی تو ہے۔" آپا نے مسکرا کر کہا۔ "دلہن بنا کر تمہیں ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک پہنچا دیا جائے گا اور کون سا انتظامات ہونے ہیں۔"

سمیرا کو آپا کی زبانی یہ خبر سن کر نہ جانے کیوں بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ ندیم سے محبت کرنے لگی تھی یا اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور اس کے لئے محال ہو رہا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ آزادی کی متمنی تھی اور اسے یقین تھا کہ ندیم سے شادی کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے اس پر مکمل برتری حاصل ہو گی بلکہ آزادی بھی میسر آ جائے گی۔

اگر کوئی خیال ستا رہا تھا تو وہ بس جلدی کا تھا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ چونکہ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی لڑکی ہے اس لئے اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گی۔ مہینوں پہلے سے تیاریاں شروع ہوں گی۔ گھر میں ہر وقت ہنگامہ رہے گا۔ سہیلیوں کے جھرمٹ اسے گھیرے میں لئے ہنسی مذاق کریں گے۔ آٹھ دس روز پہلے سے کوٹھی کو برقی قمقموں سے کسی دلہن ہی کی طرح سجایا جائے گا۔ کئی روز تک شہنائیوں کی آواز گونجے گی لیکن آپا کی زبانی سنیچر کا سن کر اسے الجھن سی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگی۔

آخر اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے امی کو۔

اس سے تو کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا گیا تھا .... اور

اگلے سنیچر میں اب دن ہی کتنے رہ گئے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہو بٹیا!" آپا نے سمیرا کو خاموش دیکھا تو مسکراتے ہوئے بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تمہارے دل پر کیا بیت رہی ہو گی۔"

"دفع ہو جاؤ' یہاں سے۔" سمیرا چڑ سی گئی۔

"سمیرا بٹی! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" آپا نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "اتنے دنوں سے تمہاری خدمت کرتے کرتے تم سے پیار سا ہو گیا۔ تم اگر مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تو میرا دل نہیں لگے گا۔"

سمیرا کو جھلاہٹ کے باوجود آپا کے جملے پر ہنسی آ گئی۔ مسکرا کر بولی۔ "اچھا ....

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لے چلوں گی تم کو بھی اپنے ساتھ۔"

"جیتی رہو بیٹی! دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ خدا نصیب اچھا کرے۔ زندگی کی بہاریں دیکھنی نصیب ہوں۔" آپا نے ایک ہی سانس میں سمیرا کو نہ جانے کیا کیا دعائیں دے ڈالیں۔

"تم نے ندیم سے تو ابھی کچھ نہیں کہا نا۔" سمیرا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"نا بی بی! قسم لے لو جو میں نے ندیم کے سامنے شادی کے سلسلے میں زبان بھی کھولی ہو۔"

"امی جان کہاں ہیں اس وقت؟"

"بڑے صاحب کے کمرے میں۔ ندیم میاں کے ابا بھی وہیں بیٹھے ہیں۔"

"اچھا .... اب تم جا کر اپنا کام کرو۔ خبردار جو کسی کو اس بات کی بھنک بھی ملی کہ تم نے امی اور ابا کے درمیان ہونے والی باتوں کا تذکرہ مجھ سے کیا ہے۔"

"نہیں کروں گی بٹیا!" آپا نے اٹھ کر سمیرا کی بلائیں لیں پھر دعائیں دیتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

سمیرا بڑی دیر تک اپنی مسہری پر نیم دراز آپا کی بتائی ہوئی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی پھر اٹھی اور ندیم کے کمرے میں آ گئی۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے چین تھی کہ اس خبر کا علم ندیم کو بھی ہے یا نہیں اور ہے تو اس نے ان باتوں کا کیا اثر لیا ہے۔

ندیم کمرے میں کھڑکی کے قریب کھڑا باہر خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا قدموں کی آہٹ پر چونک کر پلٹا تو سمیرا اس کے قریب آ چکی تھی۔

"کہاں کھوئے ہوئے تھے جناب!" سمیرا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یونہی ذرا وقت گزارنے کے لئے ادھر کھڑا ہو گیا تھا۔"

"کھانا کھا لیا آپ نے؟"

"جی نہیں۔" ندیم نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "آپ لوگوں کے بغیر کیسے کھا سکتا ہوں۔"

"اب تو آپ کو بہت زیادہ خیال رہنے لگا ہے ہم لوگوں کا۔" سمیرا مسکرائی۔

"جہاں تک احترام کا تعلق ہے وہ پہلے بھی تھا۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔ "اور اب تو ویسے بھی آپ لوگوں کا احترام میرے اوپر فرض ہو گیا ہے۔"

"اب کوئی خاص بات ہو گئی ہے کیا۔"

"جی ہاں .... نمک جو کھا لیا ہے۔"

"لیکن انکل نے تو کہا تھا کہ آپ اگر نمک کھا لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

"مجھے یاد ہے۔" ندیم اخلاقاً مسکرا دیا۔

سمیرا کے آ جانے سے اس کے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا تھا ورنہ وہ عاصمہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ صرف عاصمہ ہی کے بارے میں نہیں بلکہ اپنے اور عاصمہ دونوں کے بارے میں۔ وہ حالات کے پیش نظر بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ کسی طرح باپ کو اپنی مرضی سے مطلع کر دے۔ انہیں بتا دے کہ اس نے اپنے لئے ایک شریکِ زندگی کا انتخاب کر لیا ہے اور اس بات کی ضرورت وہ اس لئے محسوس کر رہا تھا کہ عابد حسین اور نصیرہ بیگم کی نوازشات اس پر بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اتنا بچہ نہیں تھا کہ ان باتوں کا مقصد نہ سمجھ پاتا اور پھر ادھر دو ایک روز سے عابد حسین اور اکبر علی کے درمیان لمبی لمبی ملاقاتوں نے تو اسے اور بھی چونکا دیا تھا۔

وہ کسی ایسے موقع کا انتظار کر رہا تھا جب باپ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکے۔ اپنا سینہ چیر کر دکھا سکے اور انہیں بتا سکے کہ اس نے عاصمہ کو روح کی گہرائیوں سے پیار کیا ہے اور ان سے التجا کر سکے کہ وہ اس کا مستقبل عاصمہ کے سوا کسی اور سے وابستہ کرنے کی کوشش نہ کریں اس لئے کہ وہ عاصمہ کے سوا کسی اور کے ساتھ زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

"سنا ہے آپ کا کوئی دوست بیمار ہے۔" سمیرا نے موضوع بدل کر پوچھا تو ندیم چونک پڑا۔

"جی ہاں، ٹھیک سنا ہے آپ نے۔" اس نے سمیرا کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کون دوست ہے؟"

"ہے کوئی۔" ندیم کے ہونٹوں پر ایک دلنواز سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ عاصمہ کے تصور نے جیسے اس کے خیالات کو گدگدا دیا تھا۔

"کیا میں نہیں جانتی اسے۔"

"ممکن ہے جانتی ہوں۔"

"کیا نام ہے آپ کے دوست کا؟"

ندیم کے ہونٹوں تک عاصمہ کا نام آتے آتے رہ گیا۔ جلدی سے بات بنا کر بولا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ انکل اور ڈیڈی کی کانفرنس کب تک ختم ہو گی۔"

"کیوں؟" سمیرا کا دل دھڑکنے لگا۔

"بڑی شدت سے بھوک لگ رہی ہے۔"

"اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو چل کر میرے ساتھ کھا لیجئے۔" سمیرا شوخی سے بولی۔ "ڈیڈی اور انکل وغیرہ اپنی کانفرنس سے نپٹ کر کھا لیں گے۔"

"آپ کے ساتھ کھا لینے میں مجھے مطلق کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن خدشہ اس بات کا ہے کہ ڈیڈی کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔"

"اس میں ناراضگی کی تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کچھ دیر اور انتظار کئے لیتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" سمیرا نے کہا پھر پوچھا۔ "آپ نے اپنے دوست کا نام نہیں بتایا اب تک۔"

"نام بتانے کے بجائے میں عنقریب اسے آپ سے ملا دوں گا۔" ندیم زیر لب مسکرایا۔

"کوئی خاص دوست ہے کیا۔"

"جی ہاں' بہت ہی خاص۔"

"پھر تو میں بڑی بے چینی سے اس سے ملاقات کا انتظار کروں گی۔"

ملازم نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی کہ کھانے پر ان کا انتظار ہو رہا ہے تو ندیم سمیرا کے ساتھ ڈائننگ روم میں آ گیا جہاں گھر کے دوسرے بزرگ پہلے ہی سے موجود تھے۔

اکبر علی نے مسکراتی نظروں سے سمیرا کو دیکھا تو وہ بھی ہنس دی لیکن جب عابد حسین اور نصیرہ بیگم نے ندیم کو مسکراتی نظروں سے دیکھا تو وہ یکلخت چونک کر سنجیدہ ہو گیا۔ تصور کے دائرے پھیل کر وسیع ہوئے تو وہ کانپ اٹھا۔ شاید وہ عابد حسین اور نصیرہ بیگم کی مسکراہٹ کا مفہوم بھانپ گیا تھا۔

کھانے کی میز پر آج خلافِ توقع اس نے خود کو بہت لئے دیئے رکھا تھا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن کالج کی چھٹی ہوئی تو سمیرا اور ندیم ایک ساتھ باہر آئے۔ صدر دروازے پر سمیرا کی گاڑی اس کی منتظر تھی۔ بوڑھے ڈرائیور نے انہیں آتا دیکھ کر جلدی

سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ سمیرا نے حسب معمول ندیم کی طرف دیکھا جو کار کے قریب پہنچ کر رک سا گیا تھا۔

"خیریت!" سمیرا ذرا سی مسکرائی۔ "کیا سوچ رہے ہیں؟"

"آج آپ اکیلی چلی جایئے سمیرا! میں شام تک آؤں گا۔"

"کہیں جانا ہے آپ کو۔"

"ہاں' ذرا اپنے دوست سے ملنے جاؤں گا۔"

"چلئے میں چھوڑے دیتی ہوں آپ کو۔"

"زیادہ دور نہیں اس کا گھر۔ میں پیدل ہی چلا جاؤں گا۔"

"آپ کی مرضی۔" سمیرا گاڑی میں بیٹھنے لگی تو روزی اور ماہ منیر ہنسی بولتی قریب آ گئیں۔

"کیا آج ندیم صاحب نہیں جا رہے ہیں تمہارے ساتھ۔" روزی نے ہنس کر سمیرا سے پوچھا۔

"انہیں کسی دوست سے ملنا ہے۔"

"پھر تو آج ہم لوگوں کو لفٹ مل سکتی ہے۔" ماہ منیر نے چوٹ کی۔

"بڑے شوق سے۔" سمیرا بولی۔ "آ جاؤ اندر' میں تمہیں راستے میں ڈراپ کرتی چلوں گی۔"

ماہ منیر دروازہ کھول کر سمیرا کے برابر بیٹھ گئی۔ روزی نے ندیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا شاگرد دو تین دن سے نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"جی۔" ندیم گڑبڑا گیا۔ جلدی سے خود پر قابو پا کر بولا۔ "کس شاگرد کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

"آئی سی۔" روزی نے بڑی شوخی سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔ "کیا عاصمہ کے علاوہ اور بھی شاگرد بنا رکھے ہیں آپ نے۔"

"ارے ہاں' میں تو بھول ہی گئی۔" ماہ منیر اندر سے بولی۔ "ندیم صاحب سے اس بات کی مٹھائی بھی تو کھانی ہے کہ ان کے شاگرد رشید نے تمام مضامین میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔"

"سنا ہے عاصمہ کچھ بیمار ہے جو کالج نہیں آ رہی ہے۔" روزی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آج سلطانہ بتا رہی تھی۔ عاصمہ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بڑی معلومات رکھتی ہیں آپ دوسروں کے بارے میں۔" ندیم نے روزی کو ٹالنے کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے بغیر کھانا جو ہضم نہیں ہوتا۔" ماہ منیر نے ٹھنڈی سانس بھری تو روزی بے اختیار ہنس دی۔

"کیا آپ عاصمہ کی طرف جا رہے ہیں۔" سمیرا نے چبھتے ہوئے لہجہ میں ندیم کو مخاطب کیا۔

"پہلے تو ارادہ نہیں تھا لیکن اب اگر موقع ملا تو ہو لوں گا تھوڑی دیر کے لئے۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ سمیرا کی تلخ مسکراہٹ اسے کچھ زیادہ ہی گراں گزری تھی۔

"اگر یاد آ جائے تو میری طرف سے بھی پوچھ لیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔" ندیم نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ایک بات پوچھوں ندیم صاحب!" روزی کے لہجے سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"ضرور پوچھئے۔"

"کیا آپ نے عاصمہ کا گھر بھی دیکھ رکھا ہے؟"

ماہ منیر نے زور سے قہقہہ لگایا تو ندیم بھی مسکرا دیا۔ روزی ہنستی ہوئی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ ندیم نے اچٹتی ہوئی نگاہوں سے سمیرا کو دیکھا پھر تیزی سے دوسری سمت گھوم گیا۔

تمام راستے اسے سمیرا کی آنکھوں کا تجسّس اور اس کے جملے کا طنز یاد آتا رہا۔ روزی اور ماہ منیر نے اگر عاصمہ کا تذکرہ نہ چھیڑا ہوتا تو شاید وہ اپنی زبان سے سمیرا کو کبھی یہ نہ بتاتا کہ وہ کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ عاصمہ کی محبت کو اپنے دل کی گہرائیوں تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا لیکن جب روزی کے جملے پر سمیرا نے طنز کیا تو وہ چپ نہ رہ سکا۔

بکھرے بکھرے خیالات کو سمیٹتا وہ عاصمہ کے گھر پہنچا تو طبیعت یکلخت خوش ہو گئی۔ عاصمہ کی کیفیت اب کل کے مقابلے میں بدرجہا بہتر نظر آ رہی تھی۔ محض کمزوری باقی رہ گئی تھی۔ ندیم جس وقت دبے قدموں اس کے کمرے میں داخل ہوا اس وقت عاصمہ کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھی کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ دوپٹہ گود میں یوں پڑا تھا کہ اس کا ایک سرا عاصمہ کے شانے پر بھی تھا۔ اپنے خیالات میں گم بھولی بھولی سی عاصمہ اس وقت ندیم کو بڑی پیاری لگی کچھ دیر وہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر دبے قدموں اس کی پشت پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ رسالے پر نظر ڈالی تو بے اختیار مسکرا دیا۔ عاصمہ ایک نظم کو بڑی توجہ سے پڑھ رہی تھی جس کا عنوان تھا

"کب آؤ گے؟"

"بند کر دیجئے اب اس صفحے کو۔" ندیم نے ذرا سا جھک کر عاصمہ کے کانوں کے پاس کہا۔

اور عاصمہ ندیم کی آواز سن کر ایکدم ہی جیسے چونک اٹھی۔ نظر گھما کر ندیم کو دیکھا تو بری طرح شرما گئی۔ رسالے کو بند کر کے جلدی سے میز پر پھینک دیا۔ دل کی دھڑکنیں جانے کیوں یکلخت تیز ہو گئی تھیں۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں سے دبائے وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ندیم سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ چہرہ فرطِ مسرت اور حیا آلود مسکراہٹ سے سرخ ہو رہا تھا۔

ندیم ایک لمحے کے لئے اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر مسکراتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ عاصمہ کچھ اور سمٹ کر رہ گئی۔

"آج تو چشم بددور تم کل سے بہت بہتر نظر آ رہی ہو۔" ندیم نے بیٹھتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"کسی کی مسیحائی کام آ گئی۔" عاصمہ روانی میں کہہ گئی۔

"کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"ڈاکٹر۔" عاصمہ جلدی سے بات بنا کر بولی۔ "وہی جو کل مجھے دیکھنے آیا تھا۔"

"مجھے کیا خبر تھی، ورنہ ساتھ ہی لیتا آتا۔" ندیم شوخی سے بولا۔

"اب ضرورت نہیں ہے اس کی۔"

"کیوں؟"

"آرام جو آ گیا ہے۔" عاصمہ نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کنکھیوں سے ندیم کی طرف دیکھا۔

"اعتماد بھی آیا یا نہیں۔" ندیم نے سرگوشی کی۔

"مریض کو ہر حال میں اپنے مسیحا پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔"

"کوئی زبردستی تو نہیں ہے۔"

"نہ سہی لیکن مریض تو مریض ہی ہوتا ہے۔ اگر مسیحا پر اعتماد نہ کرے تو کیا کرے۔"

"یہ شاعری کا شوق کب سے ہو گیا ہے تمہیں۔" ندیم مسکرایا۔

"وقت گزارنے کی خاطر رسالہ اٹھا لیا تھا ورنہ ایسی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"عنوان اچھا تھا اس نظم کا............ کب آؤ گے۔"

"آج کالج سے سیدھے ادھر ہی آ گئے ہیں شاید۔" عاصمہ نے جلدی سے موضوع بدل کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اگر اجازت ہو تو دال روٹی پیش کروں۔"

"شکریہ!" ندیم نے شوخی سے جواب دیا۔ "اب بھوک نہیں رہی۔"

"امی پڑوس میں گئی ہیں۔ بلا لاؤں انہیں۔"

"کیوں' کیا تنہائی میں میرا بیٹھنا برا لگ رہا ہے۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"غلط سمجھے آپ۔" عاصمہ جلدی سے بولی۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ شاید امی کے کہنے سے آپ کھانا کھا لیں۔"

"تمہارے کہنے سے بھی کھا لیتا لیکن خواہش نہیں ہو رہی ہے۔"

"اور کیا حال ہے کالج کا؟"

"تمہارے بغیر سُونا سُونا لگتا ہے۔"

عاصمہ ندیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا جملہ سنا تو بری طرح شرما گئی۔ دوپٹہ سنبھال کر جانے کے لئے اٹھی تو ندیم نے پہلی بار بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ عاصمہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"عاصی!"

"جی۔" عاصمہ کا سارا وجود جیسے گنگنا اٹھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" ندیم بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"کہئے۔" عاصمہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

"پہلے وعدہ کرو کہ جو کچھ میں کہوں گا اس کا کوئی غلط مطلب نہیں نکالو گی۔"

"کوئی خاص بات ہے۔" عاصمہ کا دل نہ جانے کیوں سہم گیا۔

"ہاں۔ میں آج تم سے بہت سی باتیں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔"

عاصمہ نے پلکیں اٹھا کر ندیم کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کو دیکھا پھر جلدی سے کچھ سوچ کر نظریں نیچی کر لیں۔ دل تھا کہ دھڑکے جا رہا تھا۔

"عاصی!" ندیم نے دبی زبان میں کہنا شروع کیا۔ "میں آج تم سے کچھ مانگ لینا چاہتا ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk

"کیا؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ تم انکار نہیں کرو گی۔"

"آپ کو شبہ کیوں ہے؟"

"ڈرتا ہوں کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔"

"میں آپ سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی ندیم۔" عاصمہ نے جیسے خواب کی کیفیت میں جواب دیا۔

"عاصی! میں .... میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ کے لئے میری بن جاؤ۔" ندیم ڈرتے ڈرتے حرفِ مدعا زبان تک لے ہی آیا۔

عاصمہ کو یوں لگا جیسے کاتب تقدیر نے ایک دم ہی سے اس کے سارے خواب جیسے پورے کر دیئے ہوں۔ ندیم کی بات سن کر وہ چھوئی موئی کی طرح سمٹ کر رہ گئی۔ پنڈا حیا کی سرخی سے تپ کر گلنار ہو گیا۔ آہستہ سے اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو ندیم نے گرفت مضبوط کر لی۔

"عاصی! تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

عاصمہ خاموش رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو عاصی!"

عاصمہ اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی رہی۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے عاصی! لیکن اگر تمہیں منظور نہ ہو تو صاف صاف بتا دو۔"

"ندیم!" وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔

"میری بات ناگوار تو نہیں گزری تمہیں؟"

"نہیں۔" وہ دھیمے سے بولی۔

"ایک وعدہ اور کرو عاصی!" ندیم بولا۔ "تم میری انگوٹھی کو کبھی اپنے وجود سے علیحدہ نہیں کرو گی خواہ حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔"

"اچھا۔"

باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی تو ندیم نے عاصمہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ عاصمہ گھبرا کر جلدی سے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم کب آئے بیٹا!" ساجدہ خاتون نے اندر آ کر ندیم سے پوچھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ابھی ابھی آیا ہوں امی!" ندیم مسکرا کر بولا۔ "آج تو عاصمہ کی طبیعت بہتر نظر آ رہی ہے۔"

"تمہاری عنایت کا کرشمہ ہے بیٹا!" ساجدہ خاتون نے کہا۔ "بخار تو کل تمہارے جاتے ہی اتر گیا تھا۔ بس کمزوری رہ گئی ہے۔"

"دوا پی تھی انہوں نے۔" ندیم نے عاصمہ کو دیکھتے ہوئے ساجدہ خاتون سے پوچھا۔

"صبح ایک خوراک پی تو تھی لیکن دوپہر کی خوراک ابھی تک نہیں پی۔"

"کیا پھر بیمار پڑنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی وقت کہاں ہوا۔" عاصمہ جلدی سے بولی۔

"یہ کیوں نہیں کہتیں کہ دوا زیادہ کڑوی ہے۔" ساجدہ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کل کی ہی کیسی مصیبت سے تم نے دو خوراک پی ہے۔"

عاصمہ مسکرا کر خاموش ہو رہی تو ندیم بولا۔

"امی! دوا اگر کڑوی ہے تو اس میں چینی ملا دیا کریں۔ بچوں کے ساتھ اکثر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔"

"اب ایسا بھی نہیں کہ میں چینی کے بغیر دوا نہ پی سکوں۔" عاصمہ نے کہا۔ "ویسے یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر نے جو دوا دی ہے وہ انتہائی کڑوی اور کسیلی ہے۔ سارا منہ خراب ہو جاتا ہے۔ آپ ذرا سا چکھ کر دیکھ لیں اگر تھو تھو کرتے نہ بھاگیں تو میرا ذمہ۔"

"چکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" ندیم نے کہا۔ "کبھی بیمار پڑا تو تجربہ کر لوں گا۔"

"خدا نہ کرے جو تم بیمار پڑو۔" ساجدہ خاتون جلدی سے بولیں۔ "بری بات ہے بیٹا ایسی بات کبھی مذاق میں بھی منہ سے نہیں نکالا کرتے۔"

"امی جان! یہ آپ کے آنے سے پہلے بھی یہی کہہ رہے تھے۔" عاصمہ نے موقع پا کر ندیم کو چھیڑا۔

"نہ بیٹا! ایسی فال منہ سے نہ نکالا کرو۔"

"ذرا زور سے ڈانٹیں نا امی! آپ تو جیسے لاڈ کر رہی ہیں۔" عاصمہ نے ماں سے کہا۔

"کیوں نہ کروں لاڈ' ندیم بھی تو آخر میرا بیٹا ہے۔" ساجدہ خاتون بڑے پیار سے بولیں۔

ندیم سارا دن عاصمہ کے پاس رہا۔ ساجدہ خاتون کے اصرار پر اس نے دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھا لیا پھر شام کی چائے پی کر اٹھنے لگا تو اس کی کہنی میز پر رکھی پیالی سے ٹکرا گئی

www.pdfbooksfree.pk

اور شیشے کے ٹکڑے زمین پر گر کر چکنا چور ہو گئے۔ ندیم کو نہ جانے کیوں ایسا لگا جیسے وہ کانچ کی پیالی نہیں ٹوٹی تھی بلکہ اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سہم کر رہ گیا۔

ساجدہ خاتون نے اسے افسردہ پایا تو جلدی سے بولیں۔

"تم کس بات کا فکر کر رہے ہو بیٹا! اچھا ہوا تمہارا صدقہ اتر گیا۔"

لیکن ندیم کو نہ جانے کیوں پیالی کے ٹوٹ جانے سے دکھ ہوا تھا۔ ساجدہ خاتون کی خاطر وہ زبردستی مسکرا دیا مگر جتنی دیر وہ وہاں رہا الجھا الجھا سا رہا پھر اجازت لے کر گھر آ گیا۔ واپسی میں تمام راستے وہ اس بات پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا کہ اب اسے موقع نکال کر باپ سے عاصمہ کے سلسلے میں کھل کر گفتگو کر لینی چاہئے۔

دھڑکتے ہوئے دل سے اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے کپڑے تبدیل کئے پھر منہ ہاتھ دھو کر بستر پر لیٹا ہی تھا کہ ملازم نے اندر داخل ہو کر بتایا کہ اکبر علی اسے اپنے کمرے میں یاد کر رہے ہیں۔

ندیم جلدی سے اٹھ کر باپ کے کمرے میں آ گیا۔

"تسلیم عرض کرتا ہوں ابا جان!" اس نے بڑے ادب سے باپ کو سلام کیا پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جیتے رہو بیٹا!" اکبر علی نے بستر پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "کہاں چلے گئے تھے تم؟ دوپہر کھانے پر بھی نہیں آئے۔"

"ایک دوست کی تیمارداری کی غرض سے چلا گیا تھا۔"

"ہاں' سمیرا نے بتایا تھا مجھے۔" اکبر علی نے کہا۔ پھر کچھ توقف کے بعد بولے۔ "میں نے اس وقت تم کو ایک ضروری بات کرنے کی غرض سے بلایا ہے۔"

ندیم نے غور سے باپ کی طرف دیکھا پھر گردن جھکا لی۔

"ادھر کچھ دنوں سے مجھے تمہاری ماں بہت یاد آ رہی ہیں۔" اکبر علی بولے۔ "کل رات میں نے انہیں خواب میں بھی دیکھا۔ بہت بے چین نظر آ رہی تھیں۔"

"ابا جان!" ندیم نے باپ کے لہجے میں افسردگی پائی تو جلدی سے کہا۔ "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ قدرت کے کاروبار میں بندے کا کیا دخل۔ آپ خوش رہنے کی کوشش کیا کریں ورنہ آپ کی صحت پر برا اثر پڑے گا۔"

"کوشش تو کرتا ہوں بیٹا لیکن اب جی نہیں لگتا۔"

"مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں آپ .... میں جو ہوں آپ کی خدمت کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لئے۔"

"خدا تم کو سلامت رکھے۔" اکبر علی نے ٹھنڈی سانس لی پھر بولے۔ "ندیم بیٹا! میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی تمہارا سہرا دیکھ لوں۔ موت اور زندگی کا بھلا کیا اعتبار۔"

"ابا جان! خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔"

"اس لئے تو میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تمہارا گھر آباد کر دوں تاکہ کم از کم تمہارے دکھوں کا سہارا دینے والا تو کوئی ہو جائے۔"

"ابا جان!" ندیم کا دل بھر آیا۔

"میں زندگی سے مایوس نہیں ہوا بیٹے لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہاری شادی کی حسرت دل ہی میں نہ رہ جائے اسی لئے میں نے عابد حسین اور نصیرہ بیگم سے تمہارے رشتہ کی بات طے کر لی ہے۔"

ندیم کو باپ کی بات سن کر یوں لگا جیسے کسی نے اس کے ذہن پر آہنی ہتھوڑے سے ضرب لگا کر بالکل نڈھال کر دیا ہو۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑے وہ باپ کی شکل تکنے لگا۔

"سمیرا ہر لحاظ سے تمہارے لئے مناسب رہے گی۔" اکبر علی بولے۔ "عابد میرے بچپن کے دوستوں میں سے ہیں اسی لئے میں نے زور ڈال کر انہیں تیار کر لیا ہے۔ نصیرہ بیگم نے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی لیکن وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ شادی کے بعد پڑھائی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔"

ندیم گنگ سا رہ گیا۔ اتنی جلدی اس کے سنہرے خوابوں کی آباد دنیا لٹ جائے گی۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کانپور جانے سے پہلے تمہارے سر پر سہرا دیکھ لوں۔ چنانچہ میں نے عابد اور نصیرہ کو اب کی سنیچر کے لئے آمادہ کر لیا ہے۔" اکبر علی نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہیں میرے فیصلے سے کوئی انکار نہ ہو گا۔"

"ابا جان!" ندیم تڑپ اٹھا۔ "اتنی جلدی کیا ہے اور پھر آپ نے مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع بھی نہیں دیا۔"

"ندیم!" اکبر علی نے بیٹے کی پیشانی پر سلوٹیں دیکھیں تو کبیدہ خاطر ہو گئے۔ مردہ آواز میں بولے۔ "میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ جو کچھ میں نے سوچا

ہے اور طے کر لیا ہے اس میں مجھے تمہاری بھلائی کا پہلو نظر آیا تھا لیکن اگر کسی وجہ سے تم میری زندگی کی اس آخری خوشی کو پورا کرنے سے ہچکچا رہے ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"میں آپ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا ابا جان! لیکن آپ نے اشارتاً ہی مجھ سے پوچھ لیا ہوتا۔"

"گویا میں یہ سمجھ لوں کہ تم کو یہ رشتہ کسی وجہ سے پسند نہیں ہے۔"

ندیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گیا۔ دوسری طرف اکبر علی جنہیں اپنی اولاد پر مکمل اعتماد تھا بڑے غور سے بیٹے کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت کا جائزہ لے رہے تھے۔ ندیم نے آج تک کبھی ان کے کسی حکم کو ٹالنے کی جسارت نہیں کی تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے ندیم سے پوچھے بغیر اس کی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کر ڈالا تھا لیکن آج جب انہوں نے ندیم کو اپنے سوال کے جواب میں خاموش پایا تو ان کے دل کو شدید جھٹکا لگا۔ یہ سوچ کر کہ شاید ان کے فیصلے سے اولاد کے دل کو کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ وہ بے چین ہو گئے۔ بجھی آواز میں بولے۔

"ندیم بیٹے! میں نے بڑے ارمانوں سے جھولی پھیلا کر عابد سے سمیرا کا رشتہ مانگا تھا لیکن تمہاری خوشی کی خاطر میں اس جھٹکے کو بھی برداشت کر لوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ عابد تمہارا انکار سن کر شاید میری صورت بھی دیکھنا گوارا نہ کرے لیکن مجھے دنیا میں تم ہر شے سے زیادہ عزیز ہو۔ اپنی خوشیوں سے بھی زیادہ۔ اس لئے خدارا خاموش مت رہو۔ جو تمہارے دل میں ہو صاف صاف بتا دو۔"

ندیم کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا پھیلنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ ایک بار جی کڑا کر کے بتا دے کہ وہ سمیرا کو نہیں بلکہ عاصمہ کو پسند کرتا ہے لیکن پھر باپ کی پشیمانی کا خیال آیا تو چپ ہو گیا۔ یہ سوچ کر ہی اس کا دل کانپ اٹھا کہ کہیں اس کا انکار باپ کی زندگی پر کوئی ناخوشگوار اثر نہ ڈالے۔ ڈاکٹروں نے بڑی سختی سے ہدایت کی تھی کہ اکبر علی کو کبھی کوئی ذہنی صدمہ نہ پہنچنے پائے ورنہ یہی صدمہ ان کے لئے جان لیوا بھی ہو سکتا تھا۔

ندیم ایک ہی لمحے میں نہ جانے کیا کیا سوچ گیا۔ باپ کی زندگی اسے اپنی محبت سے زیادہ عزیز تھی چنانچہ دل کڑا کر کے بولا۔

"ابا جان! مجھے آپ کی ہر خوشی منظور ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"دل پر جبر کر کے کوئی فیصلہ نہ کرنا بیٹا! میں تمہاری خوشی کی خاطر اپنی زندگی کی قربانی بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" ندیم نے اپنے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی ہر خوشی منظور ہے۔"

اکبر علی نے بیٹے کا جواب سنا تو خوش ہو گئے۔ پہلو بدل کر بولے۔

"سامان کی فہرست میں نے بنا لی ہے۔ تم کل ہی جا کر سب چیزیں خرید لاؤ۔"

"بہت بہتر۔"

"عابد تمہیں شیروانی کا کپڑا دیں گے اسے بھی تیار کرا لو۔ وقت کم ہے اس لئے روپیوں کا منہ نہ دیکھنا۔ جہاں دو کے بجائے چار دو گے کام کھڑے گھاٹ ہو جائے گا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ میں سب کام کر لوں گا۔"

کچھ دیر باپ بیٹے میں انتظامات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی پھر ندیم نے باپ کو خوش پایا تو دبی زبان میں بولا۔

"ابا جان! اگر ناگوار خاطر نہ گزرے تو ایک بات میں بھی عرض کرنی چاہتا ہوں۔"

"کہو۔"

"شادی کے فوراً ہی بعد میں سمیرا کو ساتھ لے کر الہ آباد سے منتقل ہو کر کسی اور شہر چلا جاؤں گا۔"

"یہ کیوں' کیا کوئی خاص مصلحت ہے؟"

"بس اسے میری درخواست سمجھ کر قبول کر لیجئے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا پھر جلدی سے بولا۔ "جہاں تک آپ کا حکم تعلیم کے سلسلے میں ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے منقطع نہیں کروں گا۔"

"الہ آباد میں رہتے تو زیادہ سہولتیں رہتیں لیکن اگر کسی وجہ سے تم یہاں نہیں رہنا چاہتے تو پھر تمہاری مرضی لیکن دوسرے شہر میں داخلہ بھی مل جائے گا یا نہیں۔"

"ابھی تو سال کا شروع ہے اس لئے داخلہ بہ آسانی مل جائے گا۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو علی گڑھ چلے جاؤ۔ وہاں کچھ لوگ میرے اچھے جاننے والوں میں سے ہیں۔ تمہیں داخلے میں بھی کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی اور رہنے کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

"بہتر ہے' اگر انکل پوچھیں تو آپ میرا نام لینے کے بجائے یہ کہہ دیجئے گا کہ یہ

www.pdfbooksfree.pk

آپ کا حکم ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں عابد کو سمجھا دوں گا۔"

ندیم باپ کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو تھمے ہوئے آنسو بے اختیار نکل پڑے۔ مجبوریوں کو تنہائی کا سہارا ملا تو وہ بستر پر گر کر سسک اٹھا۔

☆======☆======☆

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عاصمہ گھر سے جانے کے لئے تیار ہوئی تو اس کی الٹی آنکھ پھڑکنے لگی۔ اس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ عورت کی الٹی آنکھ پھڑکے تو کوئی بری خبر سنائی دیتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے وہ دل ہی دل میں سہم اٹھی۔ دروازے کے برابر کھڑی سوچنے لگی۔

"کیا ہو سکتی ہے وہ بری خبر۔"

قدرت نے تو پہلے ہی سے اسے اپنی ستم ظریفیوں کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اس کے پاس خوشیوں کا ٹھکانا ہی کہاں تھا۔

بس ایک ندیم ہی تو تھا جس نے اس کی ویران زندگی میں امید کی ایک شمع روشن کی تھی۔

"تو کیا یہ شمع بجھنے والی ہے؟" عاصمہ کے دل کی گہرائیوں سے یہ خیال ابھرا تو وہ دھک سے رہ گئی۔

ندیم دو روز سے آیا بھی نہیں تھا۔ سنیچر کی شام کو تو وہ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے ندیم کے لئے دال بھری روٹیاں پکائی تھیں لیکن ندیم نہیں آیا پھر اتوار کا پہاڑ سا دن بھی اس نے ندیم کے انتظار میں گزار دیا اور آج جب وہ کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو اس نے سوچا کہ وہ ندیم سے اس کی غیر حاضری کا شکوہ ضرور کرے گی۔ ہرچند کہ ندیم نے اسے کالج میں ملنے جلنے کو منع کر رکھا تھا لیکن آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ندیم سے ضرور ملے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہو گا کہ کالج کے بے فکرے نوجوان طلبا اس کے اور ندیم کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں گے۔ لڑکیوں کا گروپ اسے چھیڑے گا۔ سمیرا اس کی غربت کا مذاق اڑائے گی لیکن ندیم سے باتیں کرنے کے لئے وہ یہ سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھی۔

"کیا بات ہے عاصی!" ساجدہ خاتون کسی کام سے باہر آئیں تو عاصمہ کو دروازے کے پاس گم صم کھڑا دیکھ کر پوچھا۔ "تم کالج نہیں گئیں ابھی تک۔"

"بس جا رہی ہوں امی!" وہ جلدی سے بولی۔

"ندیم سے ملاقات ہو تو پوچھنا کہ اس کے باپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔" ساجدہ خاتون نے کہا۔ "تین روز سے وہ نہیں آیا۔ ضرور کوئی بات ہو گی۔"

"جی اچھا۔" اس نے آہستہ سے کہا پھر دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے پردہ اٹھا کر باہر آ گئی۔

کالج پہنچی تو اس کی بے چین نگاہیں لڑکوں کے بکھرے ہوئے ہجوم میں ندیم کو تلاش کرتی رہیں لیکن ندیم اسے کہیں نظر آیا۔ "شاید وہ ابھی تک نہیں آیا۔" عاصمہ نے اپنے دل کو تسلی دے لی۔

پہلے پیریڈ کے لئے گھنٹی بجی تو لڑکوں کا ہجوم اپنی اپنی کلاسوں کی طرف جانے لگا۔ وہ بھی قدم اٹھاتی کلاس میں آ گئی۔ نظریں اٹھا کر ندیم کی سیٹ کی طرف دیکھا تو وہ خالی پڑی تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے سمیرا کی سیٹ پر نظر ڈالی لیکن آج سمیرا بھی ابھی تک نہیں آئی تھی۔

"جانے کیا بات ہو گی۔" اس نے دل میں سوچا پھر تھکے تھکے انداز میں اپنی مخصوص سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ پروفیسر زیدی آئے اور لیکچر دینے لگے لیکن عاصمہ کا دل و دماغ ندیم میں الجھا ہوا تھا۔

پروفیسر زیدی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا ضرور رہی تھی لیکن اس کی سمجھ میں خاک بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو ندیم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ پہلا پیریڈ ختم ہوا تو وہ چونکی۔ ایک بار پھر اس نے ندیم کی سیٹ کی طرف دیکھا لیکن نگاہیں مایوس ہو کر پلٹ آئیں۔ ندیم ابھی تک نہیں آیا تھا۔

تیسرے پیریڈ کے بعد وقفہ کی چھٹی ہوئی تو وہ جلدی سے اٹھ کر باہر آ گئی اس نے سوچا شاید ندیم لائبریری میں مل جائے۔ دل میں ایک موہوم سی امید کی کرن چمکی تو اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ لائبریری کے دروازے پر اس کی مڈبھیڑ روزی اور سلطانہ سے ہو گئی۔

"سناؤ عاصمہ! کیسی ہو اب۔" روزی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"اب تو پہلے سے بہتر ہوں۔" وہ زبردستی مسکرا دی۔

"بہت دنوں بعد آج نظر آئی ہو۔" سلطانہ نے سوال کیا۔

"طبیعت خراب جو تھی' بھلا کیسے آتی۔" روزی نے سلطانہ کو بتایا۔

"ارے ہاں' میں تمہیں مبارکباد دینا تو بھول ہی گئی۔" سلطانہ مسکرائی۔ "تم نے تو سارے مضامین پاس کر لئے ہیں۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"خدا کی مہربانی سمجھو۔"

"اور ندیم کی توجہ بھی تو کہو۔" روزی نے شوخی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" سلطانہ چونکی۔

"بھئی مطلب وطلب تو میں جانتی نہیں ۔ ہاں اڑتی پڑتی سنی تھی کہ ندیم صاحب نے اس بار اپنی عاصمہ پر خاصی توجہ دی تھی۔"

"آئی سی۔" سلطانہ نے معنی خیز نظروں سے اسے گھورا تو عاصمہ نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔

"بڑے چھپے رستم نکلے یہ ندیم صاحب بھی۔" سلطانہ بولی۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ پرائیویٹ طور پر ٹیوشن بھی کرتے ہیں ورنہ میں بھی انہیں انگیج کر لیتی۔"

"لیکن میں نے تو ندیم صاحب سے ٹیوشن کے لئے نہیں کہا تھا۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا۔ "انہوں نے بس ازراہ ہمدردی مجھے تھوڑا بہت پڑھا دیا تھا۔"

"ہمدردی کرنے کے لئے تو اور بھی بہت ساری لڑکیاں موجود تھیں۔ تمہارا ہی انتخاب کیوں؟" سلطانہ مسکرائی۔

"اللہ کی مرضی۔" روزی نے ٹھنڈی سانس بھری تو سلطانہ کے علاوہ خود عاصمہ بھی مسکرا دی۔ آج نہ جانے کیوں اسے لڑکیوں کی اس چھیڑ چھاڑ میں لطف سا آ رہا تھا۔

"کہاں ہے یہ بگلا بھگت' آج نظر نہیں آیا۔" سلطانہ نے پوچھا۔

"دال میں کچھ کالا کالا لگ رہا ہے۔" روزی بولی۔ "سمیرا بھی تو غائب ہے آج۔"

"گویا ایک نہ شد دو شد۔" سلطانہ نے دوبارہ عاصمہ پر چوٹ کی۔

ایک بار پھر سلطانہ کے جملے پر وہ مسکرا دی۔

"دیکھنا تو اب یہ ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔" روزی بولی۔

"کیوں عاصمہ! تمہارا کیا خیال ہے۔" سلطانہ نے اس بار بڑی معصومیت سے پوچھا لیکن اس کی شوخ شوخ آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"میں خواہ مخواہ کسی کے راستے کا کانٹا نہیں بنوں گی۔"

"گویا تم سمیرا کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دو گی۔" روزی نے تیزی سے پوچھا۔

"ہتھیار ڈالنے کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی مقابلے کی صورت پیدا ہو۔" عاصمہ نے جھوٹ بولا۔ "فی الحال یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بلاوجہ تو ندیم نے تمہارے لئے اپنا وقت نہیں ضائع کیا ہو گا۔" سلطانہ نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

"یہ ندیم صاحب جانیں۔" وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"اپنے دل سے بھی ذرا پوچھ لو۔ شاید کچھ بتا دے۔" روزی آج کچھ زیادہ ہی موڈ میں تھی۔

"کیا پوچھوں؟"

"اللہ ری معصومیت۔ ایسی بن رہی ہیں جیسے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔" سلطانہ چڑ گئی۔

"خیر نہ بتاؤ' دیکھنا تو یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔" روزی بولی۔

"فی الحال تو سمیرا نے اس کے نکیل ڈال کر اپنے گھر میں باندھ رکھا ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ "جب وہاں سے بچے تب دیکھا جائے گا۔"

"بھئی کچھ بھی ہو لیکن ایک بات ماننی پڑے گی یہ ندیم بڑا ہی چھپا رستم نکلا۔" روزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یا تو کسی سے بات کرنے کا روادار بھی نہیں تھا یا ایکدم سے ایسے لمبے لمبے ہاتھ مار رہا ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔" سلطانہ بولی۔ "سمیرا نے تو بہت عرصے سے قسم کھا رکھی تھی کہ اس بے زبان جانور کو سدھا کر دم لے گی۔ رہا عاصمہ کا معاملہ تو یہ اطلاع مجھے آج ہی ملی ہے۔"

"غیر مصدقہ اطلاعوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔" عاصمہ نے کہا۔

"بس رہنے دو عاصمہ! تم بھی ندیم سے کچھ کم پُراسرار نہیں ثابت ہوئیں۔"

"جو چاہے رائے قائم کر لو۔ ورنہ میں تو اب بھی پہلے جیسی ہوں۔" عاصمہ نے بڑے بھولپن سے جواب دیا۔

"جبھی تو ندیم کی نظرِ عنایت تمہارے اوپر پڑی ہو گی۔" سلطانہ نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"کیوں تم اس بیچاری کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔" روزی نے عاصمہ کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے یونہی ایک بات چھیڑ دی تھی اور تم سچ مچ سمجھ بیٹھیں۔"

"لیکن عاصمہ نے بھی تو اقرار کر لیا ہے کہ ندیم انہیں پڑھاتا تھا۔"

"وہ تو اس غریب نے ہاں میں ہاں ملا دی تھی۔"

ماہ منیر' رفعت اور شاہدہ کے آ جانے سے عاصمہ کی جان بچی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

"ارے روزی کچھ سنا تم نے۔" ماہ منیر نے آتے ہی بڑی سنجیدگی سے روزی کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مخاطب کیا۔

"فی الحال تو صرف تمہاری میٹھی میٹھی آواز سن رہی ہوں۔" روزی ہنس کر بولی۔

"بھئی خدا کی قسم مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا ہے اس خبر پر۔"

"بات کیا ہے کچھ کہو گی بھی یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتی رہو گی۔" سلطانہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ذرا دم تو لینے دو بابا.......... میرا تو ابھی تک دم پھول رہا ہے۔"

"کہیں سرسوں کا کھیت تو نہیں دیکھ لیا۔" روزی نے اسے چھیڑا۔

"سرسوں کا کھیت تو اب سمیرا دیکھے گی۔"

"کیا مطلب؟" روزی سنجیدہ ہو گئی۔ "کیا سمیرا کے بارے میں کوئی اطلاع لائی ہو؟"

"ایسی ویسی۔" ماہ منیر نے تیزی سے کہا۔ "خدا کی قسم اب تک مجھ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔"

"بھئی بتا بھی چکو' کب تک تمہید باندھتی رہو گی۔" رفعت نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سمیرا اور ندیم کی شادی ہو گئی۔"

"شادی ہو گئی۔" روزی کے علاوہ دوسری لڑکیاں بھی چونکیں۔

عاصمہ کو سینے میں اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو۔" شاہدہ نے پوچھا۔

"ایمان سے کہتی ہوں جو ذرا بھی کوئی مذاق ہو۔" ماہ منیر بولی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" سلطانہ نے پوچھا۔

"کل شام میں گئی تھی سمیرا کی طرف لیکن اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" ماہ منیر بولی۔

"سمیرا کی والدہ نے مجھے شادی کے بارے میں بتایا تھا۔"

"تعجب ہے کہ اس موقع پر سمیرا نے ہم لوگوں کو نہیں بلایا۔" روزی نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے تو گڑبڑ ہی نظر آ رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ شادی جان بوجھ کر بڑی رازداری سے کی گئی ہے۔" ماہ منیر بولی۔ "اگر ایسا نہ

ہوتا تو سمیرا اور ندیم کو اتنی جلدی کہیں جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تو کیا سمیرا اور ندیم کہیں باہر گئے ہیں۔"

"ہاں .... سمیرا کی امی نے دبی زبان میں بتایا تھا کہ وہ باہر گئے ہیں اور شاید تعلیم کا سلسلہ بھی کہیں باہر ہی جاری رکھا جائے گا۔"

"پھر تو یقیناً کوئی اہم بات ہو گی ورنہ اتنے چوری چھپے شادی کی کیا ضرورت تھی۔" رفعت بولی۔

"مجھے تو اسی دن شبہ ہو گیا تھا جب ندیم سمیرا کے گھر قیام کی غرض سے گیا تھا۔" ماہ منیر نے کہا۔ "کچھ چکر پہلے ہی سے چل رہا ہو گا۔"

"لیکن سمیرا بظاہر تو ایسی نظر نہیں آتی تھی۔" شاہدہ نے کہا۔

"دل کا حال کون جانے۔" سلطانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

عاصمہ ہکا بکا کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ اس کا ذہن بُری طرح چکرا رہا تھا۔ قدم تھے کہ کانپے جا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھالے وہ لڑکیوں کی بات سن رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"ندیم نے واقعی بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔" سلطانہ بولی۔

"تمہیں حالات کا علم نہیں جو ایسی بات کہہ رہی ہو۔ ورنہ ندیم بھی سمیرا کے مقابلے میں کچھ کم مالدار نہیں ہے۔" روزی نے کہا پھر ندیم کے بارے میں تفصیل بتانے لگی۔

عاصمہ کچھ دیر کھڑی سب کچھ سنتی رہی پھر خاموشی سے لڑکھڑاتے قدموں چلتی لائبریری میں آ گئی۔ کرسی پر گر کر وہ سوچنے لگی۔

کیا ماہ منیر نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟

کیا اس کے خواب اتنی جلدی بکھر بھی سکتے ہیں؟

ندیم نے تو اسے اپنی وفا کا یقین دلایا تھا۔

پھر؟

یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا؟

کیوں ہو گیا؟

وہ تصویرِ حیرت بنی بیٹھی سوچتی رہی۔ ندیم کے ساتھ گزارے ہوئے قیمتی لمحات اسے بُری طرح یاد آ رہے تھے لیکن وہ حسین لمحات تو اب اس کے لئے یادِ رفتہ کی صورت

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اختیار کر چکے تھے۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تو وہ جلدی سے اٹھی۔ ڈوبتے دل کو بڑی مشکل سے سنبھالا اور باہر آ گئی۔ لڑکیوں کے گروپ سے بچتی بچاتی وہ جلد از جلد کالج سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔ احاطہ عبور کر کے وہ گیٹ کے قریب آئی تو اختر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"عاصمہ صاحبہ! ذرا سنئے گا۔"

وہ بڑھتے بڑھتے یکلخت رک گئی۔ یوں جیسے اچانک چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

"مجھے آپ کی ایک امانت آپ تک پہنچانی تھی۔" اختر قریب آ کر بولا۔

"فرمایئے۔" وہ بڑی مشکل سے کہہ سکی۔

"کل دوپہر ندیم میرے پاس آیا تھا۔ یہ لفافہ آپ کے لئے دے گیا ہے۔" اختر نے ایک بند لفافہ فائل سے نکال کر عاصمہ کی طرف بڑھا دیا۔

"اختر صاحب! کیا یہ سچ ہے کہ ندیم اور سمیرا کی شادی ہو گئی ہے؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

"ہاں .... مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اچانک یہ کیسے ہو گیا۔"

عاصمہ نے بڑی سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ لفافہ کتاب میں رکھ کر جانے کے لئے بڑھی تو اختر نے کہا۔ "عاصمہ بہن! اگر کبھی میرے لائق کوئی خدمت ہو تو تکلف نہ کیجئے گا۔ ندیم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

جواب میں عاصمہ نے پلٹ کر اختر کو ایک نظر دیکھا پھر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ خود کو سنبھالتی بس اسٹاپ تک آئی پھر اسے یاد نہیں تھا کہ وہ کس طرح گھر میں پہنچی تھی۔ ندیم کی شادی کی اطلاع نے اس کے پورے وجود کو لرزہ بہ اندام کر کے رکھ دیا تھا۔

ساجدہ خاتون کہیں پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔ عاصمہ جلدی سے اپنے کمرے میں آئی۔ کتابیں بے دلی سے میز پر پھینکیں' برقعہ اتار کر ایک طرف ڈالا اور لفافہ کھول کر ندیم کا خط پڑھنے بیٹھ گئی۔ ندیم نے لکھا تھا۔

عاصی! ہمیشہ خوش رہو۔

جس وقت تمہیں یہ خط ملے گا میں تمہارے شہر سے بہت دور جا چکا ہوں گا۔ ہو سکتا ہے میرا خط پڑھ کر تم مجھے بے وفا کہو اور بدعہد سمجھو اور ممکن ہے مجھے گالیاں بھی دو۔ تمہارا ہر غصہ بجا ہو گا لیکن میں فی الحال صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں میری خوشیوں سے زیادہ میری مجبوریوں کو دخل تھا۔ حالات نے مجھے اس درجہ بے بس کر دیا تھا کہ

www.pdfbooksfree.pk

میں چاہنے کے باوجود کچھ نہ کر سکا۔ اپنی محبت کو باپ کی زندگی پر قربان کر دینے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

عاصی! میں تمہارا شہر چھوڑ کر اس لئے جا رہا ہوں کہ اب یہاں میرا دل نہیں لگ سکتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری موجودگی تمہارے لئے سوہانِ روح بنی رہتی اور میں اپنی جگہ تڑپتا رہتا۔ خدا کا شکر ہے کہ والد صاحب نے میری درخواست کو منظور کر لیا۔ عاصمہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ جانے سے پہلے ایک آخری بار تم سے اور مل لوں لیکن پھر میں نے اپنے دل پر جبر کر کے اپنی خواہش کا گلا گھونٹ لیا۔ صرف اس لئے کہ جب میں تمہیں خوشیاں نہ دے سکا تو پھر تمہیں غم دینے کا بھی مجھے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

عاصی! میں تم سے ایک آخری درخواست کر رہا ہوں۔ ہو سکے تو مجھے بھول جانا لیکن خدارا مجھ پر بے وفائی کا الزام نہ لگانا۔ میں اپنی ماں کی مقدس روح کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں پہلے بھی تمہارا تھا آج بھی تمہارا ہوں اور زندگی کے آخری لمحات تک صرف تمہارا ہی رہوں گا۔ وقت نے میری بے بسی کا مذاق ضرور اڑایا ہے لیکن حالات میری سوچوں کے زاویے کبھی نہ بدل سکیں گے۔

امی جان کو میرا آخری سلام کہہ دینا اور ہاں ایک گذارش اور کروں گا۔ میرے اس حقیر تحفے کو اپنے وجود سے کبھی علیحدہ نہ کرنا جو میں نے بڑے ارمانوں سے تم کو دیا تھا۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں تو کم از کم اپنی نفرت کے احساس ہی کو برقرار رکھنے کی خاطر انگوٹھی کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا۔

عاصی! کیا میں امید رکھوں کہ تم میری اس خواہش کا خیال رکھو گی۔ یہ خط میں اختر کو دیئے جا رہا ہوں جو تمہیں پہنچا دے گا۔ اچھا عاصی' خدا حافظ!

تمہارا بدنصیب ندیم

عاصمہ نے خط کو پڑھا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ دل کو سنبھالنے کی کوشش کی تو تیورا کر بستر پر گر پڑی۔ ندیم کی تحریر نے اس کے ذہن پر اتنا شدید چرکہ لگایا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہ سکی اور بے ہوش ہو گئی لیکن آنسو تھے کہ بے ہوشی کی کیفیت میں بھی اس کی آنکھوں سے ڈھلک ڈھلک کر بہہ رہے تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

☆------☆------☆

کالج سے واپس آ کر ندیم نے کپڑے تبدیل کئے منہ ہاتھ دھویا اور ڈائننگ روم میں آ گیا۔ ملازم نے کھانا لا کر دیا تو اس نے محض ایک بار سامنے والی خالی کرسی پر نظر ڈالی پھر سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

سمیرا آج بھی کھانے کی میز پر موجود نہیں تھی لیکن یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی جس کے لئے اسے تشویش لاحق ہوتی۔ گزشتہ پندرہ بیس روز سے یہی ہو رہا تھا۔ سمیرا یا تو پہلے سے کھا چکی ہوتی یا سر درد کا بہانہ کر کے ٹال جاتی اور ندیم کو تنہا کھانا پڑتا۔

شروع شروع میں ایک دو روز تک اس نے سمیرا سے اصرار بھی کیا۔ ایک دو وقت خود بھی ہمدردی کے اظہار کے طور پر بھوکا رہا پھر اس نے سمیرا سے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ کہنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا اس لئے کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ سمیرا روز بروز بدلتی جا رہی ہے۔ اس نے ندیم کے ساتھ کالج جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اپنے لئے ایک علیحدہ کار خرید لی تھی۔ شام کی تفریح اس کا روزمرہ کا معمول تھا لیکن اس تفریحات میں بھی ندیم کو کوئی دخل نہیں تھا۔ سمیرا کی سرد مہری کو محسوس کر کے وہ چپ ہو رہا تھا۔ اس نے سمیرا کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے تو باپ کی خوشی کی خاطر خود کو قربان کر دیا تھا ورنہ آج بھی اس کے دل و دماغ پر ایک ہی نقش چھایا ہوا تھا۔

خوبصورت اور معصوم سا نقش۔

انتہائی حسین اور پاکیزہ۔

جو کبھی اسے مسکراتا نظر آتا۔

اور.............

کبھی سمٹ کر اداس نظر آنے لگتا۔

اور.............

یہ نقش عاصمہ کی یادوں کا پروردہ تھا۔

ایک تصور جو ندیم کے ذہن پر آج بھی اپنا تسلط جمائے ہوئے تھا۔

سمیرا سے اس کی شادی کو چھ ماہ ہو چکے تھے۔ شروع شروع میں ایک ڈیڑھ ماہ تک سمیرا کا برتاؤ معمول پر رہا پھر رفتہ رفتہ وہ کھنچنے لگی۔ ندیم سے دور رہنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اپنے لئے ایک علیحدہ راستہ بنا رہی تھی۔

ندیم نے سمیرا کی تبدیلی کو محسوس کیا تو وہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ دو چار روز تک وہ

www.pdfbooksfree.pk

اسے طرح دیتا رہا۔ یہ جان کر کہ شاید کسی وقتی خیال نے اسے الگ تھلگ رہنے پر مجبور کر دیا ہے جو کچھ دنوں میں خود بخود ختم ہو جائے گا لیکن جب سمیرا نے اپنا رویہ نہ بدلا تو ایک روز اس نے پوچھ ہی لیا۔

"تم آج کل کچھ اداس اداس نظر آتی ہو۔"

"بالکل نہیں۔" سمیرا بڑی ڈھٹائی سے بولی۔

"پھر مجھ سے دور دور کیوں رہتی ہو؟" ندیم نے دبی زبان میں پوچھا۔

اور سمیرا اس کا جملہ سن کر مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ میں محبت کی کوئی آمیزش نہیں تھی۔ وہ پہلا جیسا پیار نہیں تھا بلکہ تلخی تھی اور ایک ایسا طنز تھا جسے محسوس کر کے ندیم کو حیرت ہوئی تھی۔

"کیا مجھ سے کسی بات پر خفا ہو؟" ندیم نے بے چینی سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر یہ خاموشی کس لئے؟"

"آج کل میں بھی پُراسرار بننے کی مشق کر رہی ہوں۔" سمیرا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں بھی ایک عرصے تک تمہیں نہیں سمجھ سکی تھی۔" سمیرا سنجیدگی سے بولی۔ "تمہیں شاید یاد ہو گا کہ تین سال تک تم نے اپنی شخصیت کو میرے لئے پُراسرار بنائے رکھا تھا۔"

"لیکن اس وقت ہم میاں بیوی نہیں تھے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔

"میں جتنا تمہارے قریب آنے کی کوشش کرتی تھی تم اتنا ہی دور جاتے تھے۔"

سمیرا نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بے رخی سے جواب دیا۔

"ہاں.......... مگر اس وقت ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔"

"تم نے میری انا کو ٹھیس پہنچائی ہے۔" یکلخت سمیرا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "شاید تم نے اس لئے ایسا کیا تھا کہ تم مالی طور پر مجھ سے زیادہ طاقتور تھے یا پھر میری نسوانیت کا مذاق اڑانا چاہتے تھے۔"

"مگر میں نے اس کا اظہار تو کبھی نہیں کیا تھا۔"

"نہ سہی لیکن جب تمہاری شخصیت اپنے اصلی روپ میں میرے سامنے آئی تو میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے یہی محسوس کیا جیسے تم نے میری شخصیت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ سب شادی سے پہلے کی باتیں تھیں۔" ندیم نے بات ختم کرنی چاہی۔

"ہاں .... لیکن میں ان باتوں کو شادی کے بعد بھی یاد رکھنا چاہتی ہوں۔" سمیرا کے لہجے میں غرور جھلک رہا تھا۔

"گویا تم مجھ سے انتقام لے رہی ہو۔"

"بہت دیر میں سمجھے۔" وہ ندیم کی اداسی محسوس کر کے مسکرا دی۔

"پھر شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی' انکار کر دیا ہوتا۔"

"میرا انتقام ادھورا رہ جاتا۔"

ندیم تڑپ اٹھا۔ اس لئے نہیں کہ اسے سمیرا سے محبت تھی بلکہ اس لئے کہ سمیرا نے اس کے ساتھ جو کھیل کھیلا تھا اس سے نہ صرف ندیم کی زندگی برباد ہو گئی تھی بلکہ عاصمہ کے ارمانوں کا خون بھی ہوا تھا۔ سمیرا نے اسے یوں اپنے سنہری جال میں جکڑ لیا تھا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

کچھ دیر وہ اپنی سوچوں میں گم رہا تو سمیرا نے اس کی مجبوری محسوس کر کے ایک اور کچوکہ لگایا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"سمیرا! تم نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔" وہ سسک اٹھا۔

"اتنی جلدی گھبرا گئے۔" سمیرا بے اختیار ہنس پڑی۔ "میں نے تو تین سال تک اس دن کا انتظار کیا تھا۔ مسلسل جدوجہد کرتی رہی تھی۔ کبھی مایوسی یا مجبوری کا خیال کر کے ہمت نہیں ہاری تھی اور تم اتنی جلدی اپنی مجبوریوں کا خیال کر کے پریشان ہو گئے۔"

"مجھے تم سے زیادہ اپنے باپ کی محبت عزیز تھی ورنہ میں کبھی بھی تم جیسی لڑکی کو شریکِ زندگی بنانے پر آمادہ نہ ہوتا۔" ندیم بھڑک اٹھا۔ بے بسی کے احساس نے اسے تلملا کر رکھ دیا تھا۔

"اور مجھے بھی میرے جذبۂ انتقام نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دینے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ میں نے بھی تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور نہیں کیا تھا۔" سمیرا نے تیزی سے کہا۔

"کیا تم اپنی موجودہ زندگی کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں کر سکتیں جو ہم دونوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔"

www.pdfbooksfree.pk

"اگر میں نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ نہ کیا ہوتا تو شاید اب تک اس گھر میں نہ رہتی۔"

"کیا مطلب؟" ندیم چونکا۔

"مطلب بہت صاف ہے مسٹر ندیم!" سمیرا تلملا کر بولی۔ "میں نے جب اپنی زندگی کے ساتھ مذاق کرنے کا ارادہ کیا تھا تو یہ بھی تہیہ کر لیا تھا کہ تمہاری زندگی کو بھی جہنم بنا دوں گی۔"

"اور پھر بھی تم خود کو عورت کہہ سکتی ہو۔" ندیم کے لہجے میں طنز تھا۔

"ہاں' میں اب بھی عورت ہوں۔" سمیرا جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں تم کو بتاؤں گی کہ عورت اگر چاہے تو جنت کو جہنم بھی بنا سکتی ہے۔"

"کب تک یہ انداز رہے گا تمہارا؟"

"جب تک تم میری عظمتوں کے سامنے اپنی مردانگی اور امارت کے احساس کو سرنگوں نہیں کر دو گے۔" سمیرا کے لہجے میں ایک عزم جھلملا رہا تھا۔

"کیا تم کو یقین ہے کہ میں ایسا کرنے پر تیار ہو جاؤں گا؟"

"ہاں .... میں تمہیں مجبور کر دوں گی۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خود اپنی آگ میں جل کر تباہ ہو جاؤ۔" ندیم خشک لہجے میں بولا۔

"یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ کون کسے تباہ کرتا ہے۔" سمیرا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"زندگی کی شاہراہیں بہت طویل ہوتی ہیں۔ تم آدھے راستے پر ہی ہمت ہار دو گی۔"

"ہو سکتا ہے .... لیکن اس وقت بھی میرا سر نیچا نہیں ہو گا۔"

"فائدہ؟"

"میری انا اور میری نسوانیت کو سکون مل جائے گا۔"

"یہ سکون عارضی ہو گا۔" ندیم نے ٹھنڈے دماغ سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "تمہیں ایک نہ ایک دن اپنی حماقتوں پر پچھتانا ہو گا۔"

"اس وقت بھی میں تم سے کسی سہارے کی درخواست نہیں کروں گی۔"

"تم خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی تباہ کر لو گی۔" ندیم بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم اپنی راہوں کو ابھی سے بدل ڈالنے کی کوشش کرو۔"

"اور اگر میں تمہارا مشورہ ماننے سے انکار کر دوں تو؟" سمیرا نے اپنا ہونٹ چباتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے ندیم کو نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھورا۔

"تو مجھے تمہاری حالت پر افسوس ہو گا۔"

"ندیم!" سمیرا بھڑک اٹھی۔ "تم مردوں نے ہمیشہ سے ہم عورتوں کو مجبور اور بے بس سمجھ کر ہمارا مذاق اڑایا ہے۔ یہی دنیا کی ریت بھی ہے مگر میں اس ریت کو بدل کر ہی دم لوں گی۔ میں تمہیں بتا دوں گی کہ عورت اگر شبنم ہے تو یہی شبنم کبھی شعلہ بن کر دوسروں کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں بھی تبدیل کر سکتی ہے۔"

"مجھے پہچاننے کی کوشش کرو سمیرا! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔" ندیم نے آہستگی سے کہا۔ "تم شاید سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں نے تمہارے لئے کیا قربانی دی ہے۔"

"میں نے بھی اپنی زندگی کا سکون برباد کر لیا ہے۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے۔"

"پہلے نہیں تھا' اب ہو رہا ہے۔"

"شاید اسی لئے تلملا اٹھے ہو۔"

"نہیں۔" ندیم اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا تڑپ کر بولا۔ "تم نے صرف اپنی انا کو تسکین پہنچانے کے لئے مجھ سے شادی کا ڈھونگ رچایا ہے جبکہ میں نے دیدہ دانستہ نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو ہنستے ہوئے جہنم کے ریگزاروں میں جھونک دیا ہے بلکہ دوسروں کی نظروں میں بھی خود کو گرا دیا ہے۔"

"دوسروں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" سمیرا نے تیزی سے پوچھا۔

"تم نہیں سمجھ سکو گی۔"

"کوئی دوسری عورت؟" سمیرا نے طنز کیا تو ندیم تلملا اٹھا۔

"ہاں .... لیکن وہ عورت نہیں بلکہ مریم کے تقدس سے بھی زیادہ پاکیزہ اور مقدس ہے۔"

"تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ تم میرے ہوتے ہوئے آج بھی کسی اور عورت کا دم بھر رہے ہو۔"

"ہاں .... میں اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک بھی اسے نہیں بھول سکتا۔"

"اور اس کے باوجود تمہارا خیال ہے کہ میں اپنی سوچوں کے زاویوں کو بدل ڈالوں گی۔" سمیرا تڑپ کر بولی۔

"نہ بدلو .... مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے لیکن اتنا ضرور باور کرا دینا چاہتا

ہوں کہ تم اپنی انا کو کبھی تسکین نہ پہنچا سکو گی۔"

"ٹھیک ہے' مجھے بھی دیکھنا ہے کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔" سمیرا نے غصیلی آواز میں کہا پھر ندیم کے سامنے سے اٹھ کر کسی زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اس دن سے دونوں کے درمیان ایک کھنچاؤ سا پیدا ہو گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ ندیم نے سمیرا کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور خود اپنی مصروفیات میں الجھ کر رہ گیا۔ صبح سویرے اٹھ کر وہ ضروری کاموں سے فارغ ہو کر ناشتہ کرتا۔ کپڑے تبدیل کرتا اور پھر گاڑی لے کر کالج چلا جاتا۔

کالج میں بھی وہ دونوں اجنبیوں کی طرح الگ تھلگ رہتے۔ سمیرا نے الہ آباد کی طرح علی گڑھ میں بھی بہت جلد بہت ساری سہیلیاں بنا لی تھیں جن کے ساتھ وہ آئے دن کبھی پکنک اور کبھی سینما کا پروگرام بناتی رہتی۔ جب تک وہ کھل کر ندیم کے سامنے نہیں آئی تھی اس وقت تک ندیم بھی اس کے پروگرام میں شریک ہوتا رہا لیکن اب وہ ندیم کو کبھی ساتھ نہ لے جاتی۔ اگر کبھی اس کی کوئی سہیلی ندیم کے سلسلے میں اصرار بھی کرتی تو سمیرا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال جاتی اور اب تو اس نے خاص طور پر ندیم کو جلانے کی خاطر کالج کے دو ایک ایسے لڑکوں سے دوستی بھی بڑھا لی تھی جن کو کم از کم ندیم پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک آدھ بار اس کا دل چاہا کہ سمیرا کو ان لڑکوں کے ساتھ مراسم بڑھانے پر منع کر دے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ سمیرا اس کی تاکید کو نظرانداز کر دے گی۔

علی گڑھ میں بھی ندیم کی ذہانت بہت جلد مشہور ہو گئی۔ کلاس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے علاوہ لیکچرار اور پروفیسر بھی اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ سمیرا کی سہیلیاں بھی اس سے بہت بے تکلف تھیں۔ سب ہی جانتے تھے کہ ندیم اور سمیرا آپس میں میاں بیوی ہیں لیکن جب سے سمیرا نے ندیم کے ساتھ تلخ کلامی کی تھی اور اپنے لئے ایک علیحدہ راہ بنا لی تھی۔ کالج کے لڑکوں کو بھی ان کے درمیان اجنبیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ چنانچہ آج جب ندیم کالج کے بعد گھر جانے لگا تو اس کا کلاس فیلو فیروز بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ پوری کلاس میں ایک فیروز ہی ایسا تھا جو ندیم سے بہت جلد بہت قریب ہو گیا تھا۔ خود ندیم بھی اسے پسند کرتا تھا شاید اس لئے کہ فیروز ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوددار اور بردبار طبیعت کا مالک تھا۔ حالانکہ وہ ایک مقامی اور بہت بڑے افسر کا اکلوتا بیٹا تھا لیکن

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بڑائی اور غرور کا اس میں مطلق کوئی حصہ نہ تھا۔ وہ سب سے یکساں طور پر ملتا۔ سب سے ہنستا بولتا اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا کہ کسی کو اس کی ذات سے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ندیم سے اس کا خاصا یارانہ ہو گیا تھا۔ دونوں چونکہ ایک ہی جیسی طبیعتوں کے مالک تھے اس لئے جلدی ہی ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔

فیروز چونکہ ندیم کے گھر کے راستے میں رہتا تھا اس لئے اکثر جب اس کی کار وقت پر نہ آتی یا کوئی اور بات ہوتی تو ہمیشہ ندیم ہی سے لفٹ مانگا کرتا چنانچہ آج بھی جب ندیم اپنی کار میں بیٹھا تو فیروز لپکتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"لفٹ ملے گی سیٹھ!"

"کیوں شرمندہ کرتے ہو دوست!" ندیم نے بے تکلفی سے کہا پھر ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

فیروز مسکراتا ہوا اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"آج تمہاری گاڑی نہیں آئی شاید۔" ندیم نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"حضرت ڈرائیور غالباً راستہ بھول گئے آج۔ یا پھر ممکن ہے کہ اچانک کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔"

"تم کار خود کیوں نہیں ڈرائیو کرتے؟"

"دوسروں کو میں نے کبھی اس سوال کا جواب نہیں دیا لیکن آج تم کو اصل سبب بتائے دیتا ہوں۔" فیروز نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ ابھی تک میں نے شادی نہیں کی اور شادی ہو جانے سے پہلے کار خود ڈرائیو کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"کوئی خاص منطق؟" ندیم نے پوچھا۔

"ایک تو یہ کہ جب تک کوئی پارٹنر ساتھ نہ ہو ڈرائیونگ کا لطف نہیں آتا، دوسرے یہ کہ خدانخواستہ کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تو کنوارہ مر جانے کا افسوس بھی ہو گا۔"

"کیوں بری فال زبان سے نکالتے ہو۔"

"میں نے تو دل کی بات کہہ دی ہے۔ تم منع کرتے ہو تو آئندہ سے احتیاط رکھوں گا۔"

"ڈرائیونگ آتی تو ہو گی تمہیں۔"

"ہاں .... کچھ یوں ہی سی آتی ہے۔"

ندیم فیروز کے اس جملے پر مسکرا دیا۔ تھوڑی دیر تک ان کے درمیان اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی پھر فیروز نے موضوع بدلتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"ندیم! ایک بات کہوں، بشرطیکہ تمہیں ناگوار نہ گزرے۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ جو تم کہو اور مجھے بری لگ جائے۔"

"پہلے وعدہ کرو پھر بتاؤں گا۔"

"آل رائٹ .... پرامس۔" ندیم نے جلدی سے وعدہ کر لیا۔

"تم اور بھابی الگ الگ کالج کیوں آتے ہو؟" فیروز بولا۔ "میرا مطلب ہے کہ ابھی تو تم دونوں کی نئی نئی شادی ہوئی ہے پھر یہ دوری کیوں ہے؟"

"یہ سوال تمہیں آج اچانک کیسے سوجھ گیا؟" ندیم نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"آج بہت دنوں بعد تم سے لفٹ جو ملی ہے۔" فیروز مسکرایا۔

"کاریں اتفاق سے دو ہیں اس لئے دونوں کو مصرف میں لانا بھی ضروری ہے۔" ندیم نے ٹالنے کی خاطر کہا۔

"کالج میں بھی تم دونوں الگ تھلگ ہی نظر آتے ہو۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔"

"محض اتفاق ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تشویش طلب ہو۔" ندیم کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ مچل اٹھی۔

"شیرازی اور ہمایوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"کس سلسلے میں؟" ندیم اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا۔ فیروز نے جن لڑکوں کے بارے میں پوچھا تھا ندیم انہیں اچھا نہیں سمجھتا تھا لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ آج کل سمیرا ان دونوں سے زیادہ گھل مل رہی ہے چنانچہ جب فیروز نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو وہ دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گیا۔

"میرا خیال تھا کہ تم میری بات کا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔" فیروز نے آہستہ سے کہا۔

"امتحانات میں ڈھائی ماہ باقی رہ گئے ہیں اس لئے آج کل کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے۔ ہر وقت بس پڑھائی کا بھوت سوار رہتا ہے دماغ پر۔" ندیم نے پھر ٹالنا چاہا۔

"خدا کی قسم اگر میرا کوئی بھائی بھی ہوتا تو شاید میں اس سے اتنی محبت نہ کر پاتا جتنی محبت مجھے تم سے اور سمیرا سے ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ آج تم اس قدر جذباتی ہونے کا ثبوت کیوں دے رہے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔" فیروز اسے گھورتا ہوا بولا۔ "کیا میرے ذہن میں کوئی فتور پیدا ہو گیا ہے۔ یا بظاہر میں پاگل نظر آتا ہوں۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فیروز کی بات سن کر اس نے خاموش ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی لیکن وہ بخوبی سمجھ رہا تھا کہ فیروز اسے کیا کہنا چاہتا ہے۔ "کوئی جواب نہیں دیا تم نے میری بات کا۔" فیروز نے کہا۔

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں۔" ندیم بجھے لہجے میں بولا۔

"تم نے بھابی کو منع کیوں نہیں کیا کہ وہ شیرازی اور ہمایوں سے زیادہ میل جول نہ بڑھائیں۔"

"میں نے دیدہ دانستہ سمیرا سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ شاید وہ ان دونوں کو برا نہیں سمجھتی۔" ندیم نے دل پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن پہلے تو بھابی ان دونوں کو ہمیشہ برا سمجھتی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب سمیرا کی سوچوں کے زاویے بدل گئے ہوں۔"

"ندیم!" فیروز کچھ سوچ کر ٹھوس آواز میں بولا۔ "خدا گواہ ہے کہ میں نے سمیرا کو ہمیشہ اپنی بہن جیسا سمجھا ہے۔ ایک بڑے بھائی کی طرح مجھے اس سے محبت بھی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی بہن کو غلط راہ چلتے دیکھوں اور افسوس نہ کروں۔"

ندیم نے فوراً ہی کوئی جواب نہ دیا۔ ایک لمحے تک خاموش رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے فیروز پر اعتماد کر لیا اور اسے تمام باتیں بتا دیں۔ فیروز غور سے سنتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"میں پہلے ہی محسوس کر رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے ورنہ پہلے تو تم دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے۔"

"سمیرا بہت زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔" ندیم بجھی آواز میں بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسے راستے ہی میں روک لوں لیکن اب یہ بات شاید میرے بس کی

نہیں رہی۔"

"میں سمیرا کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"اُسے اور زیادہ ضد ہو جائے گی۔" ندیم نے کہا۔

"تم مطمئن رہو' میں کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کروں گا کہ سمیرا کو کسی بات کا شبہ نہ ہو سکے۔"

"وہ جانتی ہے کہ تم میرے سب سے عزیز دوست ہو۔"

"ہاں' اسی لئے وہ اب بھی کم از کم میری بہت عزت کرتی ہے۔"

"اور تم اس عزت کا بھرم بھی خاک میں ملا دینا چاہتے ہو۔"

"اگر میرا بھرم خاک میں مل کر بھی تم دونوں کے تعلقات خوشگوار بنانے میں معاون ثابت ہوا تو یہ سودا میرے لئے بہت سودمند رہے گا۔"

"فیروز!" ندیم کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

"گھبراؤ مت ندیم! میں تم دونوں کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔" فیروز کے لہجے میں صداقت تھی۔

"میں اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا لیکن سمیرا جس راستے پر چل پڑی ہے وہ اس کی عزت کو خاک میں ملا دے گا۔" ندیم بولا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرے۔"

"میری بھی یہی کوشش ہو گی۔"

"مجھے علم ہے کہ تم میرے لئے جو کچھ کرو گے اس میں میری بھلائی شامل ہو گی لیکن اگر سمیرا نے تمہیں کچھ کہا تو مجھے اس کا بہت زیادہ صدمہ ہو گا۔"

"یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں تمہارا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ سمیرا کا بھائی بھی ہوں۔" فیروز مسکرا دیا۔

فیروز سے اپنا دکھ کہہ دینے کے بعد ندیم کے دل کا بوجھ قدرے کم ہو گیا تھا۔ فیروز کو اس کے مکان پر چھوڑ کر وہ گھر پہنچا تو ملازم نے بتایا کہ سمیرا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا چکی ہے۔ ندیم نے تنہا کھانا کھایا پھر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ رہا۔ سونے کے لئے آنکھیں بند کیں تو عاصمہ کا تصور اس کے ذہن کے پردوں پر متحرک تصویر کی مانند ابھر آیا۔

عاصمہ۔

جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عاصمہ۔

جسے اپنانے کے لئے اس نے نہ جانے کیسے کیسے حسین خواب دیکھے تھے۔

خواب۔

جن کی تعبیر اس کے حق میں بڑی بھیانک ثابت ہوئی تھی۔

لیکن.............

عاصمہ کی یاد آج بھی اس کے دل کی ایک ایک دھڑکن میں شامل تھی۔

☆======☆======☆

وقت کا پنچھی پر پھیلائے اپنی منزل کی سمت پرواز کرتا رہا۔

ندیم نے اپنی یکسوئی کو بہلانے کے لئے کتابوں کا سہارا لے لیا۔ امتحان شروع ہونے میں اب صرف پندرہ روز رہ گئے تھے۔ سمیرا بھی پڑھائی کی طرف سے غافل نہیں تھی اور آج کل تو اس نے کتابوں کے درمیان رات دن ایک کر رکھا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ ندیم کو زندگی کے ہر میدان میں نیچا دکھانے کا عزم کر چکی تھی۔ ندیم کے بجائے وہ کالج کی ہم جماعت سہیلیوں کے ساتھ مل جل کر پڑھ رہی تھی۔

ندیم کو خوشی تھی کہ سمیرا امتحان کی مصروفیات میں الجھ کر شیرازی اور ہمایوں سے دور ہو گئی ہے۔ فیروز نے اس سلسلے میں اپنا خاصا وقت خراب کیا تھا۔ شیرازی اور ہمایوں سے سمیرا کو کاٹنے کی خاطر اس نے سمیرا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا تھا۔ کالج میں وہ سمیرا کو اتنی مہلت ہی نہ دیتا کہ وہ ان دونوں سے مل سکے۔ سمیرا چونکہ فیروز کا احترام کرتی تھی اس لئے وہ کھل کر اس سے صاف صاف یہ نہ کہہ سکی کہ وہ اس کے اس وقتی التفات کا مقصد خوب سمجھتی ہے۔

کالج میں چھٹیاں ہو چکی تھیں اس لئے ندیم کا بیشتر وقت اپنے کمرے میں گزرتا۔ وہ پوری تندہی اور انہماک کے ساتھ پڑھائی کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی اچانک اسے عاصمہ کا خیال بری طرح ستانے لگتا۔ وہ سوچتا نہ جانے عاصمہ نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔ اسے بے وفا اور بے مروت کہا ہو گا یا شاید معاف کر دیا ہو گا۔ کبھی وہ سوچتا خدا جانے عاصمہ نے امتحان کی تیاری مکمل کر لی ہو گی یا نہیں۔ اسے کون پڑھاتا ہو گا۔ اس کا دل پڑھائی میں لگتا بھی ہو گا یا نہیں۔ کیا وہ اس کی طرح امتحان کی تیاری کرتے کرتے اچانک ماضی کے حسین تانوں بانوں میں بھٹک کر نہ رہ جاتی ہو گی۔

اسے اپنے سے زیادہ عاصمہ کی فکر لاحق رہتی۔ اس کی تمنا تھی کہ عاصمہ شاندار طور

www.pdfbooksfree.pk

پر کامیابی حاصل کرے۔ اسی غرض سے اس نے بہت سوچ سمجھ کر اختر کو خط بھی لکھ دیا تھا کہ اگر اسے موقع ملے تو وہ عاصمہ کو پڑھا دیا کرے لیکن جب اختر کا جواب ملا تو وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔

اختر نے لکھا تھا کہ وہ عاصمہ سے ملا تھا اسے پڑھانے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن عاصمہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ اپنے مستقبل کو سنوارنے کی خاطر اب وہ کسی کا سہارا لینا پسند نہیں کرے گی۔ اختر نے عاصمہ کے بارے میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ کم گو ہو کر رہ گئی ہے جیسے اسے چپ کا عارضہ لگ گیا ہو۔ سب سے دور الگ تھلگ بیٹھی یا تو کتابوں کے مطالعہ میں غرق نظر آتی ہے یا پھر نظریں اٹھائے آسمان کے دور پار خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کرتی رہتی ہے۔

اور ندیم ان حالات کو پڑھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ عاصمہ کے سلسلے میں وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا تھا جب سے وہ الہ آباد چھوڑ کر علی گڑھ آیا تھا اس نے سوائے اختر کے کسی اور کو کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ جب وہ پہلے پہل علی گڑھ آیا تو اسے ایک خیال سا تھا کہ شاید عاصمہ اختر کے ہاتھوں خط پا کر اسے ضرور کچھ لکھے گی لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے یہ خیال بھی ایک خواب بن کر رہ گیا۔

خواب!

جو ماضی میں بہت رنگین اور امید افزا تھا۔

خواب!

جو حال کی پُرپیچ راہوں میں نہ جانے کہاں الجھ کر رہ گیا تھا۔

خواب!

جس کا مستقبل بے حد تاریک تھا۔

اور ندیم انہی بکھرے بکھرے خوابوں میں اکثر بھٹک کر رہ جاتا۔ کبھی کبھی تو وہ بڑی سنجیدگی سے سوچتا کہ عاصمہ کی یاد کو دل کی گہرائیوں میں دفن کر کے سمیرا کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کر لے۔ اس نے اپنے خیال پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی لیکن جب سمیرا کا انتقامی جذبہ بے نقاب ہوا تو ندیم ایک بار پھر اپنے خوابوں کی دنیا میں پلٹ آیا جہاں یادیں آج بھی اس کی تنہائیوں کا سہارا بن گئی تھیں۔ آج بھی وہ اپنے کمرے میں بیٹھا بڑی دیر سے پڑھائی میں مصروف تھا کہ یکلخت اسے عاصمہ کا خیال آ گیا۔ ندیم نے کوشش کی کہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر نکال دے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ پڑھائی میں دل نہ لگا تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کتاب ہاتھ میں تھامے تھامے کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں آسمان پر سرخیاں بکھیر رہی تھیں۔ درختوں کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔

بڑی دیر تک وہ کھڑکی کی چوکھٹ پر کہنیاں جمائے ڈوبتے سورج کا منظر دیکھتا رہا پھر جب اندھیروں نے اپنا دامن پھیلانا شروع کیا تو اس کے ہونٹوں سے ایک سرد سی آہ نکل کر فضا کی تاریکیوں میں گم ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا عاصمہ کی زندگی بھی تو قدرت کی ستم ظریفیوں کا شکار بن کر رہ گئی ہے۔ بالکل ڈوبتے سورج کی طرح جو دن بھر کھلے آسمان پر چمکتا دمکتا رہتا ہے۔ دنیا کو اپنی روشنی سے منور کرتا رہتا ہے لیکن پھر تاریکیوں میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ عاصمہ کی زندگی بھی تو ڈوبتے ابھرتے سورج کی مانند تھی۔ پہلے وہ ابھری تو باپ کی موت نے اس کی زندگی کو اندھیروں میں ڈبو دیا۔ اس کی خوشیوں کے سارے ہی سہارے ٹوٹ گئے۔ ایک بیوہ ماں تھی جو چراغِ سحری کی طرح اس کی تاریک زندگی میں اجالا بکھیرنے کی سعی پیہم کر رہی تھی۔

باپ کی موت نے سمیرا کے ہونٹوں سے مسکرانے کی عادت چھین لی۔ اس کا وجود ایک ہی جھٹکے سے لرزہ بہ اندام ہو گیا تو وہ سہم کر رہ گئی۔ سنجیدہ سنجیدہ سی رہنے لگی۔ دوسروں سے الگ تھلگ' ڈری ڈری اور سہمی سہمی سی وہ محتاط قدموں زندگی میں کسی مقام کو پا لینے کی کوشش میں ماں کے سمجھائے ہوئے راستے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔

وقت کی گردشوں نے اسے خود اپنی بے بسی اور مجبوریوں سے بھی پیار کرنا سکھا دیا تھا۔ وہ اپنی ناکامیوں کو تھپکیاں دیتی رہی۔ اپنے احساس اور جذبات کو جھوٹی تسلیوں سے بہلاتی رہی۔ اسے اندھیروں سے جیسے پیار ہو گیا تھا۔

اور پھر............

اچانک............

ندیم اس کی زندگی میں داخل ہوا۔ امید کی ایک روشن کرن بن کر کچھ دیر کے لئے چمکا اور پھر وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر عاصمہ کو حالات کے تیز دھاروں کے حوالے کر کے خود اس کی زندگی سے علیحدہ ہو گیا۔ یوں جیسے سمندر کی دو مضطرب اور بے چین لہریں کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے سے ملیں پھر جدا ہو گئیں۔

خیالات کے دھارے وسیع ہو کر پھیلے تو ندیم کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ دل کی گہرائیوں سے خون کے دو گرم گرم قطرے ابلے اور آنسو کی شکل میں پلکوں سے

www.pdfbooksfree.pk

ڈھلک کر اس کے دامن میں جذب ہو گئے۔ عاصمہ کا تصور اسے تڑپائے ڈال رہا تھا اور تب ہی ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر اسے مخاطب کیا تھا۔

"صاحب! بتی جلا دوں۔"

"رہنے دو۔" وہ جلدی سے پلکوں پر کپکپاتے شبنمی قطروں کو آستین میں جذب کر کے بولا۔

"چائے تیار ہے صاحب!"

"ایک کپ بنا کر یہیں لے آؤ۔"

ملازم کے قدموں کی آہٹ دور ہوتی سنائی دی تو اس نے گھوم کر کمرے میں پھیلی تاریکی کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلا دی اور تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھ کر نیم دراز ہو گیا۔

ملازم نے چائے لا کر دی تو اس نے ذہن کو وقتی طور پر سکون دینے کی خاطر جلدی جلدی دو چار گھونٹ لئے پھر کپ میز پر رکھ دیا۔ ملازم جانے کے بجائے ابھی تک ہاتھ باندھے دروازے پر کھڑا تھا۔

"کیوں............ کوئی بات کہنی ہے؟"

"آج آپ ٹہلنے کے لئے نہیں گئے صاحب!"

"جی نہیں چاہ رہا ہے۔"

"صبح سے کمرے میں بند بیٹھے ہیں کچھ دیر کے لئے باہر آیئے تو دل بہل جائے گا۔"

"تمہیں کیوں فکر ہو رہی ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔" ندیم نے قدرے برہمی سے کہا۔

"میں آپ کا ملازم ہوں صاحب! اگر آپ کے آرام کا خیال نہ رکھوں گا تو پھر کس کا خیال کروں گا۔" ملازم نے دبی زبان میں کہا۔

ندیم ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ اس نے سوچا آخر گھر میں سمیرا بھی تو ہے جو اس کی بیوی بن کر بھی اس کے آرام کا کوئی خیال نہیں کرتی۔ اپنی دنیا میں ہنسی خوشی مگن رہتی ہے لیکن سمیرا کے برعکس ملازم کو اس کا کس قدر خیال رہتا ہے جو اس کی جھڑکیاں سن کر بھی اپنے فرض کی ادائیگی کے احساس کو نہیں بھولتا۔

"اگر میری بات بری لگی ہو صاحب تو مجھے معاف کر دیں۔ میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں۔"

"شوفر سے کہو میری گاڑی گیراج سے نکال دے۔" ندیم نے ملازم کا دل رکھنے کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "میری بات کا بُرا نہ ماننا۔ میں کچھ پریشان تھا نہ جانے کیا کہہ گیا۔"

"کیسی بات کرتے ہیں صاحب! میں اور بھلا آپ کی بات کا برا مانوں گا۔ میری کیا مجال ہے۔"

ملازم چلا گیا تو ندیم نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے۔ اس نے سوچا تھا کہ کچھ دیر کے لئے اگر وہ فیروز کی طرف ہو آئے تو دل بہل جائے گا۔ کپڑے بدل کر وہ راہداری میں آیا تو ملازم موجود تھا۔ ندیم کو دیکھ کر رک گیا۔ خوشی خوشی بولا۔

"گاڑی تیار ہے صاحب!"

"سمیرا کہاں ہے؟" ندیم نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"اپنے کمرے میں ہیں صاحب!"

"کیا کر رہی ہیں؟"

"پڑھ رہی ہیں۔" ملازم نے دبی زبان میں کہا۔ "ابھی زینت چائے دے کر آئی ہے وہی بتا رہی تھی کہ بیگم صاحبہ کے مہمان بھی ان کے ساتھ پڑھائی کر رہے ہیں۔"

"زینت اور رخسانہ ہوں گی شاید۔" ندیم نے کہا۔

"میں نے نہیں دیکھا صاحب لیکن زینت کہہ رہی تھی کہ کوئی صاحب بھی ہیں۔"

"فیروز تو نہیں ہے۔" ندیم پوچھ بیٹھا۔

"یہ میں نے دریافت نہیں کیا۔" ملازم نے جلدی سے کہا۔ "دیکھ آؤں جا کر۔"

"نہیں، رہنے دو۔"

ندیم آگے بڑھ گیا۔ سمیرا کے بیڈ روم کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے یونہی نظر گھما کر اندر دیکھا تو بڑھتے ہوئے قدم یکلخت رک گئے۔ چہرے کے تاثرات اچانک ہی بدلتے چلے گئے۔ شیرازی کو سمیرا کے ساتھ ہنس ہنس کر محو گفتگو پایا تو اس کا خون کھول اٹھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن نے مشورہ دیا کہ وہ تیزی سے آگے بڑھ جائے لیکن دل نے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔

جہاں تک سمیرا کا تعلق تھا وہ اب تک اس کی ہر بے مروتی اور سرد مہری کو برداشت کرتا رہا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا گھر لٹتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ غیرت کا احساس جاگا تو اس کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو گیا۔ بات اگر صرف سمیرا اور شیرازی کی حد تک محدود رہتی تو بھی شاید وہ ان کی بے غیرتی کو نظرانداز کر جاتا لیکن سمیرا کے رویہ نے اس کی غیرت کو للکارنے کی جرأت کی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

اس کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کی ہمت کی تھی۔

اس کی خاندانی شرافت کو بدنامی کی عمیق گہرائیوں میں دفن کر دینے کی کوشش کی تھی۔

اس کے اعتماد کو دغا دینے کی سعی کی تھی۔

اس کے جذبات اور احساسات کے منہ پر ایک ایسا زناٹے دار تھپڑ مارا تھا جو ناقابلِ برداشت تھا۔

اپنے غصے کو ضبط کرتا وہ اندر چلا گیا۔ شیرازی کی نظر ملی تو وہ ایک لحظہ کے لئے گھبرا سا گیا۔ سمیرا نے ندیم کو دیکھا تو ایک شانِ بے نیازی سے مسکرا دی۔

"ہیلو ندیم! سناؤ کیسے ہو؟" شیرازی نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" ندیم نے خشک لہجے میں کہا۔

"سنا ہے بڑے زور شور سے اسٹڈی کر رہے ہو۔"

"ہاں، اسٹڈی کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔" ندیم نے سمیرا کو دیکھ کر قدرے نفرت سے جواب دیا۔

"کہیں باہر سے آ رہے ہو شاید۔"

"کیوں؟" ندیم کا ذہن اس سوال پر جھن جھنا اٹھا۔

"میں نے سمیرا سے پوچھا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔"

ندیم کو ایسا لگا جیسے کسی نے اچانک اسے بلندی سے اٹھا کر پستی کی طرف اچھال دیا ہو۔ اسے سمیرا سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس حد تک اپنے معیار کو گرا دے گی۔ غصے سے اس کا چہرہ تپ اٹھا۔ شیرازی نے اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیت کو دیکھا تو جلدی سے اٹھتا ہوا سمیرا سے بولا۔

"اچھا.......... اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"او کے۔" سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا پھر ندیم کی طرف دیکھ کر شیرازی سے بولی۔ "کل میں رخسانہ کو لے کر تمہاری طرف آ جاؤں گی۔ جنرل ہسٹری بھی دیکھنی ضروری ہے۔"

"اچھا ندیم! خدا حافظ۔" شیرازی نے ندیم سے کہا پھر جواب کا انتظار کئے بغیر لمبے لمبے قدم اٹھاتا تیزی سے باہر چلا گیا۔

ندیم بدستور اپنی جگہ کسی بت کی طرح ایستادہ کھڑا سمیرا کو گھور رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کوئی کام ہے مجھ سے۔" سمیرا نے یکلخت سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں .... مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"کہو۔" سمیرا کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔

"آئندہ سے شیرازی یا ہمایوں کو یہاں آنے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

"کیوں؟" سمیرا کی پیشانی پر بل آ گئے۔

"اس لئے کہ یہ میرا گھر ہے اور میرے گھر میں غلط قسم کے افراد نہیں آ سکتے۔" ندیم نے قدرے سختی سے کہا۔

"اس گھر پر میرا بھی کچھ حق ہے۔" سمیرا بھی تیز ہو گئی۔

"میں انکار نہیں کرتا لیکن شیرازی اور ہمایوں کو میں پسند نہیں کرتا۔"

"اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔" سمیرا نے بیزاری کا اظہار کیا۔

"ٹھیک ہے مگر تمہیں کم از کم میری عزت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔"

"کیا عزت بھی زبردستی کرائی جا سکتی ہے؟" سمیرا نے بڑا گہرا طنز کیا تھا۔

"غلط انداز میں سوچ رہی ہو تم۔" ندیم تلملا کر بولا۔ "مجھے صرف یہ باور کرانا تھا کہ جو کھیل تم کھیل رہی ہو وہ ہم دونوں کی عزت کو مٹی میں ملا دے گا۔"

"مجھے اپنی عزت کا خیال تمہاری عزت سے زیادہ ہے۔" سمیرا کا چہرہ فرطِ جوش سے سرخ ہو گیا۔ ندیم کو گھور کر بولی۔ "میں نے اسی غرض سے شیرازی سے کہہ دیا ہے کہ کل سے میں اس کے ہاں چلی جایا کروں گی۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ تم شیرازی اور ہمایوں سے ملنا ترک کر دو تو؟"

"سوری .... میں دوسروں کے حکم پر چلنے کی عادی نہیں بن سکتی۔" سمیرا بپھر کر بولی۔

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ہاں۔"

"اس کی ایک صورت اور بھی ممکن ہے۔"

"وہ بھی کہہ ڈالو۔"

"تم اگر مجھ سے خوش نہیں ہو تو چھٹکارا حاصل کر لو۔"

اور جواب میں سمیرا بے اختیار ہنس پڑی لیکن اس کی ہنسی میں طنز تھا' تیر و نشتر تھے جو ندیم کا سینہ چھلنی کر گئے۔ وہ حیرت سے کھڑا سمیرا کا منہ تکے جا رہا تھا۔ سمیرا یکلخت ہنسی

www.pdfbooksfree.pk

روک کر تلخ لہجے میں بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے' کیا میں انتقام لئے بغیر ہی تم سے علیحدگی اختیار کر لوں گی؟"

"ڈور زیادہ کھینچی جائے تو ٹوٹ بھی جاتی ہے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔

"مجھے زندگی کے فلسفوں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"تم مجھ سے انتقام ہی لینا چاہتی ہو تو اس کے اور بھی بہت سارے طریقے ہیں لیکن شیرازی اور ہمایوں سے میں تمہارا میل جول اچھا نہیں سمجھتا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کو دوسرے بری نظروں سے دیکھیں اسے میں بھی بری نگاہوں سے دیکھوں۔"

لیکن ہر حال میں انسان کو اپنی عزت کا خیال رکھنا لازم ہے۔"

"کبھی فرصت ملی تو سوچوں گی اس مسئلے پر۔" سمیرا نے بڑی حقارت سے جواب دیا۔ "آج کل میں صرف پڑھائی پر دھیان دینا چاہتی ہوں۔"

اور پھر اس سے پہلے کہ ندیم کچھ کہتا وہ نفرت سے منہ پھیر کر کتاب الٹنے پلٹنے لگی۔ ندیم کچھ دیر خاموش کھڑا سمیرا کو گھورتا رہا پھر آہستہ سے پلٹ کر باہر نکل آیا۔

☆======☆======☆

ندیم کے ساتھ تلخ کلامی ہونے کے بعد سے سمیرا کسی قدر اپنی جگہ محتاط ضرور ہو گئی تھی لیکن اس کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ آ سکی بلکہ اب تو اس نے ندیم سے کبھی کبھار کی گفتگو بھی ختم کر دی تھی۔ ندیم نے شیرازی کے سلسلے میں اسے جو کچھ کہا تھا وہ سمیرا کو بے حد گراں گزرا تھا۔ ہرچند کہ وہ خود بھی شیرازی یا ہمایوں کو ناپسند کرتی تھی لیکن ندیم کو جلانے کی خاطر اس نے ان دونوں سے محض واجبی سے تعلقات پیدا کر لئے تھے لیکن جب ندیم نے اس کے غلط مطلب نکالے اور اسے سرزنش کی تو سمیرا تلملا کر رہ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ سے وہ شیرازی یا ہمایوں کو گھر نہ بلائے گی لیکن باہر ان دونوں سے ضرور ملے گی۔

وقتی طور پر اس نے احتیاط اس لئے برتنی شروع کر دی تھی کہ ندیم نے ایک دم ہی سے چھٹکارے کی تجویز اس کے سامنے رکھ دی تھی جب کہ سمیرا کسی قیمت پر بھی ندیم سے علیحدگی کے لئے تیار نہ تھی۔ شاید اس لئے کہ ابھی اس کی انا کو تسکین نہیں پہنچی تھی۔ اس کا انتقام ابھی ادھورا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ ندیم اس سے چھٹکارا حاصل کر کے دوسری کسی عورت کا بن جائے۔ جب سے ندیم نے دبی زبان میں کسی ایسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جس کی محبت آج بھی اس کے دل میں محفوظ تھی تو سمیرا کے سینے پر جیسے سانپ لوٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اس احساس ہی سے تلملا اٹھی تھی کہ ندیم نے محض اپنے باپ کی خوشنودی کی خاطر اسے اپنا لیا ہے ورنہ وہ کسی اور لڑکی کا شیدائی تھا۔

سمیرا نے بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح ندیم کی زندگی کا وہ راز پا لے جو ندیم کی زبان تک آ کر تشنہ رہ گیا تھا لیکن اسے اپنی کوششوں میں کامیابی نہ ہو سکی۔ وہ اس لڑکی کا نام نہ جان سکی جس سے ندیم نے اپنی محبت وابستہ کر رکھی تھی۔

جب تک امتحان ہوتے رہے سمیرا سب کچھ بھول کر بڑی توجہ سے اپنی پڑھائی میں مصروف رہی۔ وہ ندیم کو امتحان کے سلسلے میں بھی نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ امتحان ختم ہوئے تو اس کے معمول میں تبدیلی آ گئی۔ دن بھر وہ اپنے کمرہ میں بند پڑی ندیم کو جلانے کے لئے منصوبے بناتی رہتی۔ شام ہوتی تو اپنی گاڑی لے کر کہیں تفریح کے لئے نکل جاتی۔ کئی کئی دنوں تک ندیم سے اس کا سامنا بھی نہ ہوتا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سوچتی کہ آخر کون سی ترکیب ایسی عمل میں لائی جائے جو ندیم کو اس کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے۔

وقت جوں جوں گزرتا گیا سمیرا کی بے چینی بڑھتی گئی۔ حالات نے رخ بدلا تو سمیرا کو ندیم کی دوری کھلنے لگی۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ ندیم محض ایک بار ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے سر جھکا دے اور پھر وہ صدق دل سے اسے معاف کر کے اپنی گھریلو زندگی کو خوشگوار بنا لے لیکن ندیم تو جیسے اپنی جگہ آہنی چٹان بن گیا تھا۔

آج بھی سمیرا انہی خیالات میں محو اپنے کمرے میں لیٹی تھی جب ملازمہ نے ڈاک لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"ندیم کہاں ہیں؟" اس نے ملازمہ سے پوچھا۔

"صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"کب گئے تھے۔"

"بہت دیر ہو گئی۔" ملازمہ بولی۔ "فیروز صاحب بھی ساتھ تھے۔"

"کچھ بتایا تھا کہاں جا رہے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔"

ملازمہ چلی گئی تو سمیرا نے پہلا لفافہ چاک کیا۔ یہ خط اس کے باپ کا تھا جس میں اس کی خیریت دریافت کی گئی تھی اور کچھ گھریلو باتیں تھیں۔ دوسرا خط ندیم کے والد نے کانپور

www.pdfbooksfree.pk

سے بھیجا تھا جس میں اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی اور ندیم اور سمیرا کو اس بات کی ہدایت کی تھی کہ وہ کچھ دنوں کے لئے کانپور آ جائیں۔ سمیرا نے اس خط کو دوبارہ بہت غور سے پڑھا پھر کچھ سوچ کر نذر آتش کر دیا۔ وہ کانپور جانے کے لئے تیار نہ تھی ورنہ اخلاقاً اور ضرورتاً اسے ندیم کے ساتھ محبت سے پیش آنا پڑتا جسے وہ اس وقت تک برداشت نہیں کر سکتی تھی جب تک ندیم اس کے سامنے جھک نہیں جاتا۔

تیسرا خط بھی ندیم کے نام تھا۔ سمیرا نے بے دلی سے لفافہ چاک کیا مگر جب خط کا مضمون پڑھا تو خون کی گردش یکلخت تیز ہو گئی۔ یہ خط الہ آباد سے ندیم کے کلاس فیلو اختر نے لکھا تھا جس میں کچھ ایسی باتیں درج تھیں جسے جان لینے کے لئے سمیرا ایک عرصہ سے بے چین تھی اور آج محض اتفاقیہ طور پر وہ اس راز سے واقف ہو گئی تھی جس کے لئے ندیم نے پردہ پوشی اختیار کر رکھی تھی۔ سمیرا نے دھڑکتے دل سے اس خط کو دوسری بار پڑھنا شروع کیا۔ اختر نے لکھا تھا۔

"مائی ڈیئر ندیم!

امید ہے تم خیریت سے ہو گے۔ آج بہت عرصے بعد تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ کچھ تو امتحانات کی مصروفیات تھیں اور کچھ ذاتی مصروفیات جس کی بناء پر تم کو یہاں کے حالات سے باخبر نہ کر سکا۔

تمہیں یہ جان کر یقیناً خوشی ہو گی کہ میرے سارے پرچے اچھے ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ کامیاب ہو جاؤں گا۔ اب تم شاید یہ جاننے کے لئے بے چین ہو گے کہ عاصمہ کا کیا رہا۔ اس سلسلے میں براہِ راست عاصمہ سے کچھ نہیں معلوم کر سکا ایک دو بار ملاقات ہوئی لیکن نہ جانے کیوں وہ مجھ سے سیدھے منہ بات کرنے پر آمادہ نہ ہو سکی۔ میں نے جب معلوم کیا کہ پرچے کیسے ہوئے ہیں تو ایک لمحے کے لئے وہ خاموش رہی پھر یہ کہہ کر چلی گئی کہ آخر کسی کو اب اس کے مستقبل سے کیا واسطہ رہ گیا ہے۔ یہ جملہ غالباً اس نے تمہارے لئے کہا تھا۔ بہرحال کچھ دنوں پیشتر روزی سے ملاقات ہوئی تو وہ بتا رہی تھی کہ عاصمہ کے پرچے بہت شاندار ہوئے ہیں۔ روزی نے تمہارا پتہ دریافت کیا تھا لیکن میں جان بوجھ کر اسے نظرانداز کر گیا۔ روزی کے ذریعہ مجھے عاصمہ کا رول نمبر بھی معلوم ہو گیا ہے جسے لکھ رہا ہوں۔

آخر میں تم کو یہ ایک اہم خبر اور سنانی مقصود ہے۔ کل رات ماہ منیر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے کالج کے بے تکلف دوستوں کی پارٹی کی تھی جس میں گانے بجانے کا انتظام بھی تھا۔ خاصا لطف رہا۔ تمہاری یاد بُری طرح آتی رہی۔ دنیا جہان کی باتیں چھڑ گئی تھیں اور انہی باتوں کے درمیان رفعت کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ عاصمہ اور اس کی والدہ الہ آباد چھوڑ کر کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ مجھے اس اطلاع کو سن کر تمہاری وجہ سے تشویش ہوئی چنانچہ آج صبح جب میں عاصمہ کے گھر گیا تو پڑوسیوں نے بھی رفعت کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کر دی لیکن کوئی یہ نہ بتا سکا کہ عاصمہ اور اس کی ماں کہاں گئے ہیں۔ اگر معلوم کر سکا تو تمہیں فوراً مطلع کر دوں گا۔ پچھلے خط میں' میں نے غالباً تم کو یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ عاصمہ کی صحت خراب رہنے لگی تھی آخری بار جب امتحان کے زمانے میں میری ملاقات ہوئی تھی اس وقت بھی بڑی مضمحل اور افسردہ سی لگ رہی تھی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ شاید وہ ابھی تک اس غم کو فراموش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی جو اسے تمہاری مجبوریوں یا بے وفائی سے پہنچا ہے۔

اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔ سمیرا بھابی کو میرا بہت بہت سلام کہنا اور اپنی خیریت سے جلدی مطلع کرنا۔ باقی آئندہ۔

تمہارا دیرینہ دوست اختر

سمیرا نے خط پڑھا تو خوشی اور غصے کی ملی جلی کیفیت سے اس کا چہرہ سرخ ہو کر گلنار بن گیا۔ خوشی اس لئے ہوئی تھی کہ آج وہ ندیم کی زندگی کے ایک اہم راز سے واقف ہو گئی تھی جس کی اسے بہت دنوں سے تلاش تھی اور غم اور غصہ اس لئے ہوا تھا کہ ندیم کا وہ راز عاصمہ کی ذات سے وابستہ تھا۔

عاصمہ............

جسے سمیرا نے کبھی کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

ہمیشہ اس کا مذاق اڑا کر اس نے خوشی محسوس کی تھی۔

اس نے حقیر اور کمتر سمجھا تھا۔

اس کی غربت اور اس کی مجبوریوں کی ہنسی اڑائی تھی۔

کبھی اپنے برابر بھی نہ پھٹکنے دیا تھا۔

لیکن آج............

www.pdfbooksfree.pk

آج وہی عاصمہ جب اس کے اور ندیم کے درمیان ایک راز بن کر سامنے آئی تو سمیرا کا خون کھول اٹھا اس کا انتقامی جذبہ اور بھی بھڑک اٹھا اور وہ عاصمہ کے بارے میں سوچنے لگی۔ کبھی اس کے تصور میں ندیم اور عاصمہ کی خفیہ ملاقاتوں کے مدھم مدھم اور دھندلے دھندلے سے عکس ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہو جاتے اور کبھی یہ عکس اتنے واضح نظر آنے لگتے کہ سمیرا سیماب کی طرح تڑپ اٹھتی۔ بہت دیر تک وہ بے چینی کے عالم میں اختر کا خط ہاتھ میں لئے کمرے میں ٹہلتی رہی پھر یکلخت اس کے ذہن میں جیسے کسی دبے ہوئے آتش فشاں کا ڈھیروں لاوا ابل پڑا۔ اس نے سوچا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ندیم نے عاصمہ کی غربت سے فائدہ اٹھایا ہو۔

اس کی بے بسی کو سہارا دینے کا سبز باغ دکھا کر اس کی زندگی سے کھیلتا رہا ہو۔

دادِ عیش دیتا رہا ہو۔

اور............

جب اس کا دل بھر گیا تو اس نے عاصمہ کو ٹھکرا کر مجھ کو اپنا لیا۔

سب کچھ ممکن تھا۔ کچھ بعید نہ تھا۔

سمیرا کا ذہن پگھلے ہوئے سیسے کی طرح ابلتا رہا۔ اختر کے خط نے اس کی بے چینیوں میں ایک دم ہی سے بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ وہ جیسے کانٹوں پر لوٹنے کو مجبور ہو گئی تھی اور پھر اس نے سوچا شاید ندیم نے اسے شیرازی اور ہمایوں سے بھی اسی لئے دور رہنے کو کہا ہے کہ کہیں وہ کھیل دوبارہ نہ کھیلا جا سکے جو وہ خود عاصمہ کے ساتھ کھیل چکا تھا۔

ذلیل۔

کمینہ............ آوارہ............

سمیرا کی قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ اپنے ذہن میں ندیم اور عاصمہ کے بارے میں پراگندہ خیالات اور توہمات کو ایک واضح شکل دے کر وہ ندیم سے شدید نفرت کرنے لگی۔ اس نے اچانک ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ کبھی ندیم سے کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ ہمیشہ اپنی بے رخی سے اس کو پریشان کرتی رہے گی۔ اپنی باتوں سے ندیم کے دل پر اس وقت تک تیر و نشتر برساتی رہے گی جب تک کہ ندیم کا دل چھلنی نہیں ہو جاتا۔

باہر سے ہارن کی آواز سنائی دی تو سمیرا نے جلدی سے اختر کے خط کو لفافہ سمیت آہنی الماری میں بند کیا پھر ملازمہ کو زور سے آواز دی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"جی بیگم صاحبہ!" ملازمہ اس کی پہلی ہی آواز پر بھاگی بھاگی سامنے آ گئی۔

"یہ ہارن کی آواز کس کی گاڑی کی تھی؟" اس نے ملازمہ سے پوچھا۔

"صاحب آ گئے ہیں۔"

"اور کون ہے۔ میرا مطلب ہے کیا فیروز صاحب بھی ساتھ ہیں۔"

"جی نہیں' رخسانہ بی بی ساتھ آئی ہیں۔"

"رخسانہ.........." سمیرا چونکی۔ "کہاں ہے رخسانہ۔"

"صاحب کے ساتھ ان کے کمرے کی طرف گئی ہیں۔"

سمیرا کا ذہن بہکا ہوا تھا اس لئے وہ رخسانہ اور ندیم کے بارے میں بھی بہت جلدی میں ایک غلط فیصلہ کر بیٹھی۔ شاید اس لئے کہ اب اسے ندیم پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ رخسانہ کے بارے میں وہ پہلے ہی کالج میں بہت ساری باتیں سن چکی تھی جن کو اس نے محض سٹنٹ سمجھا تھا۔ رخسانہ اس کی بہت اچھی اور بے تکلف سہیلیوں میں سے تھی لیکن آج جب ملازمہ نے اسے بتایا کہ رخسانہ ندیم کے ساتھ اس کے کمرے میں گئی ہے تو سمیرا برداشت نہ کر سکی۔ رخسانہ کے بارے میں بھی وہی فیصلہ کر بیٹھی جو اختر کا خط ملنے کے بعد اس نے ندیم اور عاصمہ کے بارے میں کیا تھا۔

ندیم اور عاصمہ۔

ندیم اور سمیرا۔

اور اب..........

"ندیم اور رخسانہ۔"

وہ غصے سے کانپ اٹھی پھر اچانک اسے خیال آ گیا کہ اس نے ملازمہ کو کس مقصد سے بلایا تھا۔ غصہ پیتی ہوئی بولی۔

"تو نے ندیم کو ڈاک کے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔"

"نہیں بیگم صاحبہ!" ملازمہ سمیرا کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر سہم سی گئی۔

"خبردار جو تو نے ندیم سے ڈاک کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا۔"

"نہیں کہوں گی بیگم صاحبہ!" ملازمہ جلدی سے بولی۔

"اگر ندیم کو ان خطوط کے بارے میں کچھ معلوم ہوا تو تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔"

"صاحب کو کچھ نہیں معلوم ہو گا۔" ملازمہ نے بری طرح سہم کر کہا۔

"کسی اور کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنی چاہئے۔" سمیرا بپھر کر بولی۔

"نہیں لگے گی بیگم صاحبہ!"

"دفع ہو جاؤ بس۔"

ملازمہ تیزی سے گھوم کر باہر جانے لگی تو سمیرا نے اسے پھر روکا۔

"سنو.......... رخسانہ اگر جانے لگے تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔"

"جی.......... اچھا۔"

ملازمہ چلی گئی تو سمیرا نے غصے کی کیفیت میں دوبارہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

اس کی ذہنی حالت پے در پے پیش آنے والے حالات سے بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی پھر اسی کیفیت میں اس نے اچانک یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ اب وہ شیرازی اور ہمایوں سے ضرور ملے گی۔ محض ندیم کو جلانے کی خاطر وہ ان دونوں کو گھر پر بھی بلائے گی اور اگر ندیم نے باز پُرس کی تو وہ بھی چپ نہ رہے گی۔ ترکی بہ ترکی جواب دے گی۔ اس کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے گی۔ اس کی ہر درخواست کو ٹھوکر مار دے گی۔ اس کی عزت' اس کی شہرت' اس کے مرتبے اور وقار سب کو خاک میں ملا دے گی۔ چاہے اسے خود بھی اپنے وقار کو خطرے میں کیوں نہ ڈالنا پڑے۔

جیسے جیسے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل گزرتا رہا سمیرا کا شبہ بڑھتا گیا۔ وہ رخسانہ اور ندیم کے بارے میں سوچتی رہی۔ مبہم مبہم سے خاکے بنتے اور مٹتے رہے۔ ذہن کی پراگندگی میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر جب دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو وہ پھر بپھری ہوئی خونخوار شیرنی کی طرح پلٹی۔

دروازے پر رخسانہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سمیرا کا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ مچلتے جذبات کی فراوانی نے جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ سوچ سکی کہ شاید رخسانہ اب اس کا مذاق اڑانے کی خاطر اس کے روبرو کھڑی مسکرا رہی ہے۔ اس نے بڑی نفرت اور حقارت بھری نظروں سے رخسانہ کو گھورا۔

"ہیلو سمیرا!"

رخسانہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو سمیرا کو یوں محسوس ہوا جیسے تپتے ہوئے ریگستان کے سنگریزے اس کے کانوں کے راستے اس کے دل کی گہرائیوں کو جھلسا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

وہ رخسانہ کو حقارت سے گھورتی رہی۔

"خیریت تو ہے۔" رخسانہ ہنستی مسکراتی آگے بڑھی۔ "کچھ غصے میں نظر آ رہی ہو۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا بات ہے؟"

سمیرا نے ہونٹ کاٹنے شروع کر دیئے۔

"کچھ بولو ڈیئر!" رخسانہ قریب آ کر بولی۔

سمیرا کا غصہ نقطۂ عروج کو چھونے لگا تو اس کے سارے بدن میں ایک تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ رگیں جیسے ایک دم ہی کھنچنے لگی تھیں۔

"تمہاری طبیعت تو کچھ خراب نہیں ہے۔"

"نکل جاؤ میرے گھر سے' فاحشہ' ذلیل عورت' ناگن۔" سمیرا چیخ پڑی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" رخسانہ نے چونک کر کہا۔ اسے جیسے اپنی قوتِ سماعت پر شبہ سا ہو رہا تھا۔ سمیرا سے شاید اسے ان الفاظ کی توقع نہیں تھی۔

"اگر تمہیں میرے شوہر کے ساتھ رنگ رلیاں منانی تھیں تو اور بھی جگہ میسر آ سکتی تھیں۔ میرے ہی گھر کا انتخاب کیوں کیا؟" سمیرا آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

"ڈونٹ بی سلی۔"

"گٹ آؤٹ آف ہیئر۔" سمیرا کا بھرپور ہاتھ گھوما تو رخسانہ چکرا کر رہ گئی۔ سنبھل کر اس نے سمیرا کو گھورا پھر سہمی سہمی سی باہر بھاگ گئی۔

اور رخسانہ کے جانے کے بعد سمیرا نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کے دروازے کو اتنی شدت سے بند کیا کہ دیوار تک لرز اٹھی تھی۔ کانچ کے نازک شیشے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔

☆======☆======☆

امتحان کا نتیجہ شائع ہوا تو ندیم فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا تھا۔ سمیرا نے سیکنڈ کلاس حاصل کی تھی اور عاصمہ۔

ندیم بے چین ہو گیا۔ اسے عاصمہ کا نتیجہ جاننے کی خواہش تھی۔ وہ بے خیالی میں اخبار ہاتھوں میں پھیلائے ایک ایک رول نمبر کو دیکھ رہا تھا اور ہر پاس ہونے والے رول نمبر پر دل سے یہی دعا مانگتا کہ کاش یہی رول نمبر عاصمہ کا ہو۔

اسے اپنے اور سمیرا کے پاس ہونے کی کچھ ایسی زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی اسے رہ رہ کر اختر پر غصہ آ رہا تھا۔ عاصمہ کا رول نمبر معلوم کرنے کے لئے اس نے اختر کو کتنے ہی خط لکھ ڈال تھے لیکن اختر نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ کسی ایک خط کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

اور دوسرے کمرے میں سمیرا اپنی مسہری پر بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی اس کا چہرہ غصے کے شدید جذبے سے تپ کر گلنار ہو گیا تھا۔ اخبار ہاتھ میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے عاصمہ کا رول نمبر دیکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عاصمہ فیل ہو گئی ہو گی لیکن جب اس نے عاصمہ کے رول نمبر کو فرسٹ ڈویژن کی لسٹ میں دیکھا تو تلملا اٹھی جیسے اسے عاصمہ کی کامیابی سے کوئی دیرینہ پُرخاش رہی ہو۔ کچھ دیر تک اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا پھر جب اس نے الماری سے اختر کے خطوط نکال کر عاصمہ کے رول نمبر سے ملایا تو اندر ہی اندر سلگ اٹھی اس کے بعد جب اس نے ندیم کو بھی فرسٹ ڈویژن کی لسٹ میں پایا تو اس کے ہونٹوں پر بڑی تلخ مسکراہٹ ابھر آئی جیسے وہ غائبانہ طور پر ندیم کا مضحکہ اڑانا چاہتی تھی۔

اور............

پھر جب اس نے اپنا رول نمبر سیکنڈ ڈویژن کی فہرست میں پایا تو سلگ اٹھی۔ بڑی سختی سے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ دل میں نفرت اور حقارت کا جذبہ جوش مارنے لگا۔ عاصمہ نے زندگی کے ساتھ ساتھ کالج کے امتحان میں بھی اس پر سبقت حاصل کر لی تھی۔ یہ سوچ کر وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ دل میں سلگتے ہوئے شعلے جیسے اسے جلائے ڈال رہے تھے۔

اپنی مسہری پر بیٹھی وہ پیچ و تاب کھاتی رہی پھر اس نے جھلا کر اس پورے صفحے کی دھجیاں اڑا ڈالیں جس پر عاصمہ اور ندیم کا نتیجہ شائع ہوا تھا۔ فرش پر بچھے قیمتی قالین پر اخبار کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر کر رہ گئے۔ ہونٹ کاٹتی وہ تیزی سے اٹھی اور غصے کی کیفیت میں ان ٹکڑوں کو اپنے قدموں تلے روندنے لگی۔ یوں جیسے وہ ان ٹکڑوں کا نام و نشان بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ملازمہ ناشتے کی ٹرالی گھسیٹتی کمرے میں داخل ہوئی تو سمیرا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس نے اپنی مالکن کے چہرے پر غیض و غضب کے تاثرات دیکھے تو سمجھ نہ سکی کہ آخر صبح ہی صبح ایسی کیا بات ہو گئی ہے جس نے مالکن کو اس درجہ ناراض کر دیا ہے۔ نظریں جھکا کر وہ سہمے سے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ٹرالی کو گھسیٹتی مسہری کے قریب لے آئی پھر دبی زبان میں بولی۔ "بیگم صاحبہ! ناشتہ تیار ہے۔"

"پھینک دو اٹھا کر۔" سمیرا نے تڑپ کر کہا تو ملازمہ کچھ اور سہم گئی۔ خوف کے بارے اس نے جلدی سے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"منہ لٹکائے کیوں کھڑی ہو' دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"چائے بنا دوں؟" ملازمہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"گٹ آؤٹ۔" سمیرا اتنی زور سے چیخی کہ خود اس کی آواز بھرا کر رہ گئی۔

ملازمہ بے چاری ساری جان سے لرز اٹھی۔ چور چور نظروں سے اس نے سمیرا کی طرف دیکھا پھر جلدی سے گھومی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سمیرا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ عاصمہ کی کامیابی نے جیسے اسے کانٹوں پر لوٹنے کو مجبور کر دیا تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو شاید وہ عاصمہ کی دھجیاں بھی اسی انداز میں اڑاتی جیسے اس نے اخبار کو ریزہ ریزہ کیا تھا۔ یہی احساس اسے مارے ڈال رہا تھا کہ عاصمہ اس پر سبقت لے گئی ہے۔

عاصمہ۔

جس نے پہلے اس کی نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی بڑی چوری چوری ندیم پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ یوں کہ سمیرا کو خبر تک نہ ہو سکی۔

اور آج............

آج وہ سمیرا کی نگاہوں سے دور ہونے کے باوجود اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھی۔

پہلے اس نے ندیم کے معاملے میں سمیرا کو شکست دی تھی اور اب۔

اب امتحان میں بھی اس نے سمیرا کو نیچا دکھا دیا تھا۔

آتش دان کے کارنس پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تو سمیرا کے خیالات کا شیرازہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس نے سوچا۔ یہ کال نہ جانے کس کی ہو۔ کیسی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی کسی سہیلی نے نتیجہ دیکھ کر اسے مبارکباد دینے کی خاطر فون کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اختر نے الہ آباد سے ندیم کو عاصمہ کی کامیابی کا مژدہ جاں فزا سنانے کے لئے ٹرنک کال کی ہو۔

فون کی گھنٹی دوسری بار چیخی تو سمیرا ہونٹ کاٹتی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی آتشدان کے قریب آ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے فون کو معنی خیز نظروں سے دیکھا تو پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"کون............ سمیرا۔" دوسری سے سے کسی مرد کی آواز ابھری۔

www.pdfbooksfree.pk

"ہاں............ میں سمیرا بول رہی ہوں' تم کون ہو؟"

"بہت خوب' گویا اب آپ میری آواز بھی نہیں شناخت کر سکتیں۔"

"کون............ شیرازی۔" سمیرا نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو میرا نام تو یاد رہا ورنہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ میری طرح میرا نام بھی بھلا دیا گیا ہو گا۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈیئر!" سمیرا جلدی سے بولی۔ "میں ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں اس لئے تمہاری آواز نہیں پہچان سکی۔"

"بہرحال' اب آپ نے آواز پہچان لی ہے تو میری طرف سے امتحان میں کامیابی کی مبارکباد بھی قبول کر لیجئے۔"

"تمہارا کیا رہا؟" سمیرا نے جلدی سے پوچھا۔

"کیوں............ کیا آپ نے اخبار میں میرا رول نمبر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی؟"

"مجھے یاد نہیں رہا تمہارا رول نمبر۔" سمیرا گڑبڑا گئی۔

"آپ کا کیا اندازہ ہے میرے نتیجے کے بارے میں۔"

"تمہارے جیسے ذہین شخص کو یقیناً کامیاب ہونا چاہئے تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ میں کامیاب ہو گیا۔"

"ڈویژن کون سی حاصل کی؟" سمیرا نے سپاٹ لہجے میں جلدی سے پوچھا۔ نہ جانے کیوں یہ سوال کرتے وقت اس کی آواز کانپ سی گئی تھی۔

"ارادہ تو تھا کہ فرسٹ ڈویژن لوں گا لیکن پھر کچھ سوچ کر سیکنڈ ڈویژن پر قناعت کر لیا۔"

"میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔" سمیرا تلملا کر بولی۔

"خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔" دوسری طرف سے شیرازی نے جلدی سے کہا۔

"میں نے تو یہ بات محض اس لئے کہی تھی کہ ہم دونوں ہی سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں۔ اگر کہیں میری فرسٹ ڈویژن آ جاتی تو مجھے افسوس ہی ہوتا۔"

"کیوں ہوتا تمہیں افسوس؟"

"آپ کو یہی خیال گزرتا کہ میں دوستی کے وعدے سے منحرف ہو گیا ہوں۔"

"اوہ۔" سمیرا کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ندیم صاحب تو اپنی شاندار کامیابی پر بہت زیادہ مسرور ہوں گے۔"

"مجھے کیا خبر۔" سمیرا روانی میں کہہ گئی۔

"تعجب ہے۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی آپ ان سے اس درجہ بے خبر رہتی ہیں۔"

"چھوڑو ان فضول باتوں کو۔" وہ جھلا گئی پھر باتوں کا رخ بدل کر پوچھا۔ "یہ بتاؤ پارٹی کب دے رہے ہو اپنی کامیابی کی خوشی میں۔"

"ارادہ تو تھا لیکن۔"

"لیکن کنجوسی آڑے آ گئی۔ کیوں؟" سمیرا نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"کنجوسی نہیں بلکہ مجبوری کہئے سمیرا! جس پارٹی میں آپ شریک نہ ہوں اس میں بھلا کیا خاک لطف آئے گا۔"

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں شریک نہ ہوں گی۔" سمیرا نے تعجب سے پوچھا۔

"خیال تھا میرا۔" شیرازی نے دبی زبان میں کہا۔ "ممکن ہے ندیم صاحب نے آپ کو مجھ سے ملنے کے لئے منع کر دیا ہو۔"

"نان سنس۔" سمیرا تلملا کر بولی۔ "میں ندیم کی بیوی ہوں ملازم نہیں ہوں۔"

"زہے نصیب۔" شیرازی کی خوشی میں ڈوبی آواز ابھری۔ "اگر یہ بات ہے تو پھر جب آپ حکم دیں میں پارٹی دے ڈالوں۔"

"کیا میرے حکم کے بغیر تم پارٹی نہیں دے سکتے۔"

"جی نہیں .... بندہ تو آپ کے حکم کا غلام ہے۔"

"اپنی کامیابی پر بہت خوش معلوم دیتے ہو۔" سمیرا نے زیر لب مسکرا کر کہا۔

"کامیابی سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی ڈویژن میں رہے۔"

"آج تمہارا کوئی خاص پروگرام تو نہیں ہے۔" سمیرا نے کچھ سوچتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں .... کوئی خاص حکم۔"

"ہاں۔" سمیرا پیشانی پر بکھرے بالوں کو پشت کی طرف جھٹکتے ہوئے بولی۔ "تم میرا انتظار کرو۔ میں تیار ہو کر آ رہی ہوں پھر پارٹی کا پروگرام طے کیا جائے گا۔"

"اجازت ہو تو جس راستے سے آپ تشریف لا رہی ہیں اس پر پلکیں بچھا دوں۔"

"شریر۔" سمیرا نے مسکرا کر ریسیور رکھ دیا۔

اس کی الجھن شیرازی کا فون ملنے سے بڑی حد تک کم ہو گئی تھی اس نے اچانک ہی فیصلہ کر لیا کہ اب وہ بھی شیرازی کو درمیان میں لا کر ندیم کو تڑپ اٹھنے پر مجبور کر دے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح عاصمہ کی شخصیت نے اس کے اور ندیم کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تھی۔

ریسیور رکھ کر وہ مڑی تو اس کی نگاہ سامنے دیوار کی طرف اٹھ گئی جہاں اس کی اور ندیم کی تصویر ایک بڑے فریم میں شانہ بشانہ مسکراتی نظر آ رہی تھی۔ شادی کے دو روز بعد ندیم نے اس کی درخواست پر یہ تصویر کھنچوائی تھی جسے سمیرا نے بڑی مسرت کے ساتھ انلارج کرا کے فریم کرا لیا تھا اور اس فریم کو اپنی خوابگاہ میں سب سے اونچا مقام دے دیا تھا لیکن آج وہ اس تصویر کو دیکھ کر سلگ اٹھی تھی۔ اس کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ تصویر میں ندیم کی جاندار مسکراہٹ اسے اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہوئی تو اس نے بڑی نفرت سے منہ پھیر لیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی باتھ روم میں چلی گئی۔

شاور کے نیچے کھڑے ہو کر ٹھنڈے پانی سے وہ دیر تک نہائی تو ذہن پر جمع ہوئی گرد کسی قدر چھٹ گئی۔ باتھ روم سے باہر آ کر اس نے ایک شوخ اور بھڑکیلی ساڑھی پہنی اور خوب سارا میک اپ کر کے شیرازی کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

اپنا کشتی نما خوبصورت پرس ہلاتی وہ برآمدے میں آئی تو ندیم اور فیروز کو باہر لان پر بیٹھا دیکھ کر ایک لمحے کے لئے رک سی گئی۔ ندیم فیروز کی کسی بات پر مسکرایا تو سمیرا کو یوں لگا جیسے ندیم کی مسکراہٹ نے اس کے وقار کی توہین کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تلملا کر رہ گئی۔ ندیم کو نفرت سے گھورتی آگے بڑھی تو فیروز کی نظریں اس سے چار ہو گئیں۔

"سمیرا بہن!" فیروز نے دور ہی سے اسے آواز دے لی۔

"فرمائیے۔" وہ نہ چاہنے کے باوجود فیروز کی مروت میں قریب چلی گئی۔

ندیم نے سمیرا کی بے رخی کو محسوس کیا تو ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

"مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہوا تھا آپ کو۔" فیروز مسکراتے ہوئے بولا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ دونوں پاس ہو گئے۔"

"آپ کا کیا رہا؟" سمیرا نے دبی زبان میں پوچھا۔ ندیم کی طرف اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

"اتفاق سمجھئے کہ میں بھی پاس ہو گیا۔"

"مبارک ہو۔" سمیرا نے رسماً کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مٹھائی کب کھلا رہی ہیں آپ اپنی کامیابی کی خوشی میں۔"

"پہلے آپ اُن لوگوں سے فارغ ہو لیجئے جو فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے ہیں۔ بعد میں میرا نمبر آئے گا۔" سمیرا نے طنز بھرے لہجے میں کہا تو ندیم کسمسا کر رہ گیا۔ فیروز نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ سمیرا اس وقت نفسیاتی اعتبار سے احساسِ کمتری کا شکار ہو رہی ہے چنانچہ وہ مسکرا کر بولا۔

"ڈویژن کی تو خیر کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ علیحدہ علیحدہ اگر پارٹی ہو تو میرا زیادہ فائدہ ہو گا۔ دوبار مٹھائی کھانے کو ملے گی۔"

"آپ ندیم صاحب سے بھی مٹھائی کے دو حصے وصول کر سکتے ہیں۔" سمیرا نے ندیم کو کنکھیوں سے گھورتے ہوئے اس پر بڑی گہری چوٹ کی لیکن ندیم اور فیروز دونوں اس بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔

"گویا آپ اپنے حصے کی مٹھائی بھی ندیم کی جیب سے خریدوانا چاہتی ہیں۔" فیروز نے پوچھا۔

"غلط سمجھے آپ۔" سمیرا نے چبھتے لہجے میں جواب دیا۔ "ندیم صاحب چونکہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں اس لئے یہ کسی ایسی ہی شخصیت کے حصے کی مٹھائی کھلا سکتے ہیں جو فرسٹ ڈویژن ہی میں پاس ہوا ہو۔"

"میں سمجھا نہیں آپ کا مقصد کس کی ذات ہے؟" فیروز بولا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے کہ ندیم کے ساتھیوں میں دوسرا تو کوئی اول درجے میں کامیاب نہیں ہوا۔"

"اتنے وثوق کے ساتھ بھلا آپ کیسے کہہ رہے ہیں۔" سمیرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ مچل اٹھی۔

ندیم نظریں نیچی کئے سمیرا کے ہر ہر نشتر کو برداشت کر رہا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ سمیرا کس کے بارے میں کہنا چاہ رہی ہے۔

"ندیم کے دوست ہونے کے رشتے میں ان کے قریب قریب تمام ساتھیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" فیروز نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اور اس کے باوجود آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکے کہ فرسٹ ڈویژن میں اور کون کون پاس ہوا ہے۔" سمیرا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ چونکہ ندیم سے زیادہ قریب ہیں اس لئے ممکن ہے مجھ سے زیادہ واقفیت رکھتی ہوں۔" فیروز نے بڑی خوبصورت سے بات بنانی چاہی۔

www.pdfbooksfree.pk

"کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو زیادہ قریب رہنے والوں سے خاص طور پر چھپائی جاتی ہیں۔" سمیرا زہر میں بجھی آواز میں بولی۔

ندیم سمیرا کے اس جملے پر چونک اُٹھا۔ نظر اٹھا کر اس نے سمیرا کو دیکھا جس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ چپ نہ رہ سکا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے جو میں نے دیدہ دانستہ تم سے چھپانے کی کوشش کی ہو۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔" سمیرا تڑپ کر بولی۔

"پھر یہ جلے کٹے جملے مجھے کیوں سنا رہی ہو۔" ندیم کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میں فیروز بھائی سے گفتگو کر رہی ہوں۔" سمیرا حقارت سے منہ پھیر کر بولی۔

"دوسری مٹھائی کا طعنہ تو غالباً مجھے ہی دیا تھا۔"

"ہاں۔" سمیرا ضبط نہ کر سکی۔ ایک دم ہی سے پھٹ پڑی۔ "یہ اور بات ہے کہ آپ کو کسی کا رول نمبر نہ معلوم ہو لیکن چہرے پر چھائی یہ بے چینی تو بتا رہی ہے کہ آپ کسی کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے کس قدر مضطرب ہیں۔"

"سمیرا!" ندیم چیخ پڑا۔ وہ اب سمیرا کی باتوں کی تہہ تک پہنچ چکا تھا اس کے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کہ سمیرا کا اشارہ عاصمہ کی طرف ہے۔

"کیوں؟" سمیرا نے ندیم کے چہرے کی بدلتی کیفیت کو محسوس کیا تو بپھر کر بولی۔

"اب کیا خیال ہے آپ کا۔ میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی تھی۔"

"بھئی آخر معاملہ کیا ہے۔" فیروز نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے سمیرا سے پوچھا۔

"معاملہ بہت گہرا ہے فیروز بھائی! آپ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

سمیرا نے اتنے تلخ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا کہ ندیم ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ کر رہ گیا۔

"پھر بھی۔ آخر کچھ پتہ تو چلے کہ وہ کس کی شخصیت ہے جس کی خاطر ماحول کا اچھا خاصا رنگ بدلا جا رہا ہے۔"

"اس کا جواب مجھ سے بہتر آپ کے دوست دے سکتے ہیں۔" سمیرا نے ندیم کو کنکھیوں سے دیکھا پھر زہر خند سے بولی۔ "میں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ آپ ندیم صاحب کے پاس ہونے کی مٹھائی کے ساتھ ساتھ رول نمبر ڈبل ٹو ایٹ تھری کی مٹھائی بھی ضرور کھا لیں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سمیرا۔" ندیم غصے میں کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم نے اختر کے خطوط درمیان سے غائب کر کے اپنی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا ہے۔"

"ندیم!" سمیرا بھی آپے سے باہر ہو گئی۔ "مجھ سے گفتگو کرتے وقت تمہیں اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے کہ میں کسی گرے پڑے خاندان کی مجبور اور بے سہارا لڑکی نہیں جس کو جب تک دل چاہا اپنائے رکھا اور جب دل بھر گیا تو ٹھوکر مار کر الگ کر دیا۔"

"ہوش میں آنے کی کوشش کرو سمیرا!"

"اس مشورے کے لئے شکریہ۔" سمیرا تیزی سے بولی۔ "تمہاری اطلاع کے لئے میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اب میں پوری طرح ہوش میں آ چکی ہوں۔"

"اختر کے خطوط سے تم نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے۔" ندیم نے عاصمہ کے تقدس کی لاج رکھنے کے لئے اس کی طرفداری کی تو سمیرا اور بپھر گئی۔

"پانی جب سر سے اونچا ہو جائے تو ہر ڈوبنے والا الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیتا ہے۔" سمیرا نے قہر بھرے انداز میں ندیم کو گھور کر کہا پھر ہونٹ کاٹتی ہوئی غصے سے پلٹی اور گیراج کی طرف چلی گئی۔

فیروز دم بخود بیٹھا موقع کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ندیم کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح بیٹھا اپنی سوچوں میں گم نظر آ رہا تھا۔

☆======☆======☆

شیرازی کی آنکھوں میں شیطانیت ناچ رہی تھی۔

شہر کے ایک اونچے نائٹ کلب میں بیٹھا وہ رقص و سرود سے زیادہ سمیرا کے حسن کی نیرنگیوں کا نظارہ کرنے میں محو تھا۔ یہاں تک آنے میں اس کے اپنے ارادے کو بڑا معمولی سا دخل تھا۔ ایک مدت سے وہ سمیرا کے خوبصورت وجود کے گرد مکر و فریب کے حسین تانے بانے بن رہا تھا لیکن آج تک سمیرا اس کے خوبصورت جال سے دور دور ہی رہی تھی۔ شیرازی ایک کہنہ مشق کھلاڑی تھا اس نے ہمت نہیں ہاری۔ بڑی مستقل مزاجی سے وہ سمیرا کا پیچھا کرتا رہا اور آج جب اس نے سمیرا کو اداس دیکھا تو سمجھ لیا کہ تھوڑی سی محنت اس کے نخلِ امید کو شاداب کر جائے گی۔

جس وقت سے سمیرا نے فون پر اس سے آنے کو کہا تھا وہ اپنے ذہن میں ناپاک منصوبوں کو مرتب کر رہا تھا۔ سمیرا آئی تو وہ پہلی ہی نظر میں تاڑ گیا کہ وہ الجھی الجھی اور پریشان سی ہے لیکن شیرازی نے اس کی وجہ نہیں پوچھی۔ وہ جانتا تھا کہ لوہے کو موڑنے

سے پہلے اسے تپا کر سرخ کرنا پڑتا ہے پھر ایک ذرا سے اشارے پر اپنی مرضی کے مطابق توڑ موڑ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب اس نے سمیرا کو غصے میں دیکھا تو اس کی شدت کو اور ہوا دینے کے لئے بڑے شاطرانہ لہجے میں بولا۔

"نصیب دشمناں، کہیں آپ کی طبیعت اچانک ناساز تو نہیں ہو گئی۔"

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سمیرا جس کے ذہن پر ابھی تک ندیم کے آخری جملوں کی تلخی موجود تھی سپاٹ لہجے میں بولی۔

"پھر تو صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔" شیرازی نے جلدی سے کہا۔ "آپ یہاں شاید مسٹر ندیم کی مرضی کے خلاف آ گئی ہیں۔"

"نان سنس۔" سمیرا جھلا کر بولی۔ "میں نے ندیم کو اتنا حق کبھی نہیں دیا کہ وہ مجھ میں اور اپنی کسی ملازمہ میں کوئی تمیز نہ کر سکے۔"

"ماڈرن تہذیب کا تقاضہ بھی یہی ہے لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے ندیم کو آپ کا میرے ساتھ یوں آزادی سے گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں ہے۔"

"نہ ہو، مجھے کب اس کی پرواہ ہے۔" سمیرا نے بیزاری سے جواب دیا۔

"کچھ بھی سہی لیکن وہ بہرحال آپ کے شوہر ہیں اور مجھ سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

شیرازی نے ایک ماہر کھلاڑی کی طرح اپنے حریف کو پوری طرح تھکا دینے کے لئے دبی زبان میں کہا۔

"شیرازی!" سمیرا بری طرح جھلا گئی۔ "کوئی اور ٹاپک نہیں ہے تمہارے پاس۔"

"ٹاپک تو بہت سارے ہیں لیکن کہیں ندیم کو ہوا لگ گئی تو پھر ہم دونوں کی خیر نہیں رہے گی۔"

"پھر وہی ندیم۔" سمیرا کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو گیا۔ اس کے دل میں اس وقت شوہر کی طرف سے غبار بھرا ہوا تھا اس لئے وہ اس کے بارے میں کوئی ایسی بات سننے کے لئے مطلق تیار نہ تھی جو اس کو مزید احساس کمتری میں مبتلا کر دے۔

شیرازی دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر خوش ہو رہا تھا۔ سمیرا کو غصہ دلانے میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔ لوہا پوری طرح تپ کر سرخ ہو چکا تھا بس ایک معمولی سے اشارے کی ضرورت باقی رہ گئی تھی چنانچہ جب سمیرا ندیم کا نام سن کر پیچ و تاب کھانے لگی تو شیرازی نے جلدی سے پینترا بدل کر کہا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"پارٹی کا کیا پروگرام بنا رہی ہیں آپ۔"

"آج نہیں .... پھر کبھی دیکھا جائے گا۔"

"کیوں' آج کیوں نہیں۔"

"میرا جی اچھا نہیں ہے۔" سمیرا سپاٹ آواز میں بولی۔ "ہنگامے ہمیشہ اسی وقت اچھے لگتے ہیں جب انسان پوری طرح ترو تازہ ہو۔"

"میں خود بھی زیادہ ہنگامہ پسند نہیں کرتا۔" شیرازی نے کہا پھر پوچھا۔ "کیا آپ ناشتہ کر کے آئی ہیں۔"

"نہیں۔"

"میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ہو گا۔" شیرازی خوش ہو کر بولا۔ "میں نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ چلئے پہلے کسی ہوٹل میں اچھا سا ناشتہ کرتے ہیں پھر اس کے بعد دوسرا کوئی پروگرام بنایا جائے گا۔"

سمیرا کی ذہنی کیفیت اس وقت کسی ایسے شخص سے مختلف نہیں تھی جو بیچ منجدھار میں ڈوبتے وقت الٹے سیدھے ہاتھ چلا کر خود کو موت سے بچانے کی سعی کرتا ہے لیکن کنارے کی دوری محسوس کر کے خود کو فلک کج رفتار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ آج تک سمیرا کنارے کو تھامے ہوئی تھی لیکن جب ندیم نے عاصمہ کی طرفداری میں اسے سخت سُست کہا تو اسے یوں لگا جیسے وہ کنارے جنہیں آج تک وہ پختہ سمجھتی رہی تھی ریت کے ٹیلوں کی طرح اس کی گرفت سے نکلے جا رہے ہیں۔ جواب میں وہ بھی ندیم کو سخت سُست سنا کر چلی آئی تھی۔ ایک کنارا جب ٹوٹ جاتا ہے تو انسان ہمیشہ کسی دوسرے کنارے کی تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ جب شیرازی نے اسے ناشتے کی پیشکش کی تو اس نے انکار نہیں کیا۔ خاموش ہو گئی۔

شیرازی سمیرا کو ساتھ لئے ایک بڑھیا ہوٹل میں گیا جہاں دونوں نے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ سمیرا جب بھی ہاتھ روکنے کی کوشش کرتی شیرازی اسے اپنی باتوں سے لبھا کر اور الٹی سیدھی قسمیں دلا کر مزید کھانے کے لئے مجبور کر دیتا۔

ناشتے کے بعد شیرازی اسے ساتھ لئے مختلف تفریح گاہوں میں گھماتا رہا۔ دوپہر کا کھانا اور شام کی چائے بھی ہوٹل میں پی گئی۔ اس کے بعد شیرازی نے پکچر چلنے کی پیشکش کی تو سمیرا نے بڑی بیزاری سے انکار کر دیا۔ شیرازی سمجھ رہا تھا کہ سمیرا اس وقت کسی ایسے ماحول میں وقت گزارنے پر کبھی آمادہ نہ ہو گی جس سے فرار حاصل کرنے کے لئے وہ

صبح سے شیرازی کے ساتھ ساتھ تھی۔

"پھر کیا پروگرام ہے اب۔" اس نے معصوم صورت بنا کر سمیرا سے پوچھا۔

"وقت ہی تو گزارنا ہے۔ کہیں بھی گزارا جا سکتا ہے۔"

"جو حکم سرکار کا۔" شیرازی نے کسی فرمانبردار عاشق کی طرح بڑی خوبصورت اداکاری کی تھی۔ دن بھر سمیرا کے ساتھ رہ کر اس نے اچھی خاصی بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔

"کسی کلب میں چلتے ہیں۔" سمیرا نے تجویز پیش کی۔

"کلب سے اگر آپ کی مراد کسی نائٹ کلب سے ہے تو میں سر کے بل چلنے کو تیار ہوں۔ دوسرے کلبوں میں غیر ضروری ہنگامہ ہو گا۔" شیرازی نے سمیرا کی تجویز میں ذرا سی ترمیم کر دی۔

سمیرا نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر شیرازی کے ساتھ نائٹ کلب جانے پر آمادہ ہو گئی چنانچہ اس وقت وہ دونوں ایک مقامی کلب میں بیٹھے تھے۔ سمیرا ڈانسنگ فلور پر ناچتی ہوئی مصری رقاصہ کو دیکھ کر اس کی زندگی سے اپنی زندگی کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آج سے پہلے وہ کبھی کسی نائٹ کلب میں نہیں آئی تھی۔ اس نے ان کلبوں کے بارے میں صرف لوگوں کی زبانی سن رکھا تھا لیکن آج یہاں آ کر وہ محسوس کر رہی تھی کہ وقت گزارنے کے لئے یہ جگہ سب سے اچھی ہے۔ جہاں رنج و غم کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ ہر مرد اور ہر عورت اپنی اپنی کھال میں مست نظر آ رہے تھے۔ شراب اور شباب نے ہم آہنگ ہو کر جیسے دنیا جہان کے سارے غموں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ مصری رقاصہ اپنے جسم کے عریاں خدوخال کی نمائش کر کے فلور سے چلی گئی تو پورا ہال جو نیلگوں روشنی میں کسی اور ہی دنیا کا سماں پیش کر رہا تھا۔ تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر لوگ پینے پلانے میں مصروف ہو گئے۔

شیرازی کی آنکھوں میں شیطانیت ناچ رہی تھی۔ بڑی دیر سے وہ سمیرا کے حسن کی نیرنگیوں میں محو تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر کسی طرح وہ اسے شراب کے دو ایک تلخ جام پلانے پر آمادہ کر لے تو پھر اس کی کامیابی یقینی بن سکتی تھی۔

سمیرا نے مصری رقاصہ کے جانے کے بعد نظر گھما کر شیرازی کی طرف دیکھا تو نہ جانے کیوں اسے اپنی تشنگی کا احساس دوچند ہو گیا۔ وہ بھی تو ایک عرصہ سے پیاسی تھی لیکن ندیم نے اس کی پیاس بجھانے کی تو کجا کبھی اپنائیت کا احساس بھی نہیں دلایا تھا۔ ہمیشہ اس

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے دور دور اور الگ تھلگ رہنے کی کوشش کی تھی اور اس کی وجہ صرف عاصمہ تھی۔

عاصمہ!

عاصمہ!!

عاصمہ!!!!

سمیرا بری طرح تلملا اٹھی۔ تشنگی کا احساس اپنے عروج پر پہنچ گیا اس نے دوبارہ نظریں اٹھا کر شیرازی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں محبت کے ہزاروں جام آپس میں ٹکراتے نظر آرہے تھے۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہیں آپ؟" شیرازی نے سمیرا کو اپنی طرف متوجہ پا کر پوچھا۔

"یونہی۔ سوچ رہی ہوں کہ آخر ان بے فکرے لوگوں کو کیا دنیا کا کوئی غم نہیں ہے جو یہاں بیٹھے جام و مینا سے دل بہلا رہے ہیں۔"

"غلط سوچ رہی ہیں آپ۔" شیرازی نے جلدی سے کہا۔ "میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت یہاں جتنے لوگ آپ کو نظر آرہے ہیں ان میں بیشتر محض اپنا غلط غم کرنے کے لئے شراب پی رہے ہیں۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ شراب غموں کا مداوا بن جاتی ہے۔" سمیرا نے سرد آہ بھر کر پوچھا۔

"ہاں' شراب انسان کو وقتی طور پر تمام الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دلا دیتی ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ انسان اسے پی کر بہک جاتا ہے۔"

"جو بغیر پیئے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

شیرازی نے اتنی گہری چوٹ کی کہ سمیرا کی روح تڑپ اٹھی۔

اور پھر............

جب شیرازی نے دبی زبان میں سمیرا سے پینے کے لئے پوچھا تو وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ آہستہ سے کچھ سوچ کر گردن جھکا لی۔ شیرازی نے اس کی خاموشی کو نیم رضامندی سمجھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے بیرے کو اشارے سے بلا کر اس نے شراب طلب کی۔

بیرا شراب لایا تو شیرازی نے دھڑکتے دل سے دو گلاس تیار کئے پھر آہستہ سے ایک گلاس سمیرا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"لیجئے شوق فرمائیے۔ اس کی تلخی آپ کو تلخئ دوراں سے نجات دلانے میں بڑی

www.pdfbooksfree.pk

مؤثر ثابت ہو گی۔"

سمیرا نے پلکیں اٹھا کر شیرازی کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ اپنی سوچوں میں گم رہی پھر لرزتے ہاتھوں سے اس نے گلاس اٹھایا اور آنکھیں بند کر کے اسے حلق میں انڈیل لیا۔

شیرازی کی آنکھوں کی درندگی بڑھ گئی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ سمیرا کو اصرار کر کے پلاتا رہا پھر جب اس نے محسوس کیا کہ سمیرا کا نشہ بڑھنے لگا ہے تو مسکرا کر بولا۔

"کیوں مائی ڈیئر! اب کیا خیال ہے تمہارا شراب کے بارے میں۔"

"شیرازی .... میرا .... سر چکرا رہا ہے۔" وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"تلخئ دوراں کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"سب بکواس ہے۔" سمیرا کا ذہن چکرا رہا تھا۔

"اور ندیم؟" شیرازی نے اسے بھڑکانے کی کوشش کی۔

"وہ .... وہ .... ذلیل ہے۔ آوارہ ہے .... اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔" سمیرا بہکے ہوئے لہجے میں نفرت سے بولی۔ "وہ میرا کبھی نہیں بن سکتا۔ وہ ایک اور لڑکی سے پیار کرتا ہے۔ میں بھی اسے ٹھکرا دوں گی۔ نان سنس۔"

"آؤ .... اب گھر چلتے ہیں۔" شیرازی نے بیرے کو بلا کر بل ادا کیا پھر سمیرا کو سہارا دے کر اپنی کار تک لے آیا۔ راستے میں ہوا کے جھونکے لگے تو سمیرا کا نشہ اور بڑھ گیا۔ شیرازی اسے تمام راستے ندیم کے خلاف بھڑکاتا رہا اور سمیرا شراب کے نشے میں بدمست اسے برا بھلا کہتی رہی۔

گھر پہنچ کر شیرازی اسے سنبھالتا ہوا اپنی خواب گاہ تک لے آیا اور پھر جوں جوں رات بھیگتی گئی نشے کا طوفان بھی بڑھتا گیا۔

طوفان۔

جس نے شیرازی کی مدتوں پرانی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

اور............

اسی طوفان نے دوسری طرف سمیرا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بلندی سے پستی کی طرف دھکیل دیا تھا۔

شیرازی اپنی فتح پر نازاں تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور سمیرا۔

اسے کچھ ہوش ہی کہاں تھا۔

وہ تو نشے کی حالت میں سوئی ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

عاصمہ کی کامیابی کی اطلاع نے جہاں ندیم کو بے انتہا مسرت سے ہمکنار کیا تھا وہاں وہ سمیرا کے رویہ پر شاکی بھی تھا۔ جس انداز میں سمیرا نے اسے پلٹ کر سخت جواب دیا تھا' ندیم کو اس کی توقع نہیں تھی۔ جہاں تک عاصمہ کی ذات کا تعلق تھا یہ درست تھا کہ ندیم اب بھی اسے دل میں بسائے اس کی پرستش کر رہا تھا لیکن عاصمہ کی وجہ سے وہ اپنی گھریلو زندگی میں کوئی ناچاقی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی وجہ سے جب سمیرا نے اختر کے خطوط کا حوالہ دیا تو اس نے کوشش کی تھی کہ سمیرا کے دل سے اس غلط فہمی کو دور کر سکے جس نے اس کا پارہ چڑھا دیا تھا لیکن سمیرا نے دبی زبان میں جس بے بنیاد الزام کا اظہار کیا وہ ندیم کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

سمیرا کے جانے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک گم صم بیٹھا حالات پر غور کرتا رہا۔ کل تک اسے اختر سے اس بات کا شکوہ تھا کہ اس نے خطوط کے جواب نہیں دیئے تھے لیکن آج سمیرا کی باتوں سے اسے اصل صورت حال کا پتہ چل گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو سمیرا کو عاصمہ کا رول نمبر بھلا کس طرح معلوم ہوتا۔

سمیرا نے گیراج سے گاڑی نکالی تھی اور پھر ندیم پر ایک اچٹتی ہوئی نفرت کی نظر ڈالتی وہ تیزی سے احاطے سے باہر چلی گئی تھی۔ فیروز دم بخود بیٹھا سوچ رہا تھا کہ حالات نے کتنی جلدی اپنا رخ بدل لیا ہے اور ندیم یوں نڈھال ہو کر رہ گیا تھا جیسے اس نے آج زندگی کی کوئی بہت ہی اہم اور بڑی بازی ہار دی ہو۔

خاصی دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے پھر فیروز نے گفتگو میں پہل کی۔

"یہ اختر کے خطوط کا کیا معاملہ ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ندیم تھکے تھکے انداز میں بولا۔ "میں نے اختر سے عاصمہ کا رول نمبر معلوم کیا تھا۔"

"گویا وہ خط سمیرا کے ہاتھ لگ گیا۔"

"اس کی باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" فیروز نے سنجیدگی سے کہا۔ "سمیرا کا غصہ بے جا نہیں ہے۔ عورت اپنے شوہر کے ساتھ کسی اور کی وابستگی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن سمیرا جو کچھ سمجھ رہی ہے وہ غلط ہے۔"

"میں جانتا ہوں مگر وقتی طور پر جو شکوک اس کے ذہن میں بیٹھ چکے ہیں اس کا ردِ عمل تو بہرحال ہونا تھا۔"

ندیم نے خالی خالی نظروں سے فیروز کو دیکھا پھر ہونٹ کاٹنے لگا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختر نے عاصمہ کے بارے میں اپنے خط میں کوئی ایسی بات لکھ دی ہو جس کو پڑھ کر سمیرا برداشت نہ کر سکی ہو۔"

"پہلے بھی وہ کون سا مجھ سے محبت کرتی تھی۔" ندیم کے لہجہ میں درد تھا۔

"مجھے معلوم ہے لیکن اب تو بات اور بھی زیادہ بگڑ گئی ہے۔"

"غلط فہمی کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔"

"تعجب ہے کہ تم عورت کی نفسیات سے واقف ہونے کے باوجود اس قسم کی بات کر رہے ہو۔"

"تم ہی بتاؤ کہ اب میں کیا کروں۔" ندیم کی آواز میں بے بسی کا رنگ جھلک آیا۔

"تمہیں سمیرا کو سمجھنا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر تم کوشش کرو اور سمیرا کو اپنی محبت کا یقین دلاؤ تو وہ راہِ راست پر آ سکتی ہے۔"

"ناممکن۔" ندیم تڑپ اٹھا۔ "سمیرا نے بیک وقت ایک تیر سے دو معصوم دلوں کو چھیدنے کی کوشش کی ہے۔ اسے مجھ سے نہ پہلے محبت تھی اور نہ آج ہے۔ اس نے محض اپنی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر اور مجھے نیچا دکھانے کے لئے مجھ سے شادی کی ہے۔"

"پھر بھی حالات کو سنبھالنا اب تمہارا فرض ہے۔"

"فیروز!" ندیم کی آنکھیں فرطِ جذبات سے بھر آئیں۔ "کیا اب تم بھی مجھے دوش دینا چاہتے ہو۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو میرے دوست!" فیروز بولا۔ "میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ قدرت نے تمہارے ساتھ بڑا خطرناک مذاق کیا ہے لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب تو بہتر یہی ہے کہ تم سمیرا کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ کر لو کہ باقی زندگی سکون سے گزر سکے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سکون میری قسمت میں کہاں ہے۔" ندیم ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

"مجھے تم سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔" فیروز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مرد ہو کر اگر تم مایوسی کی باتیں کرو گے تو حالات اور بھی خراب ہو جائیں گے۔"

"ہو جانے دو.......... مجھے اب اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"نتیجہ کیا ہو گا۔"

"میری بربادی اور سمیرا کی کامیابی۔"

"کیا تم سمیرا کو خوش رکھنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے۔"

"جو کچھ ممکن تھا وہ سب کر چکا ہوں۔"

"ایک کوشش اور کر لینے میں کیا حرج ہے۔" فیروز بولا۔ "میں بھی کسی وقت سمیرا کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ جو کچھ سمجھ رہی ہے وہ غلط ہے۔"

"وہ اب تمہاری باتوں پر بھی یقین نہیں کرے گی۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم میرے دوست جو ہو۔"

فیروز نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ حالات نے اچانک جو موڑ اختیار کر لیا تھا وہ اس قدر پیچیدہ تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ندیم اس کے بہترین دوستوں میں سے تھا اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کی زندگی کو دائمی خوشیوں سے بھر دے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ندیم عاصمہ سے بچھڑ ضرور چکا ہے لیکن آج بھی اس کے دل کے نہاں خانوں میں عاصمہ کی یاد اسی طرح جوان ہے جس طرح روز اوّل تھی۔ دوسری طرف اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سمیرا نے محض اپنی آن کو جھوٹی تسلی دینے کی خاطر ندیم کو شادی کے بندھنوں میں جکڑ رکھا ہے۔ وہ صرف ندیم کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ اسے ندیم سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ تو صرف ندیم کو بے بس اور مجبور کر کے اس کی تڑپ کا تماشہ دیکھنا چاہتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ عاصمہ کا راز کھل جانے کے بعد وہ خود تڑپ اٹھی تھی۔

فیروز چپ چاپ بیٹھا حالات پر غور کرتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "میری رائے مانو تو تم سمیرا کو لے کر کچھ دنوں کے لئے کانپور اپنے والد کے پاس چلے جاؤ۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے والد کی موجودگی میں سمیرا کا رویہ وہ نہ ہو گا جو اب

www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"نہیں فیروز! میں اب اپنی زندگی میں مزید کوئی جوا نہیں کھیلنا چاہتا۔" ندیم نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔ "میں نے محض اپنے والد کی خوشنودی کی خاطر سمیرا کو اپنایا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے والد کی یہ فرضی خوشی آخیر وقت تک برقرار رہے۔ جس دن بھی انہیں اس بات کا علم ہو گیا کہ ان کے حتمی فیصلے نے میری زندگی کو جیتے جاگتے جہنمی شعلوں کے حوالے کر دیا ہے ان کا دل غم سے پھٹ جائے گا۔"

"پھر تم سمیرا کو لے کر کہیں اور چلے جاؤ۔ کسی ایسی جگہ جہاں تم دونوں کی زندگی میں کوئی تیسری شخصیت نہ آ سکے ورنہ.........."

"ورنہ کیا؟" ندیم نے فیروز کو غور سے دیکھا۔

"تم چونکہ ذہنی طور پر پریشان ہو اس لئے کچھ نہیں سوچ سکتے لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے اور سمیرا کے درمیان اگر یہ رسہ کشی جاری رہی تو اس کا انجام بہت خراب ہو گا۔"

"زندگی نے مجھے غموں کا عادی بنا دیا ہے اس لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

ندیم نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے لہجے میں درد تھا۔ کسک تھی اور روح کی ایسی شدید پکار تھی کہ فیروز اسے محسوس کر کے تڑپ اٹھا۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ سمیرا کے ساتھ تمہارا نبھاؤ ناممکن ہے تو پھر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ تم اسے طلاق دے کر عاصمہ سے شادی کر لو۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویران ویران نگاہوں سے آسمان کے دور پار خلاؤں میں دیکھتا رہا۔

"اگر تم اجازت دو تو میں اس پہلو پر سمیرا سے دو ٹوک بات کر لوں۔"

"نہیں۔" ندیم نے بڑی بے بسی سے کہا۔ "میں اپنے والد کی خوشیوں کو پامال نہیں کرنا چاہتا۔"

"گویا تم جان بوجھ کر اپنی زندگی کو برباد کرنا چاہتے ہو۔"

"میری زندگی اور میری خوشیاں تو اسی دن پامال ہو کر رہ گئی تھیں جب میں نے عاصمہ کی معصوم محبت کو دھوکہ دے کر سمیرا کو اپنانے کا وعدہ کر لیا تھا۔"

فیروز بڑی دیر تک ندیم کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر رات گئے وہ اس سے اجازت طلب کر کے جانے کے لئے اٹھ گیا۔ ندیم کو اس کی خوابگاہ میں چھوڑ کر وہ اپنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خیالات میں گم باہر راہداری میں آ گیا۔ سمیرا کے کمرے کے سامنے سے گزرتے وقت اس نے اندر جھانکا لیکن سمیرا کا کمرہ خالی تھا۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ فیروز نے دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر سمیرا اب تک واپس کیوں نہیں آئی۔ وہ کہاں جا سکتی ہے؟ کیا خدا نخواستہ اس نے کوئی غلط قدم تو نہیں اٹھا لیا؟ کہیں وہ ہمیشہ کے لئے تو ندیم سے نہیں روٹھ گئی ہے اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا...........!

اپنے پریشان خیالات میں ڈوبا ہوا جب وہ عمارت سے باہر آیا تو کسی کی سسکیوں کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ سامنے روش پر اسے سمیرا کی کار نظر آئی۔ پورٹیکو کی مدھم روشنی میں اس نے سمیرا کو بھی پہچان لیا جو گاڑی کے اندر بیٹھی اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے سسک رہی تھی۔ مگر کیوں؟ کیا حقیقتاً اسے ندیم اور عاصمہ کے بارے میں جان کر دلی صدمہ ہوا تھا یا کوئی اور بات تھی۔

فیروز لمبے لمبے قدم اٹھاتا کار کے قریب آ گیا۔ سمیرا بدستور اسٹیئرنگ پر سر رکھے سسک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ کو زور زور سے بھینچ رہے تھے یوں جیسے وہ کسی اندرونی کرب سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہو۔ اس کی دبی دبی سسکیاں رات کے سناٹے میں ابھرتی اور ڈوبتی رہیں۔ فیروز بہت دیر تک کار کے قریب کھڑا ان سسکیوں کو سنتا رہا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ سمیرا کو مخاطب کر کے ان سسکیوں کے تسلسل کو توڑ دے لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ اگر سمیرا دل بھر کر رو لے گی تو اس کے دل پر چھایا غبار چھٹ جائے گا مگر جب سمیرا کی سسکیاں تھمنے کی بجائے اور بڑھتی گئیں تو وہ چپ نہ رہ سکا۔ اس نے آہستہ سے آواز دی۔

"سمیرا!"

جواب میں سمیرا بدستور سسکتی رہی۔

"سمیرا بہن! آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے؟"

فیروز کے اس سوال پر سمیرا کی سسکیاں تیز ہو کر ہچکیوں میں تبدیل ہو گئیں تو فیروز گھبرا گیا۔ اس نے کار کا دروازہ کھول کر سمیرا کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے خلوص سے کہا۔

"خدا کے لئے سمیرا بہن! چپ ہو جائیے۔"

سمیرا نے نظر اٹھا کر فیروز کو دیکھا تو فیروز ساری جان سے لرز اٹھا۔ سمیرا کی آنکھیں

www.pdfbooksfree.pk

روتے روتے متورم اور سرخ ہو گئی تھیں۔ پورا چہرہ بے حد سوگوار لگ رہا تھا اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ایک لمحے تک وہ ویران ویران نظروں سے فیروز کو تکتی رہی پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے اپنا سر فیروز کے کشادہ سینے پر ٹکا دیا اور بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"سمیرا بہن!" فیروز گھبرا گیا۔ "یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

جواب میں سمیرا نے کچھ بھی نہ کہا۔ فیروز کے سینے پر سر رکھے روتی رہی۔

فیروز اس صورت حال سے بری طرح گھبرا گیا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ سمیرا کو چپ کرا کے اس کی خواب گاہ تک لایا لیکن سمیرا ابھی تک یوں سسک رہی تھی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر بری طرح سہم گئی ہو۔

"ٹھہریئے' میں ندیم کو بلاتا ہوں۔" وہ سمیرا کو مسہری پر بٹھا کر جانے کے لئے پلٹا تو سمیرا تڑپ کر بولی۔

"نہیں فیروز بھائی! خدا کے لئے ندیم کو اس وقت نہ بلایئے گا۔"

فیروز نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ خاموشی سے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر وہ سمیرا کے دل کے درد کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سمیرا کا اترا ہوا چہرہ اور اس کی متورم آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ اس وقت کسی بات پر بری طرح پریشان ہے۔ فیروز سوچنے لگا کہ آخر وہ کیا بات ہو سکتی ہے جس نے سمیرا کو اچانک اس قدر حساس بنا دیا ہے۔ کیا اسے عاصمہ اور ندیم کے بارے میں جان کر کوئی دلی صدمہ پہنچا ہے۔ یا وہ اپنے آج تک کے برتاؤ پر پشیمانی کے آنسو بہا رہی ہے۔

کمرے میں دیر تک سوگوار خاموشی طاری رہی۔ سمیرا تکیئے پر سر رکھے سسک رہی تھی پھر ایک دم ہی وہ اٹھ بیٹھی۔ فیروز کو گھورتے ہوئے بولی۔

"فیروز بھائی! کیا آپ میرا ایک کام کر دیں گے؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کہیے۔" فیروز نے پوچھا۔

"مجھے کہیں سے تھوڑا سا زہر لا دیجئے۔ میں تمام زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔" سمیرا کی آواز میں التجا تھی۔

"حماقت کی باتیں مت کیجئے سمیرا بہن!" فیروز نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔ "اگر آپ مجھے اپنا بھائی سمجھتی ہیں تو میرا یہ مشورہ بھی قبول کر لیجئے کہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کیجئے۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اب یہ ناممکن ہے۔" وہ ہونٹ بھینچ کر دوبارہ سسک پڑی۔

"ندیم اور عاصمہ کے بارے میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔" فیروز نے دبی زبان میں کہا۔ "میں آپ کو قسم کھا کر بتاتا ہوں کہ ندیم اور عاصمہ ایک دوسرے سے محبت ضرور کرتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ ندیم سے آج ہی میں نے اس سلسلے میں بڑی تفصیلی بات کی تھی۔"

"مجھے ندیم سے کوئی شکایت نہیں ہے فیروز بھائی!" سمیرا نے رندھی آواز میں کہا۔

"پھر.......... آپ کو کس بات کا غم ہے۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتی لیکن ایک بار پھر آپ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کروں گی کہ مجھے کہیں سے تھوڑا سا زہر لا دیجئے۔"

"یہ آج آپ کو اچانک زہر کی ضد کیوں ہو گئی ہے؟"

"حالات فیروز بھائی! حالات۔" سمیرا نظریں جھکا کر بولی۔ "مجھے اب زندگی سے شدید نفرت ہو گئی ہے۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"ندیم کو سمجھانے کی کوشش کیجئے سمیرا بہن! وہ آپ کے لئے ایک بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہے۔" فیروز نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو تلملا کر بولی۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے ندیم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"پھر آپ ان عارضی دوریوں کو ختم کیوں نہیں کر دیتیں۔"

"نہیں۔" سمیرا نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں نے زندگی میں کبھی کسی کے آگے جھکنا نہیں سیکھا۔ رہا ندیم کا معاملہ تو اب دوریوں کو ختم کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" فیروز نے وضاحت چاہی تو سمیرا چیخ پڑی۔

"فیروز صاحب! اگر آپ کو میری ذات سے کوئی ہمدردی نہیں ہے تو خدا کے لئے میرے پاس سے چلے جایئے۔ مجھے بالکل تنہا چھوڑ دیجئے۔ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے دکھوں کا مداوا اپنے آپ کر لوں گی۔ چلے جایئے .... خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

"سمیرا بہن!"

"مر گئی آپ کی سمیرا بہن!" سمیرا تڑپ کر چلائی۔ "میں اب کسی کی بہن نہیں رہی کسی کی بیٹی نہیں رہی۔ کسی کی بیوی نہیں رہی۔ خدا کے لئے میری نظروں سے دور چلے جایئے۔"

www.pdfbooksfree.pk

فیروز نے دوبارہ اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ پھٹ پڑی۔ کسی سوئے ہوئے آتش فشاں کی طرح جس کے اندر جمع ہونے والا لاوا آج تک اندر ہی اندر کھولتا رہا تھا اور آج اسے ایک ایسی ٹھیس لگی تھی کہ وہ اچانک ابل پڑا تھا۔ وہ فیروز کی بات کا ہمدردی سے کوئی جواب دینے کے بجائے ہذیانی انداز میں چیخنے لگی اور جنونی کیفیت میں اپنے بالوں کو نوچنے لگی۔

چیخ پکار کی آواز سن کر ندیم بھاگا بھاگا آیا تو اس نے دیکھا کہ سمیرا فیروز کو چیخ چیخ کر اپنے کمرے سے نکل جانے کو کہہ رہی ہے۔ اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری تھی۔ ندیم نے اس کی ذہنی حالت کو محسوس کیا تو قدم بڑھاتا قریب آ گیا۔

"تم۔" سمیرا نے ندیم کو دیکھا تو تڑپ کر بولی۔ "تم یہاں کس لئے آئے ہو۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ میرا تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ کوئی رشتہ باقی نہیں رہا۔ تم سب میری نظروں سے دور چلے جاؤ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"سمیرا!" ندیم نے بڑی نرمی سے آواز دی۔

"مر گئی سمیرا۔" وہ پوری قوت سے چلائی۔ "اسے تمہاری بے اعتنائی اور نفرت نے مار ڈالا ہے .... تم سب ظالم ہو .... بے رحم ہو.........."

"سمیرا بہن!" فیروز بولا۔ "خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کیجئے۔"

"مت بکواس کرو۔" سمیرا ہسٹریائی انداز میں چلائی۔ "مجھے اب کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سب میرے دشمن ہو۔ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔"

پھر وہ ندیم کی طرف دیکھ کر چیخی تھی۔

"تم یہاں کیوں موجود ہو .... کیا اب تم میری بے بسی اور میری مجبوریوں کا مذاق اڑانے آئے ہو۔ میں کہتی ہوں دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ میں مر جاؤں گی لیکن کبھی اپنی تنی ہوئی گردن کو تم مردوں کے سامنے نیچا نہیں ہونے دوں گی .... چلے جاؤ یہاں سے۔"

ندیم اور فیروز دونوں ہی حیرت سے گنگ کھڑے سمیرا کو دیکھ رہے تھے جو کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دیوانگی کے عالم میں خود اپنے ہی وجود کو نوچ کھسوٹ رہی تھی۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر گھر کے سارے ملازم جاگ اٹھے تھے اور سہمے سہمے سے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔

سمیرا پوری قوت سے چلائے جا رہی تھی پھر اچانک وہ چکرا کر لڑکھڑائی۔ اگر ندیم نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ زمین پر گر پڑتی۔ ندیم اسے بے ہوش دیکھ کر بُری طرح سٹپٹا گیا۔

"فیروز!" اس نے سمیرا کو دوبارہ مسہری پر لٹاتے ہوئے فیروز سے کہا۔ "یہ اچانک سمیرا کو کیا ہو گیا ہے۔ تم نے کچھ کہا تو نہیں تھا؟"

"نہیں۔"

"یہ شاید چیختے چیختے بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"ٹھہرو .... میں فون کر کے ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔" فیروز گھبرایا ہوا فون کی طرف لپکا۔

ڈاکٹر نے آ کر بہت غور سے سمیرا کا معائنہ کیا۔ فوری طور پر اسے ایک انجکشن دیا پھر ضروری دوائیں لکھنے کے بعد اس نے ندیم سے کہا۔

"مسٹر ندیم! آپ کی وائف کو کوئی گہرا ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔"

ندیم خاموش کھڑا ڈاکٹر کا چہرہ تکتا رہا۔

"تشویش کی تو کوئی بات نہیں ڈاکٹر!" فیروز نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ فوری طور پر ماحول کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔ دوسری صورت میں ممکن ہے کہ ہوش میں آنے پر مریضہ کی ذہنی حالت دوبارہ بہک جائے۔"

ڈاکٹر نے مسہری پر بے ہوش پڑی سمیرا کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "صبح تک اور دیکھ لیجئے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے کسی پُرفضا مقام پر لے جانا زیادہ فائدہ مند ثابت ہو گا۔"

"ذہنی صدمے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے آپ کے خیال میں۔" فیروز نے پوچھا۔ "شام تک تو مسز ندیم بالکل نارمل حالت میں تھیں۔"

"میری جو تشخیص تھی وہ میں نے بتا دی۔ صدمے کی کیا وجہ ہے یہ مجھ سے بہتر مسٹر ندیم بتا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے دبی زبان میں کہا۔ پھر اپنا بیگ اٹھا کر باہر چلا گیا۔

فیروز اور ندیم دونوں ہی کی نظریں سمیرا پر جمی ہوئی تھیں۔

☆======☆======☆

ندیم اور فیروز نے وہ ساری رات جاگ کر گزار دی جب بھی سمیرا کو ہوش آتا اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور ندیم جلدی سے کسی نہ کسی طرح زبردستی اسے ڈاکٹر کی بتائی ہوئی خوراک دے دیتا جس کے بعد اس پر دوبارہ بے ہوشی کی حالت طاری ہو

www.pdfbooksfree.pk

جاتی۔

صبح فیروز نے دوبارہ فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ مریضہ کی حالت یہاں رہ کر بہتر نہیں رہے گی۔" ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد کہا۔

"کیا یہاں کے ماحول سے اس ہذیانی کیفیت کا کوئی خاص تعلق ہے؟" ندیم نے پوچھا۔

"ہاں' میرا اندازہ یہی ہے کہ مریضہ کو یہاں پر کسی بات سے کوئی ذہنی جھٹکا پہنچا ہے۔"

"پھر آپ کا کیا مشورہ ہے؟"

"میری ناقص رائے یہی ہے کہ آپ مریضہ کو لے کر کچھ دنوں کے لئے کسی پُرفضا مقام پر چلے جائیں اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ مریضہ کو آپ کی کسی بات سے کوئی صدمہ نہ ہونے پائے ورنہ یہ بیماری آگے بڑھ کر پاگل پن میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔"

ندیم نے کوئی جواب نہ دیا۔ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ کیا سمیرا نے واقعی عاصمہ والی بات کو اتنی شدت سے محسوس کیا ہے کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔

ڈاکٹر ضروری ہدایت دے کر چلا گیا تو فیروز نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ اب کیا کرنا چاہئے۔"

"میری رائے مانو تو تم سمیرا کو لے کر کچھ دنوں کے لئے نینی تال چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر کے خیال کے مطابق اس تبدیلی کا سمیرا کے ذہن پر خوشگوار اثر پڑے۔"

"لیکن ابھی تک میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اچانک سمیرا کو یہ کیا ہو گیا۔" ندیم سمیرا کو دیکھتا ہوا بولا جو بے ہوش پڑی تھی۔

"مجھے خود بھی حیرت ہے۔" فیروز بولا۔ "تم اگر کہو تو کسی اور بڑے ڈاکٹر کو بلا کر اس سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔"

"یہ زیادہ مناسب رہے گا۔"

فیروز نے اسی دن فون کر کے علی گڑھ کے دماغ کے سب سے بڑے ماہر سرجن اقبال کو بلایا۔ سرجن نے آ کر دیر تک سمیرا کا معائنہ کیا پھر اس نے بھی وہی رائے دی جو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہلے ڈاکٹر نے دی تھی۔

"یہاں رہ کر ان کا علاج کرانا ناممکن ہے؟" ندیم نے سرجن اقبال سے پوچھا۔

"ناممکن تو نہیں ہے لیکن تبدیلی آب و ہوا کا زیادہ خوشگوار اثر ہو سکتا ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو مریضہ کو میرے ہسپتال میں داخل کرا دیں۔ گھر پر صحیح طور سے دیکھ بھال نہ ہو سکے گی۔"

"سرجن!" فیروز نے پوچھا۔ "کیا آپ اس بیماری کی کوئی خاص وجہ بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں .... مریضہ کو اچانک یا تو کوئی گہرا صدمہ پہنچا ہے یا پھر یہ کسی ایسے حادثے سے دوچار ہوئی ہیں جس کی ان کو توقع نہیں تھی۔ صحیح وجہ کیا ہے یہ میں وثوق کے ساتھ نہیں بتا سکتا۔"

سرجن اقبال کے جانے کے بعد ندیم اور فیروز دیر تک آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے رہے پھر ندیم نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ سمیرا کو لے کر نینی تال چلا جائے اور وہاں پر اس کا باقاعدہ علاج کرایا جائے۔ فیروز کے ساتھ مل کر اس نے اسباب وغیرہ باندھا پھر اسی وقت فون پر اگلے دن کے لئے دو سیٹیں بک کرا لیں۔

"کیا مجھے ساتھ لے چلنے کا ارادہ نہیں ہے۔" فیروز نے ندیم کو دیکھتے ہوئے بڑی حسرت بھری آواز میں پوچھا۔

"تمہیں مفت میں میری خاطر زحمت اٹھانی پڑے گی۔" ندیم بولا۔ "نینی تال جا کر اگر میں نے ضرورت محسوس کی تو پھر ضرور تار دے کر تمہیں بلوا لوں گا۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ چلنا چاہوں تو؟"

"مجھے یقیناً خوشی ہو گی مگر........"

"اگر مگر کچھ نہیں۔" فیروز نے کہا۔ "چھٹیوں میں یہاں رہ کر میں بھی بور ہوں گا پھر تمہارے اور سمیرا کے چلے جانے سے میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا۔"

"یہ بات ہے تو پھر تم بھی ساتھ چلے چلو۔ میں ابھی ایک سیٹ اور بک کرائے لیتا ہوں۔"

"تمہیں میرے ساتھ چلنے پر کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو فیروز!" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "تم ساتھ رہو گے تو مجھے بڑی ڈھارس رہے گی۔"

"نینی تال جا کر کہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟"

www.pdfbooksfree.pk

"ہوٹل میں رہنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اگر کوئی مکان وغیرہ کرایہ پر مل جائے تو اچھا ہے۔"

"اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔ میرے عزیز کی ایک کوٹھی نینی تال میں موجود ہے۔ دعا کرو کہ وہ کرایہ پر نہ چڑھ گئی ہو۔"

ندیم نے فون کر کے ایک اور سیٹ بک کرا لی۔ فیروز اپنا سامان ٹھیک کرنے کی غرض سے ندیم سے اجازت لے کر چلا گیا تو ندیم سمیرا کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ محض آٹھ دس گھنٹوں کے اندر اندر سمیرا کس قدر جھٹک کر رہ گئی تھی جیسے برسوں کی مریضہ رہی ہو۔ اس کی آنکھیں ابھی تک متورم تھیں۔ چہرہ کسی مرجھائے ہوئے پھول کی طرح زرد ہو گیا تھا اور یہ سب کچھ صرف چند گھنٹوں میں ہوا تھا۔

سرجن اقبال کی تشخیص نے ندیم کو الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق تھا کہ سمیرا کو کوئی شدید ذہنی جھٹکا پہنچا ہے وہ اس کی وجہ یہی سمجھ سکا تھا کہ سمیرا نے عاصمہ والی بات کو ضرورت سے زیادہ محسوس کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اس بات کا صدمہ بھی ہوا ہو کہ عاصمہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی ہے اور وہ خود سیکنڈ ڈویژن حاصل کر سکی تھی لیکن یہ بات کہ سمیرا کسی ایسے اچانک حادثہ سے دوچار ہوئی ہے جو اس کی توقعات کے خلاف تھا' ندیم کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ وہ اس راز کو جان لینے کے لئے بڑی شدت سے بے چین تھا۔

بڑی دیر تک وہ خاموش بیٹھا سمیرا کے بارے میں سوچتا رہا پھر اس کے ذہن کے پردوں پر عاصمہ کا تصور ابھر آیا۔

عاصمہ۔

جو اس سے کوسوں دور ہونے کے باوجود آج بھی اس کے دل و دماغ پر ساون کے بادلوں کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ یوں اس کے دل کے نہاں خانوں میں بس گئی تھی جیسے وہ اس کی زندگی کا کوئی اہم جزو ہو۔ کوئی ایسا اہم حصہ جس کے بغیر شاید اس کی زندگی نامکمل رہ جاتی۔

سمیرا نے کراہ کر کروٹ بدلی' تو ندیم پھر اپنی دنیا میں لوٹ آیا۔ جلدی سے اٹھ کر وہ سمیرا کے قریب آ گیا جو آنکھیں کھولے خالی خالی ویران نظروں سے چھت کو گھورے جا رہی تھی۔ کتنی اداس نظر آ رہی تھی وہ۔ ندیم کو اس کی حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے بڑی نرم آواز میں آہستہ سے اسے پکارا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سمیرا!"

اور سمیرا ندیم کی آواز سن کر یوں چونکی جیسے کوئی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھتے دیکھتے اچانک ڈر کر جاگ اٹھی ہو۔ اس نے نظر گھما کر ندیم کو دیکھا پھر جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو کے دو قطرے ڈھلک کر بستر میں جذب ہو گئے۔

"سمیرا!" ندیم نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ "آنکھیں کھولو تو سمیرا .... دیکھو میں تمہارا ندیم ہوں۔"

"میرا کوئی ندیم نہیں ہے۔ میں کسی کی سمیرا نہیں ہوں۔" ایکدم ہی سے سمیرا نے آنکھیں کھول کر ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ "چلے جاؤ میرے کمرے سے۔ خدا کے لئے مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ مجھے کسی کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے سمیرا!" ندیم نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"مر گئی سمیرا۔" وہ پوری قوت سے چلائی پھر اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے دوبارہ جنونی حالت میں اپنے سر کے بال نوچنے شروع کر دیئے۔

ندیم بوکھلا کر اٹھا۔ جلدی سے اس نے بے ہوشی کی دوا گلاس میں انڈیلی۔ گلاس لئے سمیرا کے قریب آیا تو وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگی لیکن ندیم نے اس کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہ لیا۔ زبردستی اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر منہ کھولا اور جلدی سے پوری خوراک اس کے حلق میں انڈیل دی پھر اس وقت تک سمیرا کے ہاتھ پکڑے اس کے قریب بیٹھا رہا جب تک وہ دوبارہ بے ہوش نہیں ہو گئی۔

"میرے معبود! آخر یہ میرے کن کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔" ندیم نے تھکے ہوئے لہجے میں اپنے آپ سے کہا پھر سمیرا کے چہرے کو تکنے لگا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر بے ہوش پڑی تھی۔

☆======☆======☆

حالات کی گردش اپنے محور کے گرد گھومتی رہی۔ وقت کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے لیکن قدرت کی ستم ظریفیوں کے اندر کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

پانچ سال کا عرصہ یوں بیت گیا جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو۔ اس طویل عرصے میں ندیم نے کیا کچھ کھویا تھا اور کیا پایا تھا اس کا اندازہ کچھ وہی بہتر طور پر لگا سکتا تھا۔ اس نے سمیرا کی تیمارداری اور اس کی دیکھ بھال میں شب و روز ایک کر دیئے۔ سارا سارا دن وہ

اس کے پاس بیٹھا اس کی دلجوئی کرتا رہتا۔ رات رات بھر اس کے سرہانے بیٹھ کر گزار دیتا۔ وقت سے اسے خود اپنے ہاتھوں سے دوا پلاتا۔ اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھتا اور ہر شام اسے اپنے ساتھ گھمانے لے جاتا۔

ندیم کی یہ بھرپور توجہ رائیگاں نہیں گئی۔ سمیرا کی حالت بتدریج بہتر ہونے لگی لیکن اب اسے چپ رہنے کی بیماری لگ گئی تھی۔ ندیم جب ایک بات کو کئی بار پوچھتا تو وہ بڑی مشکل سے اس کا جواب دیتی پھر اپنے خیالوں میں گم ہو جاتی اور ندیم سوچنے لگتا کہ آخر وہ کون سا غم ہے جو سمیرا کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔ متعدد بار اس نے سمیرا کو خوش پا کر وہ راز جاننے کی کوشش بھی کی جس کی وجہ سے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی لیکن جب بھی ندیم اس سوال کو زبان پر لاتا سمیرا ہنستے ہنستے یکلخت سنجیدہ ہو جاتی۔ ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کرتی۔

"مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ جانے کیا بات پیش آئی تھی۔"

اور ندیم ہر بار یہ محسوس کئے بغیر نہ رہتا کہ سمیرا جان بوجھ کر اسے ٹالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات صاف طور پر ظاہر کر دیتے کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے وہ سراسر غلط ہے اور ندیم اس بات کو محسوس کر کے تڑپ اٹھتا۔ بے چین ہو جاتا۔ وہ اکثر سوچتا آخر وہ ایسا کون سا راز ہے جو سمیرا اس کی بیوی ہو کر بھی اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔

فیروز ندیم کے ساتھ دو سال تک نینی تال میں رہا۔ اس عرصے میں اس نے دوستی کا پورا پورا حق ادا کیا پھر جب سمیرا کی طبیعت سنبھل گئی تو وہ ندیم سے کچھ دنوں کی اجازت لے کر واپس علی گڑھ چلا گیا۔

سمیرا اور ندیم اب اس کوٹھی میں تنہا رہ گئے تھے جو فیروز کی کوششوں سے انہیں ایک اچھے پُر فضا مقام پر مل گئی تھی۔ کام کاج کے لئے ایک چھوڑ تین تین ملازم تھے۔ ندیم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اگر کوئی صدمہ تھا تو اس بات کا کہ سمیرا نے اسے اب تک اپنے دل کا بھید نہیں بتایا تھا۔

فیروز کو گئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ندیم کو کانپور سے ایک اندوہناک اطلاع ملی جس سے اس کا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔ اس روز وہ شام کو سمیرا کو تفریح کرا کے بڑے ہی اچھے موڈ میں واپس لوٹا تھا۔ جب ملازم نے اس کو کانپور سے آیا ہوا وہ تار دیا جس میں اس کے باپ کے حرکت قلب بند ہو جانے سے فوت ہونے کی اطلاع درج تھی۔ ندیم نے تار

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا مضمون پڑھا تو اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا پھیل گیا۔ قدرت نے اس سے زندگی کا آخری سہارا بھی چھین لیا تھا۔

اسی شام وہ پہلی گاڑی سے سمیرا کو ساتھ لے کر کانپور روانہ ہو گیا۔

کانپور پہنچ کر اس کی جو کیفیت ہوئی وہ ناقابلِ بیان ہے لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ ندیم کس طرح باپ کی لاش سے بچوں کی طرح لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ تڑپ تڑپ کر پچھاڑیں کھائی تھیں بلک بلک کر اس نے آہ و بکا کی تھی لیکن قدرت کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔

اور پھر............

وقت اس کے زخموں کے لئے مرہم بن گیا۔ وہ سب کچھ بھول کر باپ کے کاروبار میں کچھ ایسا الجھا کہ کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ اس نے فیروز کے ذریعہ نینی تال سے اپنا تمام اسباب واپس منگا لیا۔ مستقل طور پر کانپور ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ فیروز نے اس موقع پر بھی ایک سچے دوست کی طرح قدم قدم پر ندیم کا ساتھ دیا اور اس کے بے حد اصرار پر وہ خود بھی کانپور آ گیا۔ ندیم کے لئے تنہا مرحوم باپ کے لمبے چوڑے کاروبار کو سنبھالنا مشکل تھا اس لئے اس نے فیروز کو اپنی آدھی ذمہ داری سونپ دی جسے فیروز بڑی دیانتداری اور محنت سے سنبھالے ہوئے تھا۔

کہتے ہیں کہ جب انسان کے دن پھرتے ہیں تو وہ اگر مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ ندیم کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس کی اور فیروز کی شب و روز محنت نے کاروبار کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے ہمکنار کرا دیا۔ دونوں جس کام میں بھی ہاتھ لگاتے دولت کی بارش شروع ہو جاتی۔

سمیرا بظاہر ٹھیک ہو چکی تھی لیکن شیرازی کا بخشا ہوا زخم اسے اندر ہی اندر گھلائے دے رہا تھا۔ وہ حتی الامکان یہی کوشش کرتی کہ ندیم اور فیروز دونوں کا ہاتھ بٹائے۔ اس نے گھر کی تمام تر ذمہ داریاں رفتہ رفتہ اپنے کاندھوں پر سنبھال لی تھیں۔ بیماری کے دوران اس نے ندیم کی تیمارداری کا حال بھی دیکھ لیا تھا۔ اسے اپنے کئے پر شرمندگی تھی۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر ندیم کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو شاید وہ حالات کے پیشِ نظر سمیرا کی بیماری میں اتنی دلچسپی کبھی نہ لیتا لیکن ندیم کو تو جیسے اس کی کسی بات کا کوئی ملال باقی نہیں تھا۔ اس نے تو سمیرا کے آرام کے لئے اپنے ہوش و حواس کی بازی لگا دی تھی۔ اپنی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔ پھر حالات نے جس انداز میں پلٹا کھایا تھا وہ بھی ناقابلِ

برداشت تھا مگر ندیم اس غم کو بھی جھیل گیا۔ اس نے حالات کے ساتھ جس خوبصورتی سے سمجھوتہ کیا وہ سمیرا کے لئے قابلِ ستائش تھا۔

اور پھر............

ایک ڈیڑھ سال اسی مصروفیت میں اور بیت گیا۔ سمیرا نے اپنے ماضی کو بھول کر حال کی خوشیوں کو اپنانے کی کوشش بھرپور انداز میں شروع کر دی۔ اب وہ ندیم کے ساتھ ہنس بول بھی لیا کرتی تھی۔ وہ اپنے سابقہ طرزِ عمل پر پشیمان تھی۔ وہ ماضی کی تلخیوں کو حال کی وفاداری کے بوجھ تلے دبا دینا چاہتی تھی۔ ہر وقت اس کی کوشش یہی ہوئی کہ ندیم کو خوش رکھے۔

تمام دن وہ گھر کے کام کاج میں الجھی رہتی اور شام جب ندیم کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ بن سنور کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرے باہر دروازے پر آ کر کھڑی ہو جاتی۔ ندیم اور فیروز ایک ساتھ واپس آتے تو وہ مسکراتے ہوئے دونوں کا استقبال کرتی۔ ندیم بیوی کو مسکراتے پاتا تو دن بھر کی تمام تھکن بھول کر خوشی سے سرشار ہو جاتا۔ فیروز سمیرا کو خوش دیکھتا تو کہتا۔

"مجھے اسی دن کا انتظار تھا سمیرا بہن۔"

"یہ سب آپ ہی کی محبت کا نتیجہ ہے فیروز بھائی!" وہ مسکرا کر جواب دیتی۔

"خدا کرے تم دونوں ہمیشہ یوں ہی خوش و خرم رہو۔"

"آمین۔" سمیرا کے دل کی گہرائیوں سے نکلتا۔

وقت کی تلخی چھٹ گئی۔ خزاں کے منحوس بادلوں کی جگہ اب موسم بہار نے لے لی تھی۔ سمیرا ندیم اور فیروز تینوں ہی اپنی اپنی جگہ خوش تھے لیکن فلک کج رفتار اپنی گردش پر مسکرا رہا تھا۔

ایک روز حسب معمول سمیرا دروازے پر کھڑی ندیم کی منتظر تھی۔ دور سے جب اس نے فیروزی رنگ کی کار دیکھی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خوشی سے سرشار وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ فیروزی رنگ کی کار بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہو کر رکی تو اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ندیم کو محبت بھری نگاہوں سے خوش آمدید کہا پھر فیروز کی غیر موجودگی محسوس کر کے پوچھا۔

"آج فیروز بھائی کہاں رہ گئے؟"

"باہر کی ایک پارٹی آئی ہوئی ہے۔ فیروز ان لوگوں کے ساتھ مصروف ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کب تک آئیں گے وہ؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" ندیم بولا۔ "ہو سکتا ہے کچھ دیر لگ جائے۔"

"آپ بھی رک جاتے ان کے ساتھ۔" سمیرا بولی۔ "مجھے فون سے اطلاع کر دیتے۔"

"میرا ارادہ تو یہی تھا لیکن فیروز نے مجھے زبردستی بھیج دیا۔ کہہ رہا تھا کہ کسی کی مسکراتی نظریں میری راہ تک رہی ہوں گی۔"

سمیرا پھولوں سے لدی شاخ کی طرح لچک کر رہ گئی۔ دونوں ہنستے بولتے اندر آئے۔ سمیرا نے جلدی سے چائے کا انتظام کیا۔ ندیم اتنی دیر میں کپڑے تبدیل کر کے آ گیا۔ چائے کی میز پر دونوں ایک دوسرے سے خوش خوش بات کر رہے تھے۔ ندیم نے ازراہِ مذاق کہا۔

"میں سوچتا ہوں کہ اب فیروز کو کوئی دوسرا کرائے کا مکان دلا دوں۔"

"کیوں؟" سمیرا نے تعجب سے پوچھا۔ "اتنا بڑا سارا مکان تو ہے۔ زیادہ تر کمرے تو خالی ہی پڑے رہتے ہیں اور پھر فیروز بھائی کو یہ بات یقیناً بری لگے گی۔"

"ہاں آں .... لیکن میں اسے سمجھا دوں گا۔" ندیم نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا تو سمیرا نے دبی زبان میں پوچھا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں .... کچھ ایسی بات ہے۔"

"خدا نخواستہ کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا فیروز بھائی سے۔"

"نہیں .... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر .... آپ کو اچانک فیروز بھائی کو دوسرے مکان میں منتقل کرنے کا خیال کیسے آ گیا۔"

"دراصل مجھے فیروز کی کچھ باتیں پسند نہیں ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" سمیرا نے تعجب سے کہا۔ "فیروز بھائی بے چارے تو ہر طریقے سے ہم لوگوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ اگر ان کی جگہ کوئی اپنا سگا ہوتا تو شاید وہ بھی اتنا خیال نہ رکھتا۔"

"اس کا احساس مجھے بھی ہے۔"

"پھر .... قصہ کیا ہے؟"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" ندیم مسکرا کر بولا۔ "دراصل فیروز کی موجودگی کی وجہ سے ہم دونوں کی آزادی میں خلل پڑتا ہے۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ نہ جانے کیا بات ہو گی۔" سمیرا شرما کر رہ گئی۔

"گویا تمہارے خیال میں یہ کوئی خاص بات نہیں ہے کہ فیروز کباب میں ہڈی بنا رہتا ہے۔"

"بیٹھیے بھی' آپ کو ہر وقت مذاق سوجھتا رہتا ہے۔"

بہت دیر تک دونوں اسی طرح ایک دوسرے کو چھیڑتے رہے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر ندیم حسبِ معمول سمیرا کو ساتھ لے کر شام کی تفریح کے لئے چل دیا۔

موسم آج کچھ زیادہ ہی خوشگوار تھا۔ بہاروں کی آمد آمد تھی اس لئے درختوں پر سوکھے مرجھائے پتوں کی جگہ نئے پتے نکل آئے تھے۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آ رہی تھی۔ نیلے آسمان پر کہیں کہیں اودے بادلوں کی ٹکڑیاں بدمست شرابیوں کی طرح جھومتی نظر آ رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے عطر بیز جھونکے ادھ کھلی کلیوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے پھر رہے تھے۔

ندیم اور سمیرا کار اڑاتے دریا کے کنارے آ گئے جہاں سے ڈوبتے سورج کا آخری منظر بڑا ہی دلکش لگ رہا تھا۔ دریا کی موجوں پر اڑتے ہوئے دودھیا پرندے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قدرت کی ساری رنگینیاں اس علاقہ میں سمٹ آئی ہوں۔ سمیرا نے کار سے اتر کر اس منظر کو دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھی۔ ساحل پر بے شمار خوبصورت اور رنگ برنگی گاڑیاں قطار اندر قطار کھڑی تھیں اور ان گنت رنگین اور معطر آنچل ہوا کے دوش میں لہرا رہے تھے۔

"کتنا پیارا منظر ہے۔" سمیرا نے موسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"پہلے نہیں تھا' اب ہو گیا ہے۔"

سمیرا زیرِ لب مسکرا دی۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دور تک ساحل کے کنارے کنارے ٹہلتے رہے۔ سورج غروب ہوا اور شام کا ملگجی اندھیرا دبیز ہونے لگا تو وہ واپس اپنی کار میں آ گئے۔

"کیا خیال ہے۔ رات کا کھانا کسی ہوٹل میں کیوں نہ کھایا جائے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"آپ کی مرضی .... لیکن گھر پر فیروز بھائی ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔"

"وہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہو گا۔"

"کیا انہوں نے کہا تھا کہ دیر سے آئیں گے۔"

"ہاں اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر زیادہ دیر ہو جائے تو کھانے پر انتظار نہ کیا جائے۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" سمیرا نے اطمینان کی سانس لی۔

"کھانے کے بعد سینما چلا جائے گا۔"

"خیریت تو ہے۔" سمیرا نے مسکراتی نظروں سے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج آپ کچھ زیادہ موڈ میں نظر آ رہے ہیں۔"

"تمہیں آج تنہا پا کر کچھ زیادہ نشہ ہو رہا ہے۔"

"گویا آپ یہ ساری باتیں نشے کی حالت میں کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں محبت کا نشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان سب دکھ درد بھول جاتا ہے۔"

"پہلے تو آپ کو ایسا نشہ کبھی نہیں ہوا تھا۔"

"پہلے تم مجھ سے دور دور جو رہتی تھیں۔" ندیم نے مسکرا کر جواب دیا پھر سمیرا کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "سمیرا! ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھیے۔"

"یوں نہیں، پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھے ٹالو گی نہیں۔"

"ایسی کیا بات پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔"

"پہلے وعدہ کرو، پھر بتاؤں گا۔"

"اچھا .... وعدہ۔"

"ایک بار پھر سوچ لو، بعد میں پھر نہ جانا۔"

"کیا آپ کو ایک بار کے وعدے پر اعتبار نہیں ہے۔"

"اعتبار تو ہے لیکن تم پہلے بھی کئی بار مجھے ٹال چکی ہو۔"

"جی..........." سمیرا چونک اٹھی۔ معاً اسے خیال آیا کہ کہیں ندیم پھر اسی راز کو تو نہیں پوچھنا چاہتے جو اس کے سینے میں آج بھی ناسور کی طرح اندر ہی اندر رِس رہا تھا۔ یہ سوچ کر وہ ایک دم ہی سے سنجیدہ ہو گئی۔ اس کا دل کسی اندرونی خوف سے دھڑکنے لگا۔ چہرے پر چھائی سحر یکلخت زردی میں تبدیل ہو گئی۔

"کیا سوچنے لگیں تم؟"

www.pdfbooksfree.pk

"کچھ بھی نہیں۔" سمیرا نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر وعدہ ہے نا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم اس کو ٹالنے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"آپ پوچھ کر دیکھ لیجئے۔" سمیرا ڈوبتی آواز میں بولی۔

"مجھے اپنی بیماری کا راز بتا دو۔"

"پرانی باتوں کو کریدنے سے کیا حاصل ہو گا۔"

"ایک خلش جو باقی رہ گئی ہے میں اسے بھی دور کر دینا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔" سمیرا نے جھوٹ بولا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

"یہ جواب تو تم پہلے بھی دے چکی ہو۔"

"کیا آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے۔"

"ہے تو سہی لیکن میرا خیال ہے کہ تم جان بوجھ کر وہ بات مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔" ندیم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

سمیرا نے کنکھیوں سے ندیم کو دیکھا تو کانپ کر رہ گئی۔ ندیم کے چہرے پر پھیلی گہری سنجیدگی کے تاثرات دیکھ کر وہ ایک دم ہی سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ماضی کی تلخیاں دوبارہ تازہ ہو کر اس کے ذہن کے پردوں پر ابھر آئیں۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرے ٹپکنے لگے۔ دل کی دھڑکنیں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اسے وہ رات یاد آ گئی جب شیرازی نے آستین کا سانپ بن کر اسے ڈس لیا تھا۔ اس کے وقار کو مجروح کیا تھا کہ وہ خود اپنی نگاہوں میں گر گئی تھی۔ اس کے شیشۂ دل کو چُور چُور کر ڈالا تھا۔ اسے جیتے جی زندہ درگور کر دیا تھا۔

سمیرا کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ سوچنے لگی کہ اس نے تو محض وقتی طور پر ندیم کو بھی اس آگ میں جلانے کی کوشش کی تھی جس میں وہ خود جل رہی تھی شیرازی سے اسے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ کوئی محبت نہ تھی وہ تو محض اس لئے وقتی طور پر اس کے قریب چلی گئی تھی کہ ندیم اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ بھی تو عاصمہ کے وجود سے جھلس کر رہ گئی تھی۔ اسی لئے اس نے انتقام لینے کی خاطر شیرازی کی رفاقت برداشت کر لی تھی لیکن یہ وقتی رفاقت اسے بہت مہنگی پڑی تھی۔ شراب کے نشے نے اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتوں کو سلب کر دیا تھا۔ پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ لٹ چکی تھی۔
برباد ہو چکی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کا وقار چکنا چور ہو گیا تھا۔

اس کے جذبات مجروح ہو گئے تھے۔

اس کے دل میں ناسور سا پیدا ہو گیا تھا جو ہر لمحہ رِس رہا تھا۔

اور..............

اس ناسور نے اس کی زندگی کی ساری خوشیوں کو آہوں میں بدل دیا تھا۔

"کیا بات ہے سمیرا!" ندیم نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔ "کس سوچ میں گم ہو گئی ہو۔"

"ندیم!" وہ فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر ندیم کے شانوں سے لگ کر پھوٹ پڑی۔

"ارے .... ارے .... یہ کیا شروع کر دیا تم نے؟" ندیم نے بوکھلا کر پوچھا۔

"مجھے گھر لے چلو ندیم!" سمیرا نے سسکتے ہوئے کہا۔ "میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

"لیکن تمہیں اچانک یہ ہو کیا گیا۔"

"ندیم!" سمیرا نے حسرت بھری نظروں سے ندیم کو دیکھا پھر اتنی زور سے ہونٹ کاٹے کہ خون جم کر رہ گیا۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گئی۔

ندیم بری طرح سٹپٹا کر رہ گیا۔ کار اڑاتا وہ سیدھا ہسپتال پہنچا۔ ڈاکٹروں نے سمیرا کو اسٹریچر پر لٹا کر ایمرجنسی وارڈ میں پہنچا دیا۔ ندیم باہر راہداری میں پریشانی کی حالت میں ٹہلتا رہا۔ اسے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ سمیرا کی بے ہوشی کا سبب یقیناً وہی راز ہو گا جس کو وہ چھپانا چاہتی تھی۔

"لیکن وہ کیا راز ہے جس کو وہ اس قدر اہمیت دے رہی ہے۔" ندیم نے ذہن پر جتنا زور دیا اتنا ہی وہ الجھتا چلا گیا۔

بڑی دیر تک وہ راہداری میں ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا پھر اس وقت اس کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا جب ایک نرس نے قریب آ کر اسے مخاطب کیا۔

"مسٹر ندیم آپ ہی ہیں۔"

"جی ہاں .... کیوں؟"

"ڈاکٹر قریشی آپ کو اپنے کمرے میں یاد کر رہے ہیں۔"

وہ نرس کو دیکھتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ڈاکٹر قریشی کے کمرے میں قدم رکھتے

ہوئے نہ جانے کیوں اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

"آپ نے مجھے یاد کیا ہے ڈاکٹر!" اس نے ڈاکٹر کے قریب جا کر دبی زبان میں پوچھا۔

"مسٹر ندیم! آپ کو اپنی وائف کو کچھ دنوں کے لئے ہسپتال ہی میں چھوڑنا پڑے گا۔"

"کوئی خاص بات ہے۔" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔

"ہاں۔" ڈاکٹر نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو غالباً حالات کا پہلے سے علم نہیں تھا ورنہ اتنی دیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

"میں سمجھا نہیں ڈاکٹر!" ندیم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"بات چونکہ اب سریس ہو گئی ہے اس لئے میں اسے چھپانا مناسب نہیں سمجھتا۔" ڈاکٹر نے ندیم کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی وائف کو ٹی بی کا سیکنڈ اسٹیج ہے۔"

"ٹی بی..........." ندیم ساری جان سے لرز اٹھا۔

"جی ہاں۔ وقتی طور پر انہیں کچھ دنوں کے لئے آرام کی سخت ضرورت ہے اس لئے آپ انہیں ہسپتال میں چھوڑ دیجئے۔ کچھ دنوں بعد بہتر ہو گا کہ آپ انہیں کسی اچھے سینی ٹوریم میں داخل کرا دیں۔"

ندیم ایک لمحے کے لئے گنگ سا کھڑا ڈاکٹر کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"ڈاکٹر! کیا سمیرا کے بچنے کی امید ہے۔"

"ہے تو سہی لیکن بہت کم۔ ویسے علاج اگر توجہ سے کیا گیا تو ممکن ہے بیماری ختم بھی ہو جائے۔ دراصل مریضہ کا دایاں پھیپھڑا بری طرح متاثر ہو چکا ہے۔"

"اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ڈاکٹر!"

"فی الحال میں اس سلسلہ میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ڈاکٹر!" ندیم ایکدم سے جذباتی بن گیا۔ "آپ روپے پیسے کی فکر نہ کیجئے۔ سمیرا کی خاطر میں دس بیس لاکھ بھی خرچ کر سکتا ہوں۔"

"خدا سے دعا کیجئے مسٹر ندیم! میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔"

"پلیز ڈاکٹر! آپ سمیرا کو کسی قیمت پر بھی بچا لیجئے۔"

"کوشش کرنا میرا فرض ہے۔" ڈاکٹر قریشی نے اٹھتے ہوئے کہا پھر ندیم کو تسلیاں دینے کے بعد راؤنڈ پر چلا گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ندیم نے کوشش کی تھی کہ وہ سمیرا سے دو باتیں کر لے لیکن وہ چونکہ ابھی تک بے ہوش تھی اس لئے ڈاکٹروں نے ملاقات کی اجازت نہ دی۔ ندیم نے ہسپتال ہی سے فیروز کو فون کر کے بلا لیا۔ فیروز بوکھلایا ہوا ہسپتال پہنچا پھر جب ندیم نے اسے سمیرا کے بارے میں ڈاکٹر قریشی کی تشخیص سے مطلع کیا تو فیروز کے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔

وہ دل ہی دل میں خدا سے سمیرا کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگا۔

☆======☆======☆

ڈاکٹر قریشی کی دوائیں اور فیروز کی دعائیں دونوں ہی سمیرا کے حق میں بیکار ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ تین روز کے اندر اندر سمیرا کی حالت بد سے بدتر ہو کر رہ گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ برسوں کی مریضہ ہو۔ نہ آنکھوں میں اب وہ پہلے جیسی شوخی باقی رہ گئی تھی اور نہ گفتگو میں وہ تیزی اور طراری ہی نظر آتی تھی۔

ندیم کا زیادہ تر وقت سمیرا کے پاس ہی گزرتا۔ کبھی کبھار کوئی اشد ضروری کام پیش آ جاتا تو وہ کچھ دیر کے لئے کاروبار کی وجہ سے دفتر چلا جاتا ورنہ دفتر کا سارا بوجھ فیروز نے سنبھال رکھا تھا۔ دن بھر وہ کاروباری مصروفیات میں الجھا رہتا۔ شام ہوتی تو دفتر سے سیدھا ہسپتال چلا جاتا جہاں ندیم حسرت و یاس کی تصویر بنا اس کا منتظر رہتا۔

سمیرا کی اپنی کیفیت ندیم اور فیروز دونوں سے مختلف نہ تھی۔ اسے جب سے معلوم ہوا تھا کہ وہ تپ دق جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے' جینے کی تمنا بھی اس سے روٹھ گئی تھی۔ ہر وقت اداس اور چپ چاپ پڑی وہ کبھی اپنی موت کے بارے میں سوچا کرتی اور کبھی ندیم کے بارے میں سوچنے لگتی۔

ندیم!

جسے اس نے محض نیچا دکھانے کے لئے اپنایا تھا۔

اپنی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر جسے مجازی خدا کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ وہی ندیم جب ایک فرشتے کی صورت میں اس کے سامنے آیا تو زندگی نے وفا کرنے سے انکار کر دیا۔

حالات نے اس کی خوشیوں کا منہ موڑ دیا۔

اور.............

موت اس کی بے بسی پر قہقہہ زن تھی۔

آج بھی سمیرا انہی خیالات میں محو تھی کہ ندیم اس کے کمرے کا پردہ اٹھا کر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں پھلوں کے تھیلے تھے جنہیں میز پر رکھ کر وہ سمیرا

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"جی رہی ہوں۔" سمیرا نے پژمردہ سی آواز میں جواب دیا تو ندیم تڑپ اٹھا۔

"خدا کے لئے سمیرا! ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو۔"

"ندیم!" سمیرا نے بڑی حسرت بھری نظروں سے شوہر کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"ایک بات کہوں۔"

"حکم دو جانِ ندیم۔" ندیم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی محبت سے جواب دیا۔

"آپ .... آپ میری غلطیوں کو معاف کر دیں۔"

"پاگل .... کیسی دیوانوں جیسی بات کر رہی ہو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی۔" سمیرا کا غم سمٹ کر اس کی غزالی آنکھوں میں آ گیا۔

"مجھے اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ میں نے آپ کو بہت دکھ دیئے ہیں۔"

"جو باتیں گزر چکی ہیں انہیں بھول جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"دفتر نہیں جا رہے ہیں آج کل آپ۔"

"دل نہیں لگتا دفتر میں۔"

"کیوں؟" سمیرا کے سوکھے ہونٹوں پر ایک معمولی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس لئے کہ میری زندگی جو ہسپتال میں موجود ہے۔"

"آپ کتنے اچھے ہیں ندیم!" سمیرا کی آنکھیں فرطِ جوش سے بھر آئیں۔

"جھوٹ، اگر میں اچھا ہوتا تو تمہاری آنکھوں میں ان شبنمی قطروں کے بجائے خوشی کھیل رہی ہوتی۔"

"یہ ندامت کے آنسو ہیں ندیم!"

"پھر وہی بات۔" ندیم نے محبت آمیز خفگی سے کہا۔ "اب اگر تم نے کوئی دل توڑنے والی بات کہی تو میں سچ مچ تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ محبت بھری نظروں سے ندیم کو تکتی رہی۔

"ڈاکٹر قریشی کہہ رہے تھے کہ تم بہت جلدی اچھی ہو جاؤ گی۔"

"ہوں۔"

"کیوں .... کیا تم کو اپنے اچھا ہونے کی امید نہیں ہے؟"

"جی تو چاہتا ہے لیکن ...."

"لیکن کیا؟"

"ڈرتی ہوں کہ میں کہیں پھر پہلی جیسی سمیرا نہ بن جاؤں۔"

"تم جو چاہو بن جاؤ لیکن خدارا جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔" ندیم نے ہنس کر کہا۔

"اگر آپ کی خواہش ہے تو میں موت سے بھی ٹکرا جاؤں گی۔"

"شاباش .... مجھے تم سے اسی بہادری کی توقع ہے۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"کیا؟"

"آپ مجھے سینی ٹوریم میں کب تک داخل کرا رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر قریشی سے آج مشورہ کروں گا۔"

"ندیم!" سمیرا نے یکلخت بڑی سختی سے ندیم کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "خدا کے لئے آپ مجھے سینی ٹوریم میں مت داخل کرائیے گا۔ میری التجا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں مجھے اپنے پاس ہی رکھیں۔"

"یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تم سے دور رہوں گا۔" ندیم بولا۔ "سینی ٹوریم میں بھی میں ہر وقت تمہارے پاس رہوں گا۔"

"نہیں ندیم! مجھے اس نام ہی سے نہ جانے کیوں ہول سا آنے لگتا ہے۔"

"پھر تم اچھی کس طرح ہو گی۔"

"میں نے آج چھوٹے ڈاکٹر سے بات کی تھی۔" سمیرا بولی۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ ٹی بی کے مریضوں کے لئے پہاڑی مقامات کی آب و ہوا بھی بڑی فائدہ مند ہوتی ہے۔ آپ مجھے دوبارہ کچھ دنوں کے لئے نینی تال لے چلیں وہاں پر تپ دق کے ماہرین بھی موجود ہیں جو گھر پر بھی میرا علاج کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی جا کر چھوٹے ڈاکٹر سے بات کئے لیتا ہوں۔"

ندیم سمیرا کے پاس سے اٹھ کر چھوٹے ڈاکٹر کے پاس آیا اور دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ بعد میں اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ سمیرا کو لے کر نینی تال چلا جائے گا اور وہاں اسے کسی علیحدہ کوٹھی میں رکھ کر پرائیویٹ طور پر گھر پر ہی اس کا علاج کرائے گا۔

شام کو فیروز آیا تو ندیم نے اس سے بھی مشورہ کیا۔ فیروز نے بھی یہی مشورہ دیا تھا

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ سمیرا کا علاج گھر پر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی روز ندیم سمیرا کو لے کر نینی تال آ گیا جہاں دو روز تک ایک ہوٹل میں قیام کے بعد اس نے بھاگ دوڑ کر اپنے لئے ایک ایسی کوٹھی حاصل کر لی جو ہنگاموں سے قدرے الگ تھلگ تھی۔ کوٹھی کا ملازم اسی روز ندیم کا سارا سامان ہوٹل سے اٹھا لایا۔

اگلے روز ندیم نے نینی تال میں مقیم ڈاکٹر اخلاق سے ملاقات کی جو ٹی بی کے ماہرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ ڈاکٹر اخلاق نے پہلے یہی مشورہ دیا کہ سمیرا کو سینی ٹوریم میں داخل کرانا زیادہ بہتر ہو گا لیکن جب ندیم نے اسے سمیرا کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور یہ کہا کہ وہ دل کھول کر دونوں ہاتھوں سے دولت خرچ کر سکتا ہے تو ڈاکٹر اخلاق نے علاج کی حامی بھر لی۔ دوسرے ہی دن انہوں نے دو ٹرینڈ نرسوں کی خدمات حاصل کر لیں جن کو ایک معقول معاوضے کے عوض دن رات مریضہ کے پاس رہنے پر آمادہ کر لیا گیا۔

ڈاکٹر اخلاق نے یکے بعد دیگرے ایک ہی دن میں سمیرا کے کئی ایکسرے لئے پھر ان کا بغور معائنہ کرنے کے بعد اس نے ندیم کو علیحدہ لے جا کر کہا تھا۔

"مسٹر ندیم! خدا کی رحمتوں سے ناامید ہونا گناہ ہے لیکن میں آپ کو یہ باور کرا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کی وائف کی کنڈیشن بہت زیادہ خراب ہے۔ کوئی معجزہ ہی انہیں دوبارہ ایک نئی زندگی دے سکتا ہے۔"

"ڈاکٹر! خدا کے لئے مجھے مایوس نہ کرو۔" ندیم نے رندھی آواز میں کہا۔ "میں سمیرا کو ہر قیمت پر اچھا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کوشش کرنا میرا فرض ہے۔ آگے جو خدا کو منظور ہو۔" ڈاکٹر نے جواب دیا پھر وہ ندیم کو اور نرسوں کو سمیرا کے بارے میں ضروری ہدایتیں دے کر چلا گیا۔

سمیرا کے علاج کو دس روز گزر گئے لیکن کوئی فائدہ کی صورت نظر نہ آئی۔ دونوں نرسیں اپنی اپنی ڈیوٹیوں کے اوقات میں سمیرا کا ہر ہر طریقے سے خیال رکھتی تھیں۔ ندیم بھی ہمہ تن اس کی تیمارداری میں لگا رہتا۔ ڈاکٹر اخلاق دونوں وقت بڑی پابندی سے اسے دیکھنے آتے اور ندیم کو تسلی دے کر چلے جاتے لیکن ندیم اتنا بچہ نہیں تھا جو ڈاکٹر کی جھوٹی تسلیوں کو نہ سمجھ پاتا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ سمیرا کی حالت دن بدن گرتی چلی جا رہی ہے۔ ان دس دنوں میں تو وہ بالکل ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ گئی تھی۔

گیارہویں دن ڈاکٹر اخلاق جب سمیرا کو دیکھ کر باہر آیا تو ندیم اس کا منتظر تھا۔ ڈاکٹر اخلاق نے ندیم کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا پھر وہ کوٹھی کے باہر لان میں آ گیا۔ ندیم بڑی

www.pdfbooksfree.pk

پریشانی کی حالت میں ڈاکٹر کا منہ تکے جا رہا تھا۔

"مسٹر ندیم! مجھے افسوس ہے کہ آپ کی وائف پر اب کوئی دوا کارگر نہیں ہو سکتی۔"

"ڈاکٹر!" ندیم چیخ اٹھا۔

"ہمت سے کام لیجئے مسٹر ندیم!" ڈاکٹر نے نرمی سے کہا۔ "دراصل مریضہ کے دونوں پھیپھڑے بیکار ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی وائف کو غالباً کوئی ایسا شدید صدمہ لاحق ہے جو انہیں سنبھالا لینے کی مہلت نہیں دے رہا ہے۔"

"کیا آپ نے سمیرا سے اس کی وجہ پوچھی تھی۔"

"ہاں .... لیکن جواب میں آپ کی وائف رونے لگی تھیں اس لئے میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔"

"کچھ بھی کرو ڈاکٹر لیکن خدارا سمیرا کو بچا لو۔" ندیم کے لہجے میں التجا تھی۔

"جو حقیقت تھی میں نے آپ کو اس سے آگاہ کر دیا۔ رہا میری کوشش کا سوال تو وہ میں آخری دم تک جاری رکھوں گا۔"

ڈاکٹر چلا گیا تو ندیم اپنے آنسو پیتا دھڑکتے ہوئے دل سے سمیرا کے کمرے میں آیا جو آنکھیں بند کئے لیٹی نہ جانے کن خیالات میں گم تھی۔ نرس اس کے قریب بیٹھی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ ندیم کے قدموں کی آہٹ ابھری تو نرس نے نظر گھما کر اسے دیکھا پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ ندیم تھکے تھکے انداز میں قدم بڑھاتا سمیرا کے قریب آ گیا۔

"سمیرا!" اس نے بستر پر بیٹھتے ہوئے سمیرا کو آہستہ سے آواز دی تو سمیرا نے چونک کر ندیم کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کپکپا کر رہ گئے۔

ندیم تڑپ اٹھا۔

"سمیرا! خدا کے لئے، ہنسا بولا کرو۔" ندیم نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر اخلاق کہہ رہے تھے کہ تمہارے لئے خوش رہنا بہت ضروری ہے۔"

"میری خوشیاں اب، واپس نہیں آ سکتیں۔" سمیرا نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"تمہیں آخر کس بات کا غم کھائے جا رہا ہے۔" ندیم نے تڑپ کر پوچھا۔ "کیا تم میری خاطر بھی اچھی نہیں ہو گی؟"

"ندیم!" سمیرا نے ندیم کے چہرے سے نظر ہٹا کر چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"قدرت کو شاید یہی منظور ہے کہ ہم دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے............"

"نہیں سمیرا! خدا کے لئے اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔" ندیم چیخ اٹھا۔ پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو ڈھلک کر نیچے آ رہے۔ ضبط کے سارے بندھن جیسے ایک دم ہی سے ٹوٹ گئے تھے۔

"ندیم! آج میں آپ کو وہ راز بتا دینا چاہتی ہوں جس نے مجھے موت سے ہمکنار کر دیا ہے لیکن وعدہ کیجئے کہ آپ صدقِ دل سے مجھے معاف کر دیں گے۔"

"خدا کے لئے سمیرا پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔"

"میں سب کچھ بھول جاؤں گی لیکن پہلے وعدہ کیجئے کہ آپ میری بات سن کر مجھے سچے دل سے معاف کر دیں گے۔"

سمیرا نے زیادہ اصرار کیا تو ندیم نے وعدہ کر لیا۔ کچھ دیر کمرہ میں سکوت طاری رہا پھر سمیرا نے رک رک کر اس رات کی تمام کہانی سنا ڈالی جس رات شیرازی نے اس کے اعتماد کو ٹھکرا کر اسے لوٹ لیا تھا۔

ندیم نے سمیرا کی کہانی سنی تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ تھوڑی دیر تک وہ سمیرا کو یونہی خالی خالی نظروں سے گھورتا رہا پھر دبی زبان میں بولا۔

"تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتا دی تھی؟"

"مجھے ڈر تھا ندیم کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔"

ندیم جواب دینے کے بجائے اپنے ہونٹ چبانے لگا تو سمیرا نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ میرا گناہ ایسا نہیں ہے جسے آسانی سے معاف کر دیا جائے لیکن پھر بھی میں ہاتھ جوڑ کر درخواست کروں گی کہ آپ مجھے اوپری دل ہی سے معاف کر دیں تاکہ میں موت کی تلخیوں کو ہنسی خوشی سینے سے لگا لوں۔"

"سمیرا!" ندیم سسک اٹھا۔

"ندیم! یوں تو نہ روئیے ورنہ مجھے دکھ ہو گا۔"

ندیم نے جلدی سے اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں کو قمیض کی آستین میں جذب کر لیا۔

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے؟"

"سمیرا!" ندیم بہ مشکل کہہ سکا۔ "میں نے تمہیں معاف کیا' خدا بھی معاف

کرے۔"

"ندیم!.......... آپ.......... آپ کتنے.........." اور پھر سمیرا اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ شاید خوشی کی انتہا نے اسے شادیٔ مرگ کی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔

ندیم نے چیخ کر نرس کو پکارا تو وہ بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ سمیرا کو بے ہوش دیکھا تو ڈاکٹر اخلاق کی ہدایت پر انجکشن دینے کے لئے سرنج تیار کرنے لگی۔ ندیم نے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی مریض کو دیکھنے کے لئے نینی تال سے باہر گئے ہوئے ہیں اور ایک دو روز تک واپس ہوں گے۔ یہ اطلاع سن کر ندیم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اس نے کوٹھی کے ملازم کو بلایا۔

"بابا.......... کیا تم کسی ڈاکٹر کو جانتے ہو۔"

"کیا بیگم صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟" بوڑھے ملازم نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"آپ فون کر کے بڑے ڈاکٹر صاحب کو کیوں نہیں بلا لیتے۔"

"وہ کسی مریض کو دیکھنے نینی تال سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"اس وقت تو کوئی دوسرا ڈاکٹر نہیں مل سکتا۔" بوڑھے ملازم نے کہا پھر بولا۔ "میں ایک لیڈی ڈاکٹر کو جانتا ہوں۔ یہیں پڑوس میں رہتی ہیں۔ بڑی نیک اور اچھی ڈاکٹر ہیں۔ آپ کہیں تو انہیں جا کر بلا لاؤں۔"

"جلدی جا کر بلا لاؤ بابا.......... کہنا کہ میں منہ مانگی فیس دوں گا۔"

"ابھی جا کر ساتھ لے آتا ہوں۔"

"اگر ان کا مکان زیادہ دور ہو تو گاڑی لے جاؤ۔"

"نہیں سرکار! زیادہ دور نہیں ہے۔ چار کوٹھی چھوڑ کر پانچویں کوٹھی ہی تو ہے میں پلک جھپکتے میں پہنچ جاؤں گا۔"

ملازم چلا گیا تو ندیم نے دوبارہ جا کر سمیرا کو دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ نرس اس کی نبض دیکھ رہی تھی۔

"نرس! کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ فی الحال ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ احتیاطاً میں نے انجکشن بھی لگا دیا ہے۔ کچھ دیر میں ہوش آ جانا چاہئے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"دل کی رفتار تو ٹھیک ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تم یہیں رہنا میں ذرا اپنے دوست کو ایک تار دے کر ابھی واپس آتا ہوں۔"

"واپسی میں اگر ہو سکے تو ڈاکٹر اخلاق کو بھی مریضہ کے بارے میں مطلع کر دیں۔"

"میں نے انہیں فون کیا تھا لیکن وہ نینی تال سے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ ویسے میں نے اپنے ملازم کو کسی دوسرے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھیج دیا ہے۔"

ندیم نے سمیرا کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر باہر آ کر اس نے اپنی کار نکالی اور فیروز کو تار دینے کی غرض سے ٹیلیگراف آفس کے لئے روانہ ہو گیا۔

راستے بھر وہ ایک لمحے کے لئے بھی سمیرا کے خیال سے بے خبر نہیں ہو سکا تھا۔

☆======☆======☆

لیڈی ڈاکٹر نے مریضہ کی نبض دیکھی پھر پاس کھڑی نرس کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"یہ کب سے بے ہوش ہیں؟"

"پندرہ منٹ ہو چکے ہیں ڈاکٹر! میں نے ہوش میں آنے کا انجکشن دے دیا ہے۔"

"کیا یہ بہت دنوں سے بیمار ہیں؟"

جواب میں نرس نے ایکسرے کی رپورٹ اور ڈیلی چارٹ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے کر دیا۔

کچھ دیر تک لیڈی ڈاکٹر ان رپورٹس کا بغور جائزہ لیتی رہی پھر اس نے پُرتشویش لہجے میں نرس سے پوچھا۔

"علاج کس کا ہو رہا ہے۔"

"ڈاکٹر اخلاق کا۔"

"تعجب ہے کہ انہوں نے مریضہ کو ان حالات میں بھی یہاں رکھا ہوا ہے جبکہ یہ کیس سو فیصدی سینی ٹوریم کا ہے۔"

"ڈاکٹر نے بہت کوشش کی تھی کہ مریضہ کو سینی ٹوریم میں داخل کرا دیا جائے لیکن ان کے شوہر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔"

"کیوں؟"

"وہ اپنی وائف کو ایک پل کے لئے بھی اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتے۔"

"آئی سی۔" لیڈی ڈاکٹر نے مریضہ کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا پھر مسہری پر جھک

کر اس کی نبض کی رفتار دیکھنے لگی جو بڑی سُست چل رہی تھی۔

کمرے میں بڑا پُرہول سناٹا طاری تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کے چہرے پر اچانک ابھرنے والے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ مریضہ کی موجودہ کیفیت سے مطمئن نہیں ہے۔ نرس قریب کھڑی کبھی مریضہ اور کبھی ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"نرس! کیا ڈاکٹر اخلاق کو مریضہ کی بے ہوشی کے بارے میں مطلع کیا جا چکا ہے۔"

"ڈاکٹر نینی تال سے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ بے ہوشی خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔" لیڈی ڈاکٹر نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ "مریضہ کے شوہر کہاں ہیں۔"

"وہ اپنے کسی دوست کو تار دینے کا کہہ کر گئے ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسہری کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ کر وہ مریضہ کے چہرے کو تکنے لگی جو کسی آنے والے طوفان کی پیش قدمی کے زیرِ اثر تاریک ہو رہا تھا۔

وقت کی رفتار بڑی مدھم ہو گئی تھی۔ پھر اچانک مریضہ نے آہستہ سے کراہ کر آنکھیں کھولیں اور چھت کو گھورنے لگی۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔" لیڈی ڈاکٹر نے بڑی نرم آواز میں پوچھا۔

"میں..........." سمیرا نے آہستہ سے نظریں گھما کر لیڈی ڈاکٹر کو دیکھا جس کے جسم پر سفید کوٹ موجود تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ٹکٹکی باندھے لیڈی ڈاکٹر کو تکتی رہی پھر اس کی دراز دراز پلکوں پر آنسوؤں کے قطرے جھلملانے لگے۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" لیڈی ڈاکٹر نے بڑے ہی دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر آپ کب آئیں؟" سمیرا نے کپکپاتی آواز میں سوال کیا۔

"مجھے یہاں آئے پانچ دس منٹ ہوئے ہیں۔"

"کون لایا تھا آپ کو؟"

"وہ غالباً آپ کی کوٹھی کا ملازم تھا۔"

"اوہ..........." سمیرا نے کراہ کر جواب دیا پھر نرس کی طرف دیکھ کر بڑی نحیف آواز میں بولی۔

"نرس! تم کچھ دیر کے لئے باہر ٹھہرو۔ مجھے ڈاکٹر سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نرس مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی تو سمیرا نے دوبارہ ڈاکٹر کو غور سے دیکھا۔

"ڈاکٹر! آپ کا نام کیا ہے۔"

"عاصمہ۔" لیڈی ڈاکٹر نرم آواز میں بولی۔ "یہیں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں۔"

"عاصمہ.........." سمیرا کے ہونٹ لرز اٹھے۔ ایک سرد آہ اس کے ہونٹوں سے خارج ہو کر فضا میں نہ جانے کہاں گم ہو کر رہ گئی۔

"آپ نے میرا نام کیوں دریافت کیا تھا؟" ڈاکٹر نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"کیا آپ میرے شوہر سے مل چکی ہیں۔"

"جی نہیں، نرس نے بتایا تھا کہ وہ غالباً اپنے کسی دوست کو تار دینے گئے ہیں۔"

"عاصمہ!" سمیرا نے ڈوبتی آواز میں ڈاکٹر کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا کہ تم آ گئیں۔ اب میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

"آپ غالباً مجھ سے واقف معلوم ہوتی ہیں۔" لیڈی ڈاکٹر عاصمہ نے مریضہ کے لہجہ کی بے تکلفی کو محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں.......... میں تم کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو آج پہلی بار دیکھا ہے۔"

"نہیں۔" سمیرا کی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے ڈھلک کر تکئے میں جذب ہو گئے۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "تم مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ شاید میری بدلی ہوئی حالت کی وجہ سے تم مجھے پہچان نہیں سکیں۔"

لیڈی ڈاکٹر نے اس جواب پر سمیرا کو بڑے غور سے دیکھا پھر اپنے ذہن کو کریدنے لگی لیکن کوشش بسیار کے باوجود وہ مریضہ کو پہچان نہیں سکی۔

"مجھے افسوس ہے عاصمہ کہ میں نے تمہیں غلط سمجھا۔"

"آپ کو فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔" عاصمہ نے مریضہ کی طبیعت کے پیشِ نظر کہا۔ "زیادہ گفتگو کرنے سے آپ کی طبیعت پر بار ہو گا۔"

"نہیں، اس وقت مجھے بے حد سکون مل رہا ہے۔ تم مجھے مل گئیں یہی میرے لئے بہت ہے۔"

عاصمہ جواب میں مسکرا دی۔ ابھی تک وہ مریضہ کی گفتگو کا مقصد نہیں پا سکی تھی۔

"عاصمہ! میں اپنی طبیعت سے بے خبر نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اب میں زیادہ

www.pdfbooksfree.pk

دنوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسی وجہ سے میں چاہتی ہوں کہ اب تم بھی سچے دل سے مجھے معاف کر دو۔"

"آپ کو میرے بارے میں کہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہو رہی ہے۔" عاصمہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"غلط فہمی کا جرم ہی تو مجھ سے سرزد ہوا تھا جس کی معافی مانگ رہی ہوں۔" سمیرا بولی۔ آنسو کے قطرے اس کے رخساروں سے ڈھلک ڈھلک کر بستر میں جذب ہو رہے تھے۔

"آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"پہلے مجھے ایک بات اور بتا دو۔" سمیرا نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ "تمہاری شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔"

"جی نہیں۔ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔" عاصمہ نے اس بار بڑی گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کے اس جواب کے پیچھے ماضی کی کچھ تلخ یادیں بھی کارفرما ہیں۔

سمیرا کے ہونٹوں پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ ابھر کر نڈھال ہو گئی۔

"تمہاری ایک ماں بھی تو تھیں۔"

"ماں۔" عاصمہ کے دل پر ایک چرکہ سا لگا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ کچھ بے چین سی ہو گئی پھر زیر لب مسکرا کر بولی۔ "میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"کب؟"

"دو سال گزر گئے۔"

"گویا اب تم بالکل تنہا ہو۔"

"جی ہاں لیکن پیشے کی نوعیت مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی۔" عاصمہ نے بڑے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"ایک بات اور پوچھوں۔"

"ضرور پوچھئے لیکن ابھی تک آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"وہ بھی بتا دوں گی۔" سمیرا نے کہا پھر عاصمہ کو غور سے تکتے ہوئے بولی۔ "کیا تم نے بھی کسی سے محبت کی ہے۔"

"میں آپ کو پھر یہی مشورہ دوں گی کہ فی الحال آپ آرام کریں۔"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم شاید میرے سوال سے بچنا چاہتی ہو۔ کیوں؟" سمیرا نے اپنے بے جان ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں لیکن میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ آخر آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟"

"عاصمہ!" سمیرا نے درد بھری آواز میں کہا۔ "میری بدنصیبیوں نے میرے چہرے کے نقوش کو شاید اس قدر مسخ کر ڈالا ہے کہ کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکتا۔"

"اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہیں آپ؟"

"یہ میری بدنصیبی نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ تم بھی اپنی ایک دیرینہ کلاس فیلو کو نہیں پہچان سکیں۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" عاصمہ نے مریضہ کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام .... سمیرا ہے۔"

"سمیرا!" عاصمہ یکلخت چونک اٹھی۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ تو جس سمیرا سے واقف تھی وہ بہت شوخ و شنگ تھی۔ بے حد حسین اور تیز۔ کالج میں تو اس کی خوبصورتی اور اس کی شوخی کے چرچے ہوا کرتے تھے اور پھر عاصمہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور اسے یاد آ گیا تھا کہ سمیرا کی شادی ندیم سے ہو گئی تھی۔

ندیم!

جسے اس نے دل کی گہرائیوں سے پیار کیا تھا۔

جو اس کا محبوب نظر تھا۔

جو آج بھی اس کے دل کے نہاں خانوں میں موجود تھا۔

ایک مقدس امانت کی طرح۔

"کیا سوچ رہی ہو عاصمہ!" سمیرا نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا پھر بولی۔ "خدا کی قسم سمیرا میں تمہیں شناخت نہیں کر سکی تھی لیکن تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔"

"یہ سب میری اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہے عاصمہ! لیکن اگر تم چاہو تو میں بڑی آسانی سے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتی ہوں۔"

"میں سمجھی نہیں تمہارا مطلب۔" عاصمہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن نہیں ہو۔"

www.pdfbooksfree.pk

"زندگی..........." سمیرا نے سرد آواز میں کہا۔ "جب تک میں زندگی کا مذاق اڑاتی رہی زندگی مجھ سے روٹھی رہی اور آج .... آج جب مجھے زندگی کی تمنا ہے تو وہ میرا مذاق اڑا رہی ہے۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم کو کوئی گہرا صدمہ لاحق ہے۔"

"ہاں عاصمہ! مجھے جو صدمہ لاحق ہے اس کا تدارک صرف موت ہی کر سکتی ہے۔"

"کیا تم ندیم کے ساتھ خوش نہیں ہو؟" عاصمہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ندیم کا نام لیتے وقت اس کی نظریں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔

"میں نے تمہاری طرح ندیم کو بھی سمجھنے میں زبردست غلطی سے کام لیا تھا۔ جس کی سزا مجھے بھگتنی پڑ رہی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"میرے پاس تمہیں تفصیل سے سمجھانے کے لئے وقت نہیں ہے عاصمہ!" سمیرا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "بس اتنا سمجھ لو کہ کسی طرح مجھے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ندیم تم سے محبت کرتے ہیں۔ میں اس بات کو برداشت نہ کر سکی۔ میں نے ندیم کو جلانے کی خاطر ایک ایسا راستہ اختیار کر لیا جو بظاہر مخدوش نہیں تھا لیکن اس راستہ پر پہلا قدم رکھتے ہی میں جل بھن کر راکھ ہو گئی اور پھر مجھے احساس ہوا کہ ندیم انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہیں۔"

عاصمہ چپ چاپ بیٹھی سمیرا کی باتیں سنتی رہی۔

"ندیم کی بلندی کا ثبوت ہی ہے کہ آج جب میں نے ان کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار کیا تو انہوں نے سچے دل سے مجھے معاف کر دیا۔"

"گھبراؤ نہیں سمیرا! خدا نے چاہا تو تم اب جلدی ہی اچھی ہو جاؤ گی۔" عاصمہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

"کل کیا ہو گا۔ آج اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ رہا میری زندگی کا مسئلہ تو وہ کاغذ کی ناؤ کی طرح ہے۔ بادِ مخالف کا ایک معمولی سا جھونکا بھی اسے ڈبو سکتا ہے۔"

"پچھلی باتوں کو بھول جاؤ سمیرا! اور خوش رہنے کی کوشش کرو ورنہ تمہاری صحت پر ان باتوں کا بہت برا اثر پڑے گا۔"

"باتوں میں مت ٹالو عاصمہ! مجھ سے صرف ایک بات کا وعدہ کر لو تاکہ میں آرام اور سکون سے مر سکوں۔" سمیرا نے کہا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" عاصمہ نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ندیم کی خوشی۔"

"ندیم کی خوشی.........." عاصمہ نے کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکی۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ندیم میرے بعد غموں کا شکار بن کر نہ رہ جائیں۔ میں نے انہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دی۔ جب سے شادی ہوئی ان سے دور دور رہی اور جب قریب آنے کی کوشش کی تو زندگی نے مجھ سے منہ موڑ لیا۔"

"کیا ندیم تم سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔" عاصمہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"مجھ سے نہیں بلکہ میری مجبوریوں سے انہیں پیار ہے۔" سمیرا کی آواز ڈوبنے لگی۔ "جب تک میں ان سے دور رہی وہ کسی سمندر کی طرح خاموش رہے اور جب انہوں نے یہ جانا کہ میں خود اپنے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر بے بس ہو گئی ہوں تو انہیں مجھ پر ترس آ گیا۔ ہاں عاصمہ! ندیم کو میری بے بسی سے والہانہ محبت ہو گئی ہے۔ میں نے انہیں بے شمار راتیں اپنے سرہانے بیٹھ کر گزارتے دیکھا ہے۔ میری زندگی کو موت کے شکنجے سے بچانے کے لئے ندیم نے اپنی تجوریوں کا منہ کھول رکھا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے دوبارہ نہ پا سکیں گے اور .... اور ممکن ہے کہ میری موت انہیں غموں کے اتھاہ سمندر میں غرق کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو میری روح کو کبھی سکون نہ ملے گا۔ میں .... مرنے کے بعد بھی چین کا کوئی لمحہ نہ گزار سکوں گی۔"

عاصمہ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

"بولو عاصمہ! کیا تم وعدہ کرتی ہو کہ ندیم کو وہ خوشیاں دے سکو گی جو میرے راہ میں آ جانے سے ان سے چھن گئی تھیں۔"

"سمیرا میں اپنی کوشش کروں گی کہ تم کو اس مرض سے نجات دلا سکوں۔"

"تم پھر بات کو ٹال رہی ہو۔" سمیرا نے کرب سے تڑپ کر کہا۔ "ممکن ہے تم نے ندیم کے الہ آباد سے چپ چاپ چلے آنے کو اس کی بے وفائی پر معمور کیا ہو لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ وہ اپنے مرحوم والد کی خواہشات کے احترام کی وجہ سے خود اپنے ہاتھوں اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ .... ورنہ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی .... وہ .... وہ .... وہ .... آج بھی تم سے محبت کرتا ہے عاصمہ! .... اور .... میں چاہتی ہوں کہ تم اسے اس کی روٹھی ہوئی خوشیاں .... واپس .... لوٹا دو۔ بولو عاصمہ کیا تم میری اس آخری خواہش کو پورا کرو گی؟"

www.pdfbooksfree.pk

عاصمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نظریں جھکائے بیٹھی وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سمیرا کی بات کا کیا جواب دے۔

اچانک سمیرا نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش کی تو ہچکی لے کر رہ گئی۔ اس کے منہ سے جیسے خون کا سوتا پھوٹ نکلا تھا۔ عاصمہ نے گھبرا کر نرس کو آواز دی اور جلدی سے اپنا بیگ کھولنے لگی لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی اقدام کرتی سمیرا کو ایک آخری ہچکی آئی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

عاصمہ سکتے کے عالم میں بت بنی کھڑی سمیرا کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھیں دروازے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ شاید مرنے کے بعد بھی اسے ندیم کو ایک آخری بار دیکھ لینے کی تمنا رہ گئی تھی۔

نرس نے جھک کر سمیرا کی نبض دیکھی پھر چادر اس کے چہرے پر ڈال دی۔

☆======☆======☆

ندیم فیروز کو تار دینے ٹیلیگراف آفس پہنچا تو وہاں کچھ زیادہ ہی رش تھا اس لئے تقریباً پینتالیس منٹ لگ گئے۔ تار دے کر واپسی میں اس نے سوچا تھا کہ کیوں نہ ڈاکٹر اخلاق کے مطب سے اس کے کسی ماتحت ڈاکٹر کو ساتھ لے جائے۔ یہی سوچ کر وہ کار اڑاتا ڈاکٹر کے مطب پہنچا اور وہاں سے ایک اور ڈاکٹر کو لے کر انتہائی برق رفتاری سے کوٹھی کی سمت کار ڈرائیو کرنے لگا۔ اس تمام کام میں اسے ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ لگ گیا۔

کوٹھی کے احاطے میں کار روک کر وہ نیچے اترا تو خلاف توقع بوڑھے ملازم نے باہر آ کر اس کا استقبال نہیں کیا تھا۔ کسی اندرونی خوف سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ڈاکٹر کو ساتھ لئے وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا اندر آیا۔ نرس سمیرا کے کمرے کے باہر نظر آ گئی۔

"سمیرا کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ندیم نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔

نرس نے ندیم کی بوکھلاہٹ دیکھی تو فوراً کوئی جواب نہ دے سکی۔ سٹپٹا کر کرسی سے اٹھ گئی۔

"کیا ہوش آ گیا اسے؟" ندیم نے دوسرا سوال کیا۔

"صبر کیجئے مسٹر ندیم!" نرس نے نظریں جھکا کر دبے لہجے میں کہا۔

"کیا .... سمیرا.........." ندیم کو یوں لگا جیسے اس کے دل کے اندر اچانک کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے نرس کو غور سے دیکھا پھر بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سمیرا کے چہرے سے چادر ہٹائی تو دل دھک سے رہ گیا۔

سمیرا کی پتھرائی ہوئی نگاہیں اب بھی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

"سمیرا........" ندیم پوری قوت سے چلایا اور پچھاڑ کھا کر سمیرا کی لاش سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر بین کرنے لگا۔

پوری کوٹھی ماتم کدہ بن گئی۔ ندیم کچھ اس طرح تڑپ تڑپ کر رویا تھا کہ گھر کے ملازم اور نرس بھی اپنی ہچکیاں نہ روک سکے اور ندیم کے غم میں شریک ہو گئے۔ ندیم کی حالت غیر ہوتی چلی گئی۔ ملازموں اور ڈاکٹر نے مل کر اسے سمیرا کی لاش سے علیحدہ کرنا چاہا لیکن اس پر تو جیسے دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ دیوانوں کی طرح وہ سمیرا کو بازوؤں سے پکڑے جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا۔

"نہیں سمیرا نہیں .... میں تم کو مرنے نہیں دوں گا۔ مجھے تمہاری ہر ادا سے پیار ہے۔ خواہ تم مجھے محبت سے پکارو یا نفرت سے نظریں پھیر لو۔ مجھے تمہاری بے رخی اور تمہاری بے اعتنائیوں سے بھی پیار ہے۔ خدا کے لئے آنکھیں کھولو سمیرا .... یوں خاموش نہ رہو۔ دیکھو میں تمہارے لئے ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آیا ہوں۔ تمہاری زندگی کو بچانے کے لئے میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں لیکن خدارا مجھ سے ناراض مت ہو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو سمیرا .... اور ہاں میں نے فیروز کو بھی تار دے دیا۔ وہ بھی کل پرسوں تک آ جائے گا۔ سمیرا .... کیا تم اپنے فیروز بھائی کو بھی مسکراتے ہوئے خوش آمدید نہیں کہو گی۔"

گھر کے سارے ملازم اپنے مالک کی اس کیفیت پر حیران پریشان کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے کسی نہ کسی طرح تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا گیا لیکن جس وقت سمیرا کا جنازہ اٹھنے لگا تو ندیم کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ بچوں کی طرح یوں دھاڑیں مار کر رو رہا تھا کہ غیروں کے کلیجے بھی پھٹے جا رہے تھے۔

سمیرا کو دفنا کر باقی لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن ندیم قبر سے لپٹا روتا رہا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔

دو روز بعد فیروز آیا تو ندیم کا غم دوبارہ تازہ ہو گیا۔ فیروز بھی اس کے غم میں برابر کا شریک ہو گیا۔ ندیم کے ساتھ قبرستان جا کر اس نے بڑی عقیدت سے سمیرا کی قبر پر پھولوں کا ہار ڈالا۔ فاتحہ پڑھی پھر آنسو بہاتا ندیم کو سمجھا بجھا کر واپس کوٹھی آ گیا۔

آٹھ روز تک نینی تال میں رہنے کے بعد فیروز کو اس بات کا خیال ہوا کہ اگر ندیم وہاں رہا تو اپنے غم کو نہ بھلا سکے گا۔ گزشتہ دو روز سے تو اس کی حالت بھی بہت غیر ہو گئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ وہ ہر وقت چپ چاپ اور خاموش بیٹھا سمیرا کی تصویر کو گھورا کرتا۔ جس روز سے سمیرا کا انتقال ہوا تھا اس نے شیو بھی نہیں کیا اور نہ ہی کپڑے تبدیل کئے تھے۔ فیروز نے کپڑے تبدیل کرنے کو کہا تو وہ بڑی حسرت بھری آواز میں بولا۔

"مجھے ان کپڑوں سے پیار ہو گیا ہے فیروز! ان میں ابھی تک سمیرا کے جسم کی مہک باقی ہے۔ اس لئے ان کو میں اپنے آپ سے علیحدہ کیسے کروں۔"

"خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو ندیم ورنہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔"

"اب باقی ہی کیا رہا ہے۔" ندیم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "ایک سمیرا رہ گئی تھی سو وہ بھی خدا کو پیاری ہو گئی۔ میری زندگی میں اب بھلا خوشیاں کہاں سے آئیں گی۔"

"مایوسی گناہ ہے ندیم!" فیروز نے اسے سمجھایا۔ "میرے ساتھ کانپور واپس چلو۔ اپنے کاروبار میں دلچسپی لو۔ وقت خود بخود تمہارے دل کے زخموں کے لئے مرہم بن جائے گا۔"

"میں کانپور نہیں جاؤں گا۔" ندیم نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "یہاں نینی تال میں سمیرا کی روح میری تلاش میں بھٹکتی پھرے گی۔"

"تم اگر پریشان رہو گے تو کیا سمیرا کی روح کو سکون مل جائے گا۔"

"دل کا کیا کروں فیروز!" ندیم فیروز سے لپٹ کر سسکنے لگا۔

دو چار دن اور یوں ہی گزر گئے۔ ندیم نے کچھ اتنی سنجیدگی سے سمیرا کی موت کے اثر کو دل پر لیا تھا کہ وہ بھی بیمار پڑ گیا۔ ہر وقت بخار رہنے لگا بخار کی شدت میں بھی وہ ہمیشہ سمیرا کو یاد کیا کرتا تھا۔

فیروز نے نینی تال کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے ندیم کا علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ سمیرا کی موت کا غم جیسے اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کئے دے رہا تھا۔ غنودگی کی حالت میں اس کے ہونٹوں پر سمیرا کا نام ابھرتا رہتا اور جب وہ ہوش میں ہوتا تو سمیرا کی تصویر کو ہاتھ میں لئے نہ جانے کیسی کیسی دیوانوں جیسی باتیں کیا کرتا۔ فیروز اپنے دوست کی اس حالت سے بے حد پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب تک ندیم نینی تال میں رہے گا اس کی حالت ٹھیک نہیں ہو گی۔ سمیرا کی یادیں اسے پریشان کرتی رہیں گی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ندیم کو کانپور چلنے پر آمادہ کر لے۔ اسے یقین تھا کہ کاروبار میں الجھ کر اس کے ذہن پر سے غموں کا بوجھ ضرور ہلکا ہو جائے گا۔ اس خیال کے پیشِ نظر اس نے متعدد بار کوشش کی لیکن ہر بار ندیم اس کی درخواست کو رد کر

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیتا۔

آج فیروز بہت زیادہ پریشان تھا۔ ندیم کا بخار اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ اس کا جسم بخار کی تپش سے جیسے پھنکا جا رہا تھا۔ کئی بار ندیم نے بخار کی کیفیت میں ہذیان بکنا شروع کیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ فیروز اس کے سرہانے بیٹھا ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق برف کی تھیلی اس کے سر پر رکھے ہوئے تھا۔ جب بوڑھے ملازم نے اندر داخل ہو کر دبی زبان میں کہا تھا۔

"سرکار! پڑوس والی لیڈی ڈاکٹر اپنے صاحب کو دیکھنے آئی ہیں۔"

"لیکن میں نے تو انہیں نہیں بلایا تھا۔" فیروز نے تعجب سے کہا۔ "کون ہیں وہ۔"

"یہیں اپنے پڑوس میں رہتی ہیں۔" ملازم بولا۔ "ایک بار صاحب نے انہیں بیگم صاحب کو دیکھنے کے لئے بھی بلایا تھا۔"

"کیا وہ ندیم کو جانتی ہیں۔"

"پتہ نہیں سرکار!" ملازم نے کہا۔ "میں برف لینے جا رہا تھا کہ راستے میں ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے صاحب کی حالت بتائی تو وہ میرے ساتھ ہی چلی آئیں۔ بڑی نیک اور خدا ترس ڈاکٹر ہیں۔ غریبوں کا علاج تو بالکل مفت کرتی ہیں۔"

"ان سے کہہ دو کہ ندیم اس وقت ہوش میں نہیں ہیں۔ پھر کسی وقت آ کر دیکھ جائیں۔"

"میں نے بتا دیا تھا سرکار! اسی لئے تو وہ صاحب کو دیکھنے آئی ہیں۔"

"اچھا .... بلاؤ اندر۔" فیروز نے ملازم کا دل رکھنے کے لئے کہا۔

ملازم یہ سن کر خوشی خوشی باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد عاصمہ دبے قدموں اندر آئی۔ ندیم کو دیکھا تو دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گئی۔ کتنا نحیف اور کمزور ہو کر رہ گیا تھا وہ۔ بخار کی تپش تو اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

چند لمحے دروازے پر ساکت و جامد کھڑی وہ ندیم کو دیکھتی رہی پھر وہ میڈیکل بیگ سنبھالتی اس کے قریب آ گئی۔ بیگ میز پر رکھ کر اس نے فیروز سے پوچھا۔

"یہ کب سے بے ہوش ہیں؟"

"صبح سے یہی کیفیت ہے۔" فیروز نے عاصمہ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے؟"

"صدمے کے اثر نے ان کے ذہن پر بہت اثر ڈالا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk

"آپ شاید ندیم صاحب کے دوست ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"جس روز سمیرا کا انتقال ہوا تھا اس روز ندیم غالباً آپ ہی کو تار دینے گئے ہوئے تھے۔"

"کیا آپ ندیم کو جانتی ہیں؟" فیروز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اگر میں ندیم صاحب کا علاج اپنے ذمہ لے لوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔" عاصمہ نے فیروز کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

جواب میں عاصمہ کے اداس چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھر کر نڈھال ہو گئی۔ وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے ندیم کا جسم چھوا تو ساری جان سے کانپ اٹھی۔ اس کا جسم تندور کی طرح دہک رہا تھا۔

"انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔"

"جی ہاں۔"

"آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ کئی راتوں کے جاگے ہوئے ہیں۔" عاصمہ نے دبی زبان میں کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ آپ جا کر کچھ دیر آرام کر لیں۔ میں ندیم صاحب کے پاس بیٹھتی ہوں۔"

"میں نے ڈاکٹر اخلاق کو فون کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔" فیروز نے عاصمہ کو ٹالنے کی خاطر کہا۔

"میں آپ کو کسی بات کے لئے مجبور تو نہیں کر سکتی لیکن اتنی درخواست ضرور کروں گی کہ مجھے ندیم صاحب کا علاج کرنے کی اجازت دے دیجئے۔"

"آپ ندیم کو کب سے جانتی ہیں۔" فیروز نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"فی الحال میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ ندیم صاحب کے مرض کو مجھ سے زیادہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔" عاصمہ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا پھر فیروز کی اجازت لئے بغیر ہی اس نے سرنج تیار کر کے ندیم کے بازو میں انجکشن لگایا اور فیروز کو ہٹا کر خود اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔

فیروز حیرت سے ڈوبا اسے دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت نے ندیم کے لئے ایک موزوں مسیحا کو بھیج دیا ہے۔ اس نے عاصمہ کے لہجے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خلوص کی بو محسوس کر لی تھی لیکن وہ ابھی تک یہ نہ جان سکا تھا کہ وہ کون ہے اسی لئے وہ ابھی تک ندیم کے قریب کھڑا عاصمہ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ جا کر آرام کر لیجئے۔" عاصمہ نے فیروز سے کہا۔ "مطمئن رہیں' میں ندیم صاحب کی تیمارداری آپ سے بہتر طور پر کر سکتی ہوں۔"

فیروز نے کچھ سوچا پھر دبے قدموں کمرے سے باہر نکل گیا۔ عاصمہ ندیم کے سرہانے بیٹھی اس کے سر پر برف کی تھیلی رکھے ہوئے تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیشانی کو آہستہ آہستہ سہلا رہی تھی۔ اس کی نظریں ندیم کے اداس چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور دل تھا کہ جیسے پہلو سے نکلا جا رہا تھا۔ آج کتنے سالوں کے بعد وہ ندیم کے اتنے قریب آئی تھی لیکن ندیم دنیا و مافیہا سے بے خبر آنکھ بند کئے خاموش پڑا تھا۔

عاصمہ اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگی۔ ندیم کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات ایک ایک کر کے اس کے ذہن کے پردوں پر متحرک تصویر کی طرح ابھرنے لگے پھر جب اسے اپنی ماں کی موت کا خیال آیا تو وہ ضبط نہ کر سکی۔ پلکوں پر تھرتھراتے کانپتے آنسو ڈھلک ہی گئے۔ کتنی حسرت تھی اس کی ماں کو کہ وہ مرنے سے پہلے عاصمہ کو دلہن بنا دیکھ لے۔ نہ جانے وہ کتنے ہی اچھے اچھے رشتے تلاش کر کے لائی تھی لیکن عاصمہ نے ان سب کو رد کر دیا تھا۔ وہ ان رشتوں کو کیسے قبول کر لیتی جب کہ وہ ندیم کے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کر چکی تھی۔ اسے اپنے خیالوں میں بسا بیٹھی تھی۔ اسے دل کی گہرائیوں میں چھپا کر پوج رہی تھی۔

پھر ماں اپنی حسرت کو سینے سے لگائے خدا کو پیاری ہو گئی تو عاصمہ بالکل تنہا رہ گئی لیکن اسے تو جیسے غم سہنے کی عادت ہو گئی تھی۔ اس نے ماں کی موت کے غم کو ہلکا کرنے کی خاطر مریضوں میں اپنی دلچسپی بڑھا دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ زندگی کے طویل راستوں پر کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ندیم سے اس کا ٹکراؤ ضرور ہو گا۔ اس کے خواب کبھی تو شرمندۂ تعبیر ہوں گے۔ اپنے خوابوں کے سہارے ہی تو وہ زندگی کی تنہائیوں کو بہلاتی رہی تھی اور پھر جب اچانک اس کی ملاقات سمیرا سے ہوئی تو اس کا دل غموں کی شدت سے بھر آیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر سمیرا کو بچانے کی کوشش کرے گی لیکن موت کے ظالم ہاتھوں نے اتنی جلدی اپنا کام دکھایا کہ وہ سمیرا کے لئے کچھ بھی نہ کر سکی اور آج .... آج وہ ندیم کے سرہانے بیٹھی سوچ رہی تھی۔

خدا جانے ندیم مجھے دیکھ کر کیا محسوس کریں گے۔

پہچانیں گے بھی یا نہیں۔

ان کا برتاؤ کیسا ہو گا۔

وہ مجھے پیار سے دیکھیں گے یا نفرت سے منہ موڑ لیں گے۔

بڑی دیر تک وہ اپنے خیالات میں غرق رہی پھر اچانک اس کے ذہن میں سمیرا کے کہے ہوئے آخری جملے گونجے تو وہ تڑپ اٹھی۔ اس کے ہونٹوں کو آہستہ سے جنبش ہوئی۔

"ندیم! اگر میری زندگی کی قربانی تمہارے دکھوں کا مداوا کر سکے تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔ تم خوش رہو۔ یہی میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔"

دل کے سوئے ہوئے ارمانوں میں ابال آیا تو وہ بے اختیار ہو گئی اور جھک کر کانپتے لرزتے ہونٹوں سے اس نے ندیم کی پیشانی پر عقیدتمندی کی مہر ثبت کر دی۔

☆======☆=====☆

ندیم نے آنکھ کھول کر عاصمہ کو اپنے قریب دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی سہانا خواب دیکھ رہا ہو۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ٹکٹکی باندھے وہ عاصمہ کو تکتا رہا اور دوسری طرف عاصمہ امید و بیم کی حالت میں بیٹھی دھڑکتے دل سے ندیم کے بولنے کی منتظر تھی۔

کئی لمحات یونہی خاموشی سے گزر گئے پھر ندیم نے الجھے لہجے میں پوچھا۔

"تم .... تم کون ہو۔"

"میں۔" عاصمہ کی آواز اس کے حلق میں جیسے پھنس کر رہ گئی اس کا معصوم دل سہم کر رہ گیا۔

"تم .... عاصمہ ہی ہو نا۔"

"جی۔" عاصمہ کے لرزتے ہونٹوں پر ہنسی ابھر آئی۔ آہستہ سے ندیم کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

"ابھی آپ بات چیت نہ کریں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

"لیکن .... تم یہاں کیسے آ گئیں۔" ندیم نے پوچھا۔

"کیوں' کیا آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار گزرا ہے؟؟"

"نہیں۔" ندیم جلدی سے بولا اور عاصمہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اس ایک مختصر سی "نہیں" میں کتنی پامال حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔

عاصمہ نے جلدی سے اٹھ کر تازہ پھلوں کا جوس تیار کیا اور گلاس ہاتھوں میں لئے

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ندیم کے قریب آ گئی۔ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا پھر بڑی مترنم آواز میں بولی۔

"لیجئے .... یہ جوس پی لیجئے۔"

"عاصمہ!" ندیم کی پلکیں نمناک ہو گئیں۔ "تم اتنے دنوں تک کہاں غائب تھیں۔"

"ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔" عاصمہ نے مسکرا کر کہا۔ "جانتے ہیں آپ کہ میں نے ڈاکٹری کیوں پڑھی ہے۔ اس لئے کہ اگر خدا نخواستہ کبھی آپ بیمار پڑ جائیں تو میں آپ کی تیمارداری کر سکوں۔ لیجئے اب جلدی سے یہ گلاس خالی کیجئے اور پھر آرام کیجئے۔ فی الحال آپ کو باتیں کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔"

"عاصمہ!" ندیم نے ایک سرد آہ بھری۔

"جی!"

"میں لٹ گیا ہوں عاصمہ! برباد ہو گیا۔ سمیرا مجھ سے روٹھ گئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر اتنی دور چلی گئی ہے جہاں تک میری رسائی ناممکن ہے۔"

عاصمہ نے ندیم کے لہجے میں چھپے درد کی شدت کو محسوس کیا تو تڑپ کر رہ گئی۔ رنج و غم کے نہ جانے کتنے تاریک سائے اس کی اداس نگاہوں میں تیرتے نظر آ رہے تھے۔ عاصمہ کا دل چاہا کہ وہ ندیم کے قدموں سے لپٹ جائے اور کہے۔

"ندیم! تم خود کو اس بھری دنیا میں تنہا کیوں سمجھ رہے ہو۔ میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے بھی اپنے غم میں شریک کر لو۔ ہم مل جل کر غم بانٹ لیں گے۔" لیکن وہ اپنے اس جذبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکی بڑا ضبط کر کے بولی۔

"آپ کو آرام کی ضرورت ہے ندیم! زیادہ باتیں کرنے سے آپ کے ذہن پر برا اثر پڑے گا۔"

"عاصمہ!" ندیم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے درد بھری آواز میں پوچھا۔ "تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو۔"

"پہلے تو نہیں تھی لیکن اب اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں ضرور ناراض ہو جاؤں گی۔" عاصمہ پیار سے بولی پھر ہاتھ کا سہارا دے کر ندیم کو اٹھایا اور اسے جوس پلانے لگی۔

ندیم کا بخار اترا تو نہیں تھا لیکن کمزور ہو گیا۔ جوس پینے کے بعد اس نے لیٹ کر کمرے پر نظر ڈالی تو اس کا حلیہ بدلا بدلا سا نظر آیا۔ ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے پلکوں کی اوٹ سے عاصمہ کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے آنکھیں بند کر

www.pdfbooksfree.pk

لیں۔ آنسوؤں کے دو قطرے ڈھلک کر تکئے میں جذب ہو گئے۔ عاصمہ نے اسے غور سے دیکھا پھر اسے قریب بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی۔

شام تک ندیم کا بخار خاصا ہلکا ہو گیا لیکن سمیرا کی یاد نے اسے بے چین کر رکھا تھا جب بھی اس کی آنکھ ذرا دیر کو کھلتی وہ سمیرا کی باتیں کر کے رونے لگتا۔ اس خیال کے پیشِ نظر کہ کہیں بخار کا حملہ دوبارہ نہ ہو جائے۔ عاصمہ نے اسے طاقت کا انجکشن دیتے وقت اس میں خواب آور دوا بھی شامل کر لی تھی۔

فیروز اس عرصہ میں اپنے کمرے میں پڑا سوتا رہا۔ تین چار روز سے وہ دن رات جاگتا رہا تھا چنانچہ بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھ اس بری طرح سے لگی کہ اسے دنیا جہان کا ہوش ہی نہ رہا۔ جب وہ جاگا تو رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اچانک اسے ندیم کا خیال آیا تو وہ خود کو ملامت کرتا ہوا جلدی سے اٹھا۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے کر اس نے تولئے سے چہرہ صاف کیا پھر بالوں کو ہلکا سا برش کر کے سیدھا ندیم کی طرف آ گیا مگر دروازے پر قدم رکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔

عاصمہ ابھی تک ندیم کے سرہانے بیٹھی اپنی نازک انگلیوں سے ندیم کے الجھے الجھے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خمار جھانک رہا تھا۔ شاید نیند کی وجہ تھی لیکن وہ جاگ رہی تھی۔ اس کی نیند میں ڈوبی خمار آلود نظریں ندیم کو تکے جا رہی تھیں اور ندیم آنکھیں بند کئے سو رہا تھا۔

فیروز کو عاصمہ کی اس مسیحائی پر پیار آ گیا۔ کچھ سوچ کر وہ آہستہ سے کھنکارا تو عاصمہ ایکدم ہی ہڑبڑا کر رہ گئی۔ فیروز کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو وہ جلدی سے کرسی پر آ گئی۔ فیروز نے آگے بڑھ کر ندیم کی نبض پر ہاتھ رکھا تو اسے عاصمہ کی مسیحائی کا قائل ہو جانا پڑا۔ ندیم کو بس معمولی سا بخار رہ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب آپ گھر جا کر آرام کریں۔" فیروز جو ابھی تک عاصمہ سے ناواقف تھا دبی آواز میں بڑی عقیدت سے بولا۔

"آپ میری فکر نہ کریں فیروز صاحب! میں یہاں بہت آرام سے ہوں۔"

"میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"ندیم صاحب نے بتایا تھا۔"

"کیا ندیم نے آپ سے باتیں بھی کی تھیں؟" فیروز نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ بہت ساری۔" عاصمہ نے دبی زبان میں کہا۔ "انہوں نے بڑی سختی سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہدایت کی ہے کہ جب تک ان کا علاج کروں کوئی دوسرا معالج یہاں نہ آنے پائے۔"

"آپ کی مسیحائی واقعی قابلِ رشک ہے ڈاکٹر!" فیروز نے کہا پھر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تعجب ہے کہ آپ نے ابھی تک فیس کے معاملے میں بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔" عاصمہ نے وقت گزارنے کے لئے ازراہِ مذاق کہا۔

"ندیم کی خاطر تو میں آپ کو منہ مانگی فیس دے سکتا ہوں۔" فیروز نے جذباتی لہجے میں کہا۔ کچھ سوچ کر بولا۔ "آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ندیم کو آپ کب سے جانتی ہیں۔"

"فیس کی بات ادھوری رہ جائے گی اس لئے پہلے اسے طے کر لیجئے۔" عاصمہ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ جو فیس چاہیں میں ادا کر سکتا ہوں۔"

"وعدہ' کہیں آپ بعد میں مکر تو نہ جائیں گے۔"

"ندیم کی خاطر تو آپ میری زندگی بھی مانگ سکتی ہیں۔"

"اگر یہی بات ہے تو پھر ازراہِ کرم آپ جا کر آرام کریں۔ میں صبح تک یہیں رہوں گی۔ آپ رات کو اپنی نیند پوری کر لیں تاکہ صبح جب میں مطب جاؤں تو آپ اپنی ڈیوٹی بخوبی انجام دے سکیں۔"

"آپ نے فیس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" فیروز نے اپنائیت سے پوچھا۔

"میری فیس صرف یہی ہے کہ جو بات میں کہوں وہ آپ مان لیں۔"

فیروز نے عاصمہ کے لہجے کے خلوص کو محسوس کیا تو لاجواب ہو کر رہ گیا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتا ہے۔

"کیا ندیم سے آپ کو بہت زیادہ محبت ہے۔" عاصمہ نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر ندیم کو کبھی میری جان کی بھی ضرورت پیش آ جائے تو میں دریغ نہیں کروں گا۔"

"پھر تو ندیم صاحب واقعی خوش قسمت ہیں جو انہیں آپ جیسا جاں نثار دوست مل گیا۔"

"آپ نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔" فیروز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے زیادہ تر لوگ لیڈی ڈاکٹر کے نام سے جانتے ہیں۔ آپ بھی اسی نام سے مجھے

www.pdfbooksfree.pk

یاد کر سکتے ہیں۔"

فیروز نے دوسرا سوال کرنا چاہا لیکن پھر اس کی مشکل خود بخود آسان ہو گئی۔ بوڑھے مُلازم نے اندر داخل ہو کر عاصمہ سے کہا۔

"عاصمہ بی بی! آپ کا ملازم آیا ہے۔ پوچھ رہا ہے کہ آپ کب تک واپس آئیں گی۔"

"بابا! اس سے کہہ دو کہ میرا انتظار نہ کرے۔ میں صبح تک یہیں رہوں گی۔"

ملازم چلا گیا تو فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو آپ ہی ہیں عاصمہ بہن!"

"جی ہاں۔" عاصمہ نے نظریں جھکاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ فیروز کی مسکراہٹ سے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کے بارے میں ضرور جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ ندیم نے اسے سب کچھ بتا دیا ہو۔ اس نے کنکھیوں سے ندیم کو دیکھا جو ابھی تک محو خواب تھا۔

"اگر آپ نے مجھے اپنا نام پہلے بتا دیا ہوتا تو میں فیس کے معاملہ میں بخل سے کام نہ لیتا۔"

"جی۔" عاصمہ نے چونک کر فیروز کو دیکھا جو بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ندیم نے مجھے آپ کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتا رکھا ہے۔" فیروز نے کہا۔ پھر قدرے اداس لہجے میں بولا۔ "خدا کی قسم عاصمہ بہن! ندیم آپ کے ضمن میں بالکل بے قصور ہے۔ حالات نے اسے کچھ ایسے شکنجوں میں جکڑ رکھا تھا کہ وہ بے بس ہو گیا لیکن آپ کی یاد..........."

"فیروز بھائی!" عاصمہ نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ندیم سے کوئی شکایت' کوئی گِلہ نہیں۔ اب تو بس یہی دعا ہے کہ یہ تندرست ہو جائیں اور خوش رہیں۔"

"کیا ندیم کے تندرست ہونے کے بعد آپ دوبارہ غائب ہونے کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

عاصمہ نے اپنی دراز پلکیں اٹھا کر فیروز کو دیکھا پھر سوچ کر خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔ "جب سے سمیرا کا انتقال ہوا ہے ندیم کو آج تک ہوش نہیں تھا۔ ہر وقت بہکی بہکی باتیں کرتا رہتا تھا لیکن آپ کے آ جانے سے اس کی حالت اچانک سنبھل گئی ہے۔ آپ کی مسیحائی واقعی قابلِ رشک ہے عاصمہ بہن!"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اب آپ نے مجھے بہن کہہ دیا ہے تو مجھے فیس بھی غالباً زیادہ ملے گی۔"

"کیوں نہیں۔ بھائیوں پر تو ویسے بھی بہنوں کا بہت زیادہ حق ہوتا ہے۔"

"میں آج اپنے آپ کو واقعی بہت خوش قسمت سمجھ رہی ہوں جو مجھے آپ جیسا بھائی مل گیا۔"

"اور کسی بات کی خوشی نہیں ہے آپ کو۔" فیروز نے دبی زبان میں کہا۔

عاصمہ اس سوال پر سرخ ہو گئی۔ ایک شرگیں سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھر کر اس کے پورے وجود پر ساون کی گھنگھور گھٹاؤں کی طرح چھاتی چلی گئی۔

ندیم نے آنکھ کھول کر نحیف آواز میں پانی مانگا تو عاصمہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جگ سے پانی انڈیل کر وہ ندیم کے قریب آ گئی۔ ہاتھ سے سہارا دے کر اس نے ندیم کو اٹھایا اور پانی پلانے لگی۔ فیروز مسکراتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" فیروز نے ندیم کے دوبارہ لیٹ جانے کے بعد اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے سے بہتر ہوں۔"

"عاصمہ بہن کی مسیحائی تمہارے حق میں بڑی جلدی کارگر ثابت ہوئی ہے۔"

جواب میں ندیم نے گردن گھما کر عاصمہ کو دیکھا جو شرم کے مارے خود اپنے ہی وجود میں سمٹے جا رہی تھی۔

"عاصمہ بہن!" فیروز نے شرمائی شرمائی عاصمہ کو پیار سے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔ "میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ ندیم سے اپنی فیس والی بات طے کر لیں تو زیادہ فائدہ میں رہیں گی۔"

"فیس تو مجھے آپ سے لینی ہے۔" عاصمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر ندیم کی طرف دیکھ کر بولی۔ "منع کر لیجئے آپ اپنے دوست کو۔ یہ مجھے بہت دیر سے پریشان کر رہے ہیں۔"

"عاصمہ! فیروز میرا دوست بھی ہے اور بھائی بھی۔" ندیم نے بڑے خلوص سے کہا۔

"گویا آپ یہی چاہتے ہیں کہ فیروز بھائی کی جیب ہلکی نہ ہونے پائے۔"

"عاصمہ! میں بھلا اس قابل کہاں رہ گیا ہوں کہ تمہیں فیس دے سکوں۔" ندیم کے لہجے میں درد کی لہر جاگ اٹھی تو عاصمہ یکلخت سنجیدگی سے بولی۔

"آپ سے کب میں نے فیس مانگی تھی۔"

www.pdfbooksfree.pk

"نہ سہی لیکن میں............" ندیم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تو عاصمہ نے جلدی سے باتوں کا رخ بدلتے ہوئے کہا:

"آپ اب زیادہ باتیں نہ کریں اور آنکھ بند کر کے سو رہیں۔"

"نیند نہیں آ رہی ہے۔"

"کوشش کیجئے۔ آ جائے گی۔"

"تم اپنے گھر نہیں گئیں ابھی تک؟"

"اگر آپ کہیں تو چلی جاؤں۔" عاصمہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"میں اب تم سے کچھ کہنے کا حق کہاں رکھتا ہوں عاصمہ!" ندیم کی آواز گلوگیر ہو گئی تو عاصمہ تڑپ اٹھی۔ سنبھل کر بولی۔

"ڈاکٹر اپنے مریض کی حالت کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اس لئے آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف میرے مشورے پر عمل کرتے رہیں۔"

"عاصمہ بہن!" فیروز جلدی سے بولا۔ "آپ نے بات واقعی بڑی خوبصورت کہی ہے بشرطیکہ ندیم بھی سمجھ سکیں۔"

"آپ پھر بولے۔" عاصمہ نے پیار بھری خفگی سے فیروز کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"عاصی! تمہاری امی نہیں آئیں مجھے دیکھنے۔" ندیم نے پوچھا۔ "کیا وہ مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہیں؟"

"وہ مجھ سے بھی روٹھ گئی ہیں............ ہمیشہ کے لئے۔" عاصمہ رنجیدہ ہو گئی۔

فیروز اور ندیم دونوں نے عاصمہ کو بیک وقت دیکھا تھا۔

ماحول پر کچھ دیر کے لئے اداس چھا گئی پھر فیروز کی باتوں نے جلدی ہی اس کا رنگ بدل دیا۔ عاصمہ بھی ندیم کو طبیعت بہلانے کی خاطر اپنا غم بھول کر فیروز کے ساتھ ہنسنے بولنے لگی۔

☆======☆======☆

عاصمہ کی مسیحائی رائیگاں نہیں گئی۔

پندرہ بیس روز کی شب و روز تیمارداری اور دیکھ بھال نے نہ صرف ندیم کو دوبارہ صحتمند کر دیا بلکہ کسی قدر اس کے غموں کا بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔ عاصمہ نے اسے دس روز بعد ہی اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ تھوڑا بہت چل پھر لیا کرے۔ فیروز نے روزمرہ کا معمول بنا لیا تھا کہ ندیم کو تھوڑی دور تک ٹہلانے لے جایا کرتا تھا۔ ندیم نے ایک دوبار

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دبی زبان میں اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا کہ عاصمہ بھی اس کے ساتھ گھومنے چلا کرے لیکن شام کے وقت بھی عاصمہ چونکہ مطب جاتی تھی اس لئے ندیم کی اس خواہش کا احترام کرنے سے قاصر تھی۔ ویسے وہ مطب کے اوقات کے علاوہ اپنا بیشتر وقت ندیم اور فیروز کے ساتھ گزارتی تھی۔

فیروز ندیم کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر بے حد خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب آہستہ آہستہ ندیم دوبارہ اپنے کاروبار میں دلچسپی لینی شروع کر دے گا۔ دل ہی دل میں عاصمہ کی محبت کے جذبے کا بھی قائل ہو گیا جس نے ندیم کو صحت بخشی تھی۔ فیروز چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح ندیم کو کانپور واپس چلنے پر رضامند کر لے۔ اسے کاروبار کی فکر تھی کہ کہیں اس کی اور ندیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے بزنس پر کوئی برا اثر نہ پڑے لیکن اس خیال کے ساتھ ہی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ عاصمہ کی جدائی کہیں ندیم کو دوبارہ افسردہ اور مضمحل نہ کر دے۔ وہ کسی مناسب موقع کا متلاشی تھا تاکہ ندیم سے اس مسئلے پر گفتگو کر سکے۔

آج جب وہ حسب معمول ندیم کے ساتھ شام کی تفریح کی غرض سے باہر نکلا تو ندیم کی طبیعت اسے خاصی ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر فیروز اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر بولا۔

"نینی تال سے واپسی کا ارادہ کب تک ہے؟"

"کیوں' کیا تم یہاں سے اکتا گئے ہو؟"

"نہیں۔ مجھے کاروبار کا خیال ہے۔" فیروز نے کہا۔ "ہم دونوں کا بیک وقت کانپور سے غیر حاضر رہنا مناسب نہیں ہے۔ خدا جانے کیا حال ہو وہاں کا۔"

"اتنی جلدی کیا پڑی ہے۔" ندیم بولا۔ "ویسے اگر تم چاہو تو تنہا واپس چلے جاؤ۔ میں فی الحال یہاں کچھ دنوں اور ٹھہرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر کچھ دنوں کی بات ہے تو پھر میں بھی رکا جاتا ہوں۔"

"تم چلے ہی جاؤ فیروز! میں نینی تال سے جلدی نہ جا سکوں گا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں سمیرا کی یادیں موجود ہیں اور پھر عاصمہ بھی تو ہے۔" ندیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"سمیرا بہن کے سلسلے میں تمہیں اب صبر سے کام لینا چاہئے۔" فیروز نے اسے سمجھایا۔ "مرحومہ کے لئے میں اب صرف بخشش کی دعا کرنی چاہئے۔ رہا عاصمہ کا معاملہ تو

www.pdfbooksfree.pk

میرا خیال ہے کہ تم اگر چاہو تو وہ بھی ہمارے ساتھ چلنے پر رضامند ہو جائے گی۔"

"میں بھلا اسے کسی بات کے لئے مجبور کیسے کر سکتا ہوں۔" ندیم نے درد بھری آواز میں کہا۔

"اس میں مجبوری کا کیا پہلو نکل آیا۔ کیا کانپور میں وہ اپنی پریکٹس جاری نہیں رکھ سکتی۔"

"پریکٹس کی بات نہیں ہے فیروز!"

"پھر کیا بات ہے؟"

"تم سب کچھ جانتے بوجھتے انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو۔" ندیم بولا۔ "میں اب کس منہ سے اسے کسی بات کے لئے مجبور کر سکتا ہوں۔"

"خیال ہے تمہارا۔" فیروز نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر عاصمہ کو تم سے محبت یا لگاؤ نہ ہوتا تو وہ اتنی دلچسپی سے تمہارا علاج کبھی نہ کرتی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے محض اپنے پیشے کی بناء پر وقتی طور پر مجھ سے ہمدردی کا برتاؤ کیا ہو۔"

"مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"تمہارے یا ہمارے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"اگر تم کہو تو میں کسی وقت باتوں باتوں میں اس کا عندیہ لینے کی کوشش کروں۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں عاصمہ ناراض نہ ہو جائے۔"

"یہ میرا ذمہ ہے۔ وہ ناراض نہیں ہو گی۔"

کچھ دیر وہ خاموشی سے ایک پُرفضا مقام پر ٹہلتے رہے۔ فیروز نے محسوس کیا تھا کہ عاصمہ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ندیم پر بڑی جذباتی قسم کی اداسی طاری ہو گئی تھی۔ وہ چپ چاپ سا نظر آ رہا تھا۔

"اگر ہم عاصمہ کو یہیں چھوڑ کر واپس چلیں تو کیا حرج ہے؟"

"فیروز!" ندیم نے تیزی سے نظریں گھما کر فیروز کو یوں دیکھا جیسے اسے فیروز سے اس جملے کی توقع نہیں تھی۔ کچھ کہنے کے لئے اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی لیکن پھر اس نے اپنے ہونٹ بڑی سختی سے بھینچ لئے اور قدم اٹھاتے آگے بڑھ گیا۔

فیروز اس کی بے چینی محسوس کر کے مسکرا دیا۔

"آؤ' اب واپس چلتے ہیں۔" کچھ دیر بعد اس نے ندیم سے کہا تو اس نے کوئی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے فیروز کے ساتھ گھر واپس آگیا۔

بعد مغرب حسب معمول عاصمہ مطب سے فراغت پا کر ندیم کی طرف آئی تو فیروز کو دروازے پر ہی اپنا منتظر دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ فیروز کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ تیزی سے روش عبور کرتی وہ اس کے قریب آگئی۔

"کیا بات ہے فیروز بھائی! ندیم کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی ہاں۔ آپ کی مسیحائی کا کرشمہ ہے۔"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" عاصمہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ "میں تو آپ کو سنجیدہ دیکھ کر یہی سمجھی تھی کہ نہ جانے کیا بات ہو گئی ہے۔"

"آپ کا اندازہ غلط بھی نہیں ہے۔" فیروز نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "جس بات کی وجہ سے میں سنجیدہ ہوں وہ یقیناً بہت اہم ہے۔"

"اب آپ غالباً مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں' میں واقعی سنجیدہ ہوں۔"

"بات کیا ہے؟" عاصمہ نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے دراصل آپ ہی سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"مجھ سے؟" عاصمہ نے تعجب سے کہا پھر مسکرا کر بولی۔ "ایسی کیا بات کرنی ہے آپ کو جس کے لئے آپ کو باقاعدہ سنجیدہ ہونا پڑا۔"

"ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ میری بات کا بُرا نہ مان جائیں۔"

"کیا آپ کو اپنی بہن پر اعتماد نہیں ہے یا پھر اوپری دل سے بھائی بنے تھے۔"

"خدا کی قسم میں نے صدق دل سے آپ کو بہن کہا ہے اور تمام زندگی اس رشتے کو قائم رکھوں گا۔"

"پھر ہچکچاہٹ کس بات کی ہے۔ جو کہنا ہے کھلے دل سے کہہ ڈالئے۔"

"بات دراصل یہ ہے عاصمہ بہن! کہ میں ندیم کو کانپور لے جانا چاہتا ہوں۔" ندیم عاصمہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا لان پر آگیا۔ "کانپور سے ندیم کی غیر موجودگی کاروبار پر بُرا اثر بھی ڈال سکتی ہے۔"

"پھر' اس میں مجھ سے پوچھنے والی کیا بات تھی۔" عاصمہ نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ندیم کی واپسی کا سنتے ہی وہ یکلخت اداس سی ہو گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ نینی تال میں رہ کر ندیم مرحومہ کی یاد کو بھلا نہ سکیں گے۔"

"وقتی بات ہے فیروز بھائی!" عاصمہ بولی۔ "وقت کے ساتھ ساتھ ہر نقش دھندلا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو۔"

"کچھ زخم ایسے بھی تو ہوتے ہیں جو تمام زندگی مندمل نہیں ہوتے۔ اندر ہی اندر رِستے رہتے ہیں یہ اور بات ہے کہ دوسرے اسے دیکھ نہ پائیں۔" فیروز کا لہجہ معنی خیز تھا۔

عاصمہ نے فیروز کا مفہوم سمجھ لیا تھا۔ خاموشی سے گردن جھکا کر رہ گئی۔

"میں نے ندیم سے واپسی کے لئے کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

"انکار کر دیا۔" عاصمہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "کیا کوئی خاص وجہ ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" فیروز نے دیدہ دانستہ انجان بنتے ہوئے کہا۔ "لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر آپ ندیم کو سمجھائیں تو وہ واپسی کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔"

"آپ اگر کہتے ہیں تو میں کوشش کئے لیتی ہوں۔" عاصمہ نے اوپری دل سے کہا۔

"ایک درخواست اور کرنی چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اگر ندیم آپ سے کسی بات کی ضد کرے تو ٹالئے گا نہیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کا دل ٹوٹ جائے۔"

"میں کوشش کروں گی کہ ان کا دل نہ ٹوٹنے پائے۔ مگر آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ کس بات کی ضد کریں گے۔"

"جی ہاں۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو بتا دیجئے۔"

"آپ کو میری بات کا یقین آ جائے گا؟"

"بہنیں کبھی بھائیوں کی بات کو غلط نہیں سمجھ سکتیں۔"

فیروز ایک لمحے کے لئے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"ندیم کی خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ کانپور چلیں۔"

"اوہ..........." عاصمہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ دبی زبان میں نظریں جھکا کر بولی۔

"ندیم نے تو مجھ سے اس خواہش کا اظہار کبھی نہیں کیا۔"

"حالات نے اسے خوفزدہ کر دیا ہے۔" فیروز جلدی سے بولا۔ "وہ یہ بات آپ سے کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔"

"آپ کا کیا مشورہ ہے میرے کانپور چلنے کے سلسلے میں۔"

www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میں تو یہی کہوں گا کہ آپ اگر چاہیں تو ندیم کی زندگی میں دوبارہ بہار آ سکتی ہے۔"

"فیروز بھائی!" عاصمہ نے شرماتے ہوئے کہا۔ پھر دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر تیزی سے اندر کی طرف بھاگ گئی۔

ندیم اپنے بستر پر لیٹے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔ قدموں کی آہٹ پا کر چونکے تو دیکھا عاصمہ دروازے پر کھڑی ہے۔

"آؤ عاصمہ!" وہ آہستہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی۔" عاصمہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "فیروز بھائی کہہ رہے تھے کہ آج آپ کچھ پریشان پریشان ہیں۔"

"نہیں، ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ندیم نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر سے مرض چھپانا بری بات ہے ورنہ علاج کیسے ہو سکے گا۔" عاصمہ نے بدستور سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"فیروز بہ ضد ہے کہ میں کانپور واپس چلوں۔"

"تو چلے جایئے نا۔ وہاں آپ کا ذاتی کاروبار بھی تو ہے۔"

"یہی سوچ رہا ہوں۔" ندیم دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ عاصمہ اسے رکنے کے لئے کہے گی لیکن جب یہ توقع غلط ثابت ہوئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے کہ اندر کوئی شے ٹوٹ گئی ہو۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔" عاصمہ بولی۔ "فیروز بھائی آپ کے بہترین دوست ہیں۔ انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی مشورہ دیا ہو گا۔"

"میرا کوئی دوست نہیں ہے۔" اچانک ہی ندیم تڑپ کر بولا۔ "مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو میرا جی چاہے گا وہی کروں گا۔"

"کیا جی چاہتا ہے آپ کا؟" عاصمہ نے پیار سے پوچھا۔

"میں مرنا چاہتا ہوں۔" ندیم نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔ "مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ اگر ہو سکے تو تم مجھے زہر دے دو۔"

"ڈاکٹر کا کام مریض کو مارنا نہیں بلکہ جِلانا ہوتا ہے۔" عاصمہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"مجھے کسی ایسے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے جو مرض کی تشخیص نہ کر سکے۔" ندیم الجھے ہوئے لہجے میں بولا پھر اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

www.pdfbooksfree.pk

عاصمہ نے ندیم کی کیفیت کو محسوس کیا تو دل ہی دل میں مسکرا دی۔ یہ تصور ہی اس کے لئے بڑا دل خوش کن تھا کہ وہ آج بھی ندیم کے دل میں موجود ہے۔

"ندیم!" اس نے آہستہ سے ندیم کو آواز دی۔

"کہو۔" ندیم نے بدستور منہ دوسری طرف کئے کئے پوچھا۔

"کیا آپ نینی تال سے واپس نہیں جانا چاہتے۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ساکت و جامد کھڑا رہا۔

"اگر آپ نے کاروبار کی طرف سے عدم توجہی برتی تو کاروبار کی تباہی کا خطرہ ہے۔"

"مجھے اب کسی تباہی کا کوئی غم نہیں ہو گا۔" ندیم کے لہجے میں درد تھا۔

"ایک بات کہوں ندیم!" عاصمہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ندیم کے نزدیک جا کر بولی۔

"نہیں عاصمہ تم مجھے نینی تال سے جانے کے لئے مجبور نہیں کرو گی۔"

"اور اگر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں تو؟"

ندیم نے ایک دم ہی سے پلٹ کر عاصمہ کو دیکھا جیسے اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ عاصمہ نے اس کے دل کی بات خود ہی کہہ دی تھی۔ اس نے عاصمہ کی غزالی آنکھوں میں پیار کی چمک دیکھی تو خوشی سے سرشار ہو گیا۔

"نہیں لے جانا چاہتے ساتھ تو انکار کر دیجئے۔ یوں گھور کیوں رہے ہیں۔"

"عاصی!" ندیم کی آواز فرطِ خوشی سے لرز اٹھی۔

"جی!"

"تم چلو گی میرے ساتھ کانپور؟"

"آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" عاصمہ نے نظریں جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"لیکن تمہارا چلنا عارضی تو نہیں ہو گا۔" ندیم نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"یہ بھی آپ کے ارادے پر منحصر ہے۔" عاصمہ خوشی سے بولی۔ "اگر کچھ دنوں بعد آپ نے بھگا دیا تو میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔"

"عاصی! میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔" عاصمہ نظریں جھکا کر مسکرا دی۔

"تم .... تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گی عاصی!"

"آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں ندیم!"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"مجھے صرف اتنا بتا دو عاصی کہ کہیں تم وقتی بہلاوے کی خاطر تو یہ باتیں نہیں کر رہی ہو۔"

"آپ کا دل کیا کہتا ہے۔"

"میرا دل۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔ "میرا دل تو یہ کہہ رہا ہے عاصی! کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔"

"اچھا۔" عاصی بڑے پیار سے بولی۔ "کیا غلطی سرزد ہو گئی تھی آپ سے۔"

"میں تم سے بغیر کچھ کہے سنے جو الہ آباد سے چلا آیا تھا۔"

"اگر آپ تنہا بھاگے ہوتے تو میں آپ سے یقیناً خفا ہو جاتی لیکن سمیرا بہن بھی چونکہ آپ کے ساتھ تھیں اس لئے میں نے کوئی برا نہیں مانا۔"

"عاصی! تم کتنی عظیم ہو۔" ندیم نے جذباتی لہجہ میں کہا پھر عاصمہ کو گھسیٹ کر اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا کر بولا۔ "میں نے تمہیں بہت سارے دکھ دیئے ہیں میرا خیال تھا کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو گی۔"

"دعا دیجئے سمیرا بہن کو جس نے آخری وقت میں بھی آپ کی خوشیوں کو مقدم سمجھا تھا۔"

"تم سمیرا سے کب ملی تھیں؟" ندیم نے حیرت سے پوچھا۔

"اسی روز جب آپ سمیرا کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر فیروز بھائی کو تار دینے گئے تھے۔" عاصمہ نے ندیم کے سینے میں سر چھپائے چھپائے کہا پھر دبی زبان میں سمیرا کی تمام باتیں دہرا دیں۔

ندیم نے سمیرا کی باتیں عاصمہ کی زبانی سنیں تو اس کا دل بھر آیا۔ پلکوں پر تھرتھراتے آنسو ڈھلک کر عاصمہ کے شانوں پر گرے تو وہ چونک اٹھی۔ ندیم کو روتا دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"خدا کے لئے ندیم! ان آنسوؤں کو پونچھ لیجئے نہیں تو سمیرا بہن کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔ ہمیں ان کی خواہشات کا احترام کرنا چاہئے۔"

"عاصی! تم انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہو۔"

"کیوں گنہگار کرتے ہیں ندیم!" عاصمہ نے آہستہ سے کہا پھر نظریں جھکا کر اپنا سر ندیم کے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔" باہر سے فیروز کی آواز سنائی دی تو عاصمہ جلدی سے

ندیم سے علیحدہ ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ندیم نے پلکوں پر کپکپاتے آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کر لیا۔ فیروز نے اندر آ کر ان دونوں کو غور سے دیکھا پھر ندیم سے پوچھا۔

"واپس چلنے کے لئے اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں تیار ہوں فیروز!" ندیم نے عاصمہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور کون کون ساتھ چلے گا؟"

"عاصمہ بھی ہمارے ساتھ چلے گی۔" ندیم خوشی خوشی بولا۔

"کیوں عاصمہ بہن بات پکی ہو گئی نا۔" فیروز نے معنی خیز لہجے میں عاصمہ سے پوچھا تو وہ پھولوں سے لدی شاخ کی طرح لچک کر رہ گئی۔ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر جلدی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

فیروز زیر لب مسکراتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا اور ندیم' اسے تو جیسے روٹھی ہوئی خوشیاں واپس مل گئی تھیں!!

☆====== ختم شد ======☆

www.pdfbooksfree.pk